

# تحریک آزادی ہند

اور

## مسلمان

حصہ دوم

تو مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوئم اور اضافوں مشتمل ہے

سید ابوالاعلیٰ مودودی

اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۳۰ ای۔ شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

(جلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

طالع : \_\_\_\_\_ لا الہ الا اللہ داد خان ، مہنگ ڈھکڑ

ناشر : \_\_\_\_\_ اسلاک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

سہا ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور

مطبع : \_\_\_\_\_ زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

اشاعت :

۹۵۰۰

۱۹۸۳ مئی ۱۹۸۳ تا اکتوبر ۱۹۸۹ء

۵۰۰

جنوری ۱۹۹۶ء

۱۰

( قیمت ۹۰/- روپے )

## فہرست مضامین

۹	مقدمہ: اہل اہل دہلی (۱۹۳۱ء)
۱۷	تعارف: مقدمہ (جولائی ۱۹۳۹ء)
۲۹	تعمیم: اسلامی کا منزل (نومبر ۱۹۳۹ء)
۴۹	نسل: مسلمانوں کے لیے دو راہیں (مئی ۱۹۳۹ء)
۶۳	اہلیت: اکثریت (جون ۱۹۳۹ء)
۶۹	شکایات: دسمبر (۱۹۳۹ء)
۸۱	راہ: روپشت: منزل (جنوری ۱۹۴۰ء)
۹۳	اسلام کی وحدت: امامان کا نصب: امیں (مئی جون ۱۹۴۰ء)
۱۰۹	اہل مسلمانوں کے لیے ایک ہی راہ: عمل (جولائی ۱۹۴۰ء)
۱۲۱	اسلام کی راہ: راستہ اور اس سے انحراف: کی راہیں (فرم ۱۰- جنوری ۱۹۴۱ء)
۱۴۱	اسلامی حکومت: کس طرح قائم ہوتی ہے؟ (ستمبر ۱۹۴۱ء)
۲۰۱	ایک صلح: جماعت کی ضرورت (اپریل ۱۹۴۱ء)

## افسانے

۲۱۵	
۲۱۷	مظاہر: پاکستان کو یہود کے قومی وطن سے تشبیہ دینا غلط ہے (ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۲ء)
	مسلم لیگ سے اختلافات کی نوعیت (ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۲ء)

- ۲۲۵ وقت کے سیاسی مسائل میں جماعت اسلامی کا مسلک (ستمبر و اکتوبر ۱۹۴۵ء)
- ۲۲۹ نظام کنفرس قانون ساز مجلس میں مسلمانوں کی شرکت کا مسئلہ (نوم ۱۹۴۵ء - دسمبر ۱۹۴۵ء)
- ۲۳۳ ہمس قانون سازی و کیفیت شرعی نقطہ نظر سے (نوم ۱۹۴۵ء - دسمبر ۱۹۴۵ء)
- ۲۳۷ پُر امن مکتوب کا راستہ (نوم ۱۹۴۵ء - دسمبر ۱۹۴۵ء)
- ۲۴۱ ۱۹۴۶ء کے انتخابات اور جماعت اسلامی (فروری ۱۹۴۶ء)
- ۲۴۱ تقسیم سے قبل ہندوستان کے مسلمانوں کو آخری مشورہ (اپریل ۱۹۴۷ء)
- ۲۴۷ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں جماعت اسلامی کا مسلک (جولائی ۱۹۴۷ء)
- ۲۵۹ تقسیم ہند کے حالات پتہ بھرہ (جون ۱۹۴۷ء)
- ۳۰۱ تقسیم کے وقت مسلمانوں کی حالت کا جائزہ (جولائی ۱۹۴۷ء)
- ۳۱۳ تقسیم کے بعد سامنے آنے والے اہم مسائل (اگست ۱۹۴۷ء)
- ۳۲۷ کیا پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہیئے (مئی ۱۹۴۷ء)
- ۳۳۵ پاکستان میں اسلامی قانون کیوں نہیں نافذ ہو سکتا؟ (جولائی ۱۹۴۷ء)
- ۳۶۵ پاکستان میں اسلامی قانون کس طرح نافذ ہو سکتا ہے؟ (فروری ۱۹۴۷ء)
- ۳۸۳ مطالبہ نظام اسلامی (اپریل و مئی ۱۹۴۷ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

میری اس کتاب کا حصہ اول اس سے پہلے شائع ہو چکا ہے جو دراصل جمن اجزاء پر مشتمل تھا۔

۱۔ میرے دو مضامین جو ۱۹۲۷ء میں مسلمان اور موجودہ سیاسی گٹھنکشن حوالہ و کتاب سے ابتداً شائع ہوئے تھے اور پھر ایک نصف تک اسی نام سے کتابی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔

۲۔ دو مضامین جن میں نے ۱۹۲۸ء میں مسلمان اور موجودہ سیاسی گٹھنکشن حوالہ کے نام سے شائع کیے تھے اور وہ بھی ایک وقت تک اسی نام سے شائع ہوتے رہے۔

۳۔ میری کتاب "مسئلہ قومیت" کے بعض حصے جو ۱۹۲۹ء میں لکھے گئے تھے۔ جنی صباؔ موضوع ہندوستان کے مسلمانوں کو ان خطرات سے آگاہ کرنا تاہم ملک کے تمام باشندوں کو ایک قوم قرار دینا کے ایک معاویہ جیوری قومی سیاست میں غم کر دینے سے ان کے دین اور ان کی تہذیب اور ان کی اخلاقیات کو لاحق ہو سکتے تھے۔ اگرچہ اب وہ نادگرہ چکا ہے اور حالات بدل گئے ہیں لیکن یہ حال ان مضامین کی ایک تازہ نگاہیت تھی، اس لیے ان کو تقریباً اتاری ہند اور مسلمان حوالہ کے نام سے از سر نو شائع کیا گیا۔

اب اسی کتاب کا دوسرا حصہ شائع کیا جا رہا ہے جو درجہ اجزاء پر مشتمل ہے۔  
۱۔ میرے دو مضامین جو مئی ۱۹۳۱ء سے اپریل ۱۹۳۲ء تک لکھے گئے تھے اور مسلمان اور موجودہ

یہی کشمکش حضرموت کے ہم سے اُسی نامے میں شائع ہو چکے تھے جن میں سے ہر  
مضمون کی تہذیبِ اشاعت مدح کر دی گئی ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کیمدیت  
کی مصلحت میں یہی گئی تھی۔

۲۔ وہ مضامین جو سیاہی کشمکش حضرموت کی اشاعت کے بعد اسی مضمون سے تعلق رکھنے  
والے مسائل پر ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۰ء تک لکھے گئے۔ یہ سب مضامین اگرچہ رسالہ  
ترجمانِ عقائد میں اپنے اپنے وقت پر شائع ہوتے رہے تھے بلکہ ان کو کہیں یکجا  
ترتب نہیں کیا گیا تھا اب پہلی ترجمان کو ترتیب کر کے اس کتاب میں ان کا اضافہ کر دیا  
گیا ہے۔ اعلان میں سے بھی ہر مضمون کی تہذیبِ اشاعت مدح کر دی گئی ہے تاکہ ہر  
بات کو اس کے تادیبی پس منظر میں دیکھا جاسکے۔

جو مکرر مضامین ————— خصوصاً اس کتاب کے جز و اول کے مضامین —————  
برسوں سے میرے غفلت سا ذخائر پر بیگنٹھے کے لیے خوب خوب استعمال ہوتے ہیں  
اعلان کی عبارتوں کو سیاق و سباق سے الگ کر کے عجیب عجیب سنی پہنائے جاتے ہیں  
پس اس لیے میں نے ترتیب و نظر ثانی کے وقت ان کی علامات میں کوئی تغیر نہیں کیا  
ہے۔ اگر کسی چیز کی تشریح کرنے یا کسی چیز کا اضافہ کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے تو  
اسے حاشیہ کی صورت میں مدح کیا ہے، اور تعریف و حیدرِ عیاشی کے درمیان فرق کرنے کے  
لیے تو میں نے تعریف، یا جدید کے الفاظ لکھ دیئے ہیں، تاکہ کوئی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو، اور  
کوئی یہ بھی دیکھ سکے کہ مترجمین کے اعتراضات سے بچنے کے لیے عبارتوں میں رد و بدل  
کر دیا گیا ہے۔

۳۔ ایک تاریخی دستاویز ہے جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ۱۹۳۹ء سے  
تقسیم ہند کے وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں سے کیا اقتدار ہوا، اور تقسیم  
کے بعد پاکستان کے مسلمانوں کو انہیں نے اسلام کے اصل نصب العین کی طرف توجہ دینے  
کے لیے ۱۹۴۰ء میں کس طرح اپنی کوششوں کا آغاز کیا، تقسیم کے بعد ہندوستان کے انھوں میں  
پیش آنے والے مصلحت کو نگاہ میں رکھ کر ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ وہ کونہیں نے اُس

وقت کھانا من چایا نہیں۔ جوسٹریس کے پیش کردہ اتقیامت، جو زیادہ تر سیاق و  
 سباق سے الگ نکال کر افسانہ کی سیاق کو بھی نظر انداز کر کے پیش کیے گئے ہیں کسی  
 شخص کو صحیح اور منصفانہ راستے قائم کرنے میں مدد نہیں دے سکتے۔ میری اصل جلد تین  
 پرانی تاریخی ترتیب کے ساتھ ہے کم وکاست اس کتاب میں ناظرین کے سامنے بوجھ  
 ہیں۔ انہیں پڑھیں اور جو راستے قائم کرنا چاہیں کریں۔

لاہور

یکم نومبر ۱۹۷۶ء

ابوالاعلیٰ

## مقدمہ طبع اول

”مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے عنوان سے میرے مضامین کے مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اب نئی سلسلہ کا یہ تیسرا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔ بظاہر پہلے دونوں مجموعوں سے اس تیسرے مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ ایک شخص بدلی نظر میں یوں محسوس کرے گا کہ میں نے حصہ دوم کے بعد سے یہ ایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے اور غلط اپنی بہت سی کبھی برائی باتوں کی تائید کرنے لگا ہوں۔ لیکن دراصل ان چیزوں مجموعوں میں ایک نصب العین کی طرف توجہ کی برقرار ہے جس کی توضیح یہاں کر دینا چاہتا ہوں تاکہ ناظرین کو کسی قسم کا غلط فہم پیش نہ آئے۔

یہ بات تھوڑے سے غور و تامل سے ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ ایک پرانی تحریک کو نڈال دینا غلط طے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے کا کام کسی نئی تحریک کی ابتداء کرنے کی نسبت زیادہ دشوار اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ نئی تحریک پیش کرنے والے کا راستہ تو بالکل صاف ہوتا ہے۔ اُسے صرف اُن لوگوں سے سابقہ پیش کرنا ہے جو

---

نے اب یہ دونوں مجموعے تحریک آزادی ہند اور مسلمان ”حصہ اول“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل مستقل کتاب کی صورت میں پیش کر سکتی ہے (دوبارہ) :



اُس تحریک سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ اُس کو معض اپنے اصول و مقاصد کی تائید کرنی ہوتی ہے۔ پھر یا تو لوگ اُس کی دعوت کو رد کر دیتے ہیں یا قبول کر لیتے ہیں۔ یہی جو کسی پرانی تحریک کو زوال و انحطاط کے بعد دوبارہ زندہ کرنا چاہیے اُس کے لیے مراد یہی ایک کام نہیں ہوتا کہ بیگانوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرے، بلکہ اسے بیگانوں پر بھی نظر رکھنی پڑتی ہے۔ وہ ان لوگوں کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا جو پہلے سے اُس تحریک کے ساتھ جڑے ہیں اور ہر حال میں بیگانوں کی نسبت اس سے قریب تر ہیں۔ اُس کو سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ انحطاط کا عمل اُن کے اندر کہاں تک ہو چکا ہے اور اصل تحریک کا اثر کس حد تک اُن میں باقی ہے۔ پھر اُسے یہ فکر کرنی پڑتی ہے کہ جس حد تک بھی وہ دُور نکل گئے ہیں اس سے اُن کے نہ جانے پائیں، اور جو کچھ اثر اُن کے اندر باقی ہے وہ محفوظ رہے۔ اُن کی حیثیت اُس تحریک کے حق میں بالکل اُس سردیاء کی سی ہوتی ہے جو کسی شخص کے پاس رہا تھا باقی رہ گیا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایک عقل مند آدمی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ جو کچھ اس کا ہے وہ بھی ہاتھ سے جاتا ہے۔ لہذا اس کے لیے ناگزیر ہوتا ہے کہ اس تحریک کے ساتھ لوگوں کو وابستگی جیسی کچھ بھی ضرورت ہے اُس کو کم از کم اُسی حد پر برقرار رکھنے کی کوشش کرے اور اس کو مزید اصول سے مدد کے۔ تحفظ کی اس تدبیر میں کسی حد تک کامیاب ہو جانے کے بعد اس کے لیے لازم ہوتا ہے کہ وہ انہیں موجودہ حالت پر نہ ٹھہرنے دے بلکہ اصل تحریک کی طرف ان کو کھینچنے کی کوشش کرے اور کسی دوسری چیز کو ان کا نصب العین اور ان کی کوششوں کا مرکز و محور نہ بننے دے۔ اتنے مرحلوں سے گزر کر پھر کہیں اس کے لیے دعوت عام کا موقع آتا ہے اور وہ اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں سے ایک نئی تحریک پیش کرنے لگے گا کام شروع ہوتا ہے۔

یہ طریقہ سب سے پیش نظر قسریہ اسلامی احیاء ہے اس لیے مجھے بھی اُسی طریقہ کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف پیش قدمی کرنی پڑی ہے جس کی طرف اُدھر

اشارہ کیا گیا ہے۔ ترجمان القرآن کی زندگی کے ابتدائی چار سال اس کوشش میں صرف ہوئے کہ مسلمانوں کے مختلف طبقوں میں گمراہی کی جو جو فطیلیں پیدا ہو گئی ہیں ان پر گرفت کی جائے اور اسلام سے جو روز افزوں بُد ان میں پیدا ہو رہا ہے اُسے روکا جائے۔ ابھی یہ کوشش جاری تھی کہ ۲۰۰۰ء میں پاکستان کا ایک یہ خطرہ سامنے آ گیا کہ ہندوستان کے مسلمان کہیں اُس وطنی قومیت کی تحریک کے شکار نہ ہو جائیں جو اندھی اور طرفان کی طرح ملک پر چاتی چلی جا رہی تھی۔ یہ ظاہر بہت ہے کہ کم موجود طالبانہ نظام حکومت کے خواہ کتنے ہی مخالف ہوں، اور ہمارے دل میں اُس کے بچے سے بچنے کی خواہش چاہے کتنی سی حضرات سے بھی بڑھی ہوئی کیوں نہ ہو، مگر ہم کسی طرح بھی یہ گمراہ نہیں کر سکتے کہ جو ملک اس وقت تک تھوڑے یا بہت اسلام کے حلقہ اثر میں ہیں اُن کو ہندوستانی قوم پرستی کی تحریک اپنی ریلوے (Mass Contact) کی تدبیروں سے اور اپنی دروہا اسکیم اور وڈیا مندر اسکیم کے ذریعہ سے اور اپنے سیاسی و معاشی حقوق کے زور سے اپنے اندر جذبہ کرے اور ان کے نظریات اور ان کی زندگی کو اتنا متغیر کر دے کہ ایک دو پشتوں کے بعد ہندوستان کی آبادی میں اسلام اتنا ہی باجی ہو کر رہ جائے جتنا جاپان یا امریکہ میں پہنچے اس خطرہ کو جس چیز نے اور زیادہ پریشان کیا ہے وہ یہ تھی کہ محض انگریزی اقتدار سے آزاد ہو سنے کے باوجود اس میں مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں کا ایک سب سے زیادہ بااثر طبقہ وطنی قوم پرستی کی تحریک کا معاون بن گیا اور اس نے انگریز دشمنی کے اندھے جوش میں اس چیز کی طرف سے

---

۱۔ میری کتاب "تنبیات" اسی کوشش کا ایڈ ہے۔ (قدیم)  
 ۲۔ مراد ہے انگریزی حکومت جو اس وقت پرہیزگار صوبہ پاکستان پر مسلط تھی۔ (جدید)  
 ۳۔ اس کا پس منظر بھٹن کے لیے میری کتاب "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" سے متعلق  
 ملاحظہ فرمائیں۔ (جدید)

باہل انھیں بند کر لیں کہ اس توہم کا علاج ہندوستان میں موسم کے مستقبل پر کس طرح اثر انداز ہو گا۔ لہذا اس خطرے کا سدباب کرنے کے لیے میں نے مسلمانوں اور موجودہ سیاسی کشمکش کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ ۲۷ دسمبر کے آخر میں اور پھر دسمبر اسلسلہ ۲۸ دسمبر آغاز میں شائع کیا۔ ان مجرعوں میں میرے پیش نظر موجود چیز تھی کہ مسلمان کو از کم اپنی مسلمانیت کے موجودہ مرتبے سے نیچے نہ جانے پائیں اور اپنے تشکیک کو کم نہ کریں۔ اس لیے میں نے ان کے انداسوی قوتیت کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی، ان کو اس جیوسی وادی بنی نظام حکومت کے خدشات سے آگاہ کیا جو راجہ قریب کے مفروضہ پر ہندوستان میں قائم کیا جا رہا تھا، ان آئینی تعذلات اور بنیادی حقوق کی حقیقت مدح کی جن پر راجہ کو کہ مسلمان اس ٹیبلت جیوسی وادی کے جیل میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہو رہے تھے، اور ان کے سامنے رہنمائی دار الاسلام کا نصب یسین پیش کیا تاکہ کسی نصب ایسی کے موجود نہ ہونے سے راجہ اور احوال کی جو پراگندگی ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے وہ بھی وہ ہمارا وہ ان کو نظر جاننے کے لیے ایک سیالطی نظر بھی بن جائے جو نہ تو اصل سوسی سمت سے ہٹا رہا ہوا نہ انداز زیادہ بلند ہو کہ اس کی بندی کو دیکھ کر ان کی جین پست ہو جائیں۔

اس وقت چونکہ مختلف کام مقدم تھا اس لیے میں نے آزادی، ترمیم، قری تہذیب، حکومت خود اختیاری، اقلیت و اکثریت وغیرہ کے متعلق رائج الوقت تصورات کے خلاف کہ کچھ سے تصدیق حاصل کیا، اور ان الفاظ کے جو مضمرات ذہنوں میں راسخ تھے ان کو جو کاتوں قبول کر کے اسی زبان میں گفتگو کی جس کو لوگ

---

نہ مانے وہاں کہ وہاں اس وقت کا گریس کا ساتھ دے رہا تھا۔ (جہد)

میں ہندوستان کو ہمارا موسم نہیں کے تو راجہ موسم سے مشابہ ایک سیالطی بن جانے میں ان کا سوسی تشکیک برقرار رکھے۔ (جہد)

سمجھ گئے تھے۔ اسی طرح انہیں نے مطلوب اصل سے بحث کرنے کے بجائے حالت واقعی ملک اپنی بحث کو محدود کرنا اور وہ مناسب سمجھا تاکہ دونوں چیزوں کو ایک وقت میں کہنے سے خارج پر گزردہ ہو جائیں اور ایک ہی چوہانگ میں تنقید یہ ایک پہنچنے کی کوشش کہیں تنقید قریب کے ہی ہاتھ سے جلتے کی وجہ نہ ہو جائے۔

یہ کام میں غرض کے لیے کیا گیا تھا اللہ کے فضل و کرم سے وہ پچھلے دہائی سالوں میں حاصل ہو چکی ہے اور اب اس امر کا کوئی خطرہ باقی نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان کسی وطنی قومیت میں اپنے آپ کو گم کر دیں گے یا اپنے آپ کو کسی نیچے جمہوری نظام میں نشی کر دیں گے۔ خود احمد قومیت کے مفروضہ پر تعمیر کیا گیا ہو۔ یہ جو کہ ہوا کسی انتہائی کوشش سے نہیں بلکہ محض اللہ کے فضل سے ہوا۔ اُسی کی ہیرانی سے متعدد اسباب ایسے پیدا ہوئے جن کی بدولت مسلمان اس خطرے سے بچنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس سلسلے میں جن جن لوگوں کو اس نے تھوڑی یا بہت خدمت کی توفیق بخشا ان کے لیے فخر کا مقام نہیں بلکہ شکر کا مقام ہے۔

۱۔ مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد اب میرے سامنے دو سر اسوال یو تھا کر آیا مسلمانوں کو اس نتیجہ پر مطمئن ہونے دیا جائے جو حاصل ہو چکا ہے۔ یگان میں مزید بے چینی پیدا کر کے انہیں اسلام کے اصل نصب العین کی طرف دھکیلنے کی کوشش کی جائے؟ آیا مسلمانوں کو سیاست و اجتماع کے انہی غلط تعزلات میں مبتلا کر دیا جائے جو مغربی جاہلیت سے انہوں نے سیکھے ہیں یا ان کے سامنے اسلام کے اجتماعی و سیاسی تعزلات کو صرف علمی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ ایک عملی ملاحظہ نظر کی حیثیت سے بھی پیش کر دیا جائے؟ آیا مسلمانوں کو محض اپنی انفرادیت کے نبھانے ہی میں لگا رہنے دیا جائے یا انہیں یہ بتایا جائے کہ تہذیبی انفرادیت متصورہ الفنا نہیں بلکہ ایک عظیم تر مقصد کے لیے مطلوب ہے؟ یہ سوال سامنے آتے ہی میرے ضمیر نے قطعی فیصلہ صادر کیا کہ پہلی شق غلط ہے اور صرف دوسری شق ہی صحیح ہے۔

چنانچہ اگر کوئی دوسرا سبب پیش نہ آتا تب بھی مجھے وہ کام کرنا ہی تھا جو میں نے کیا۔ یہی بد قسمتی ہے اس کے ساتھ دو مزید وجوہ ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے مجھ پر گروہ یا کہ پچھلے مجموعہ کی اشاعت کے فوراً بعد ہی اُن معانی کا مسئلہ شروع کر دیا جن کا مجموعہ اس وقت ہریانہ ظفرین کیا جا رہا ہے۔

پہلی وجہ یہ تھی کہ اس نئی تحریک کے دفتر میں عارضہ مسلمین کی قیادت و رہنمائی ایک ایسے گروہ کے ہاتھ میں چلی گئی جو دین کے علم سے بے بہرہ ہے اور جس کا نام پرستار جذبہ کے تحت اپنی قوم کے دنیوی مفاد کے لیے کام کر رہا ہے۔ دین کا علم رکھنے والا عنصر اس گروہ میں اتنا بھی نہیں جتنا اُنہوں میں نیک برتاؤ ہے اور اُس قدر قلیل کو بھی کوئی ذہل رہنمائی میں نہیں ہے۔ یہ براہ راست نتیجہ ہے علماء کرام کی اُس غلط سیاسی روش کا جس پر وہ اچھی نیک اہلکار یکے پٹے جلتے ہیں۔ اور میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی عام مسلمانوں کا اعتماد اٹھانے دیں سے ہٹ کر اس شدت کے ساتھ غیر ویندار اور نادانانہ تعین دیں رہنا تو ان پر نہیں جاتا تھا۔ میرے نزدیک یہ صورت حال اسلام کے لیے دینی قومیت کی تحریک سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے۔ اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دیں سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا حلیہ وجود برقرار رکھا بھی جیسا کہ شریک ایمایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں، تو ان کے اس طرح نفع نہ ہونے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر غلبہ جانے میں آخر فرق ہی کیسے ہے؟ میرے نے اگر اپنی جوہریت ہی کو دیکھ لی تو پھر جوہریت ہی کو دیکھ کر کہہ دوں گا کہ وہ کم بخت پتھر کی صورت میں باقی رہے یا منتشر ہو کر خاک میں رُل بی جائے۔

یہ اس وقت کی کیفیت تھی جب یہ غمخون کھایا تھا (دہلی)۔

یہ بات جب لکھی گئی تھی تو لوگوں کو بیت ناگوار ہوئی تھی۔ لیکن اب ۱۹۴۷ء کے پاکستان میں جو حالت ہے اسے سب دیکھ رہے ہیں۔ (دہلی)۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ میں نے اس تحریک کے اندر داعیہ دینی کے بجائے داعیہ قومی کو بہت زیادہ کار فرما دیا۔ اگرچہ ہندوستان کے مسلمانوں میں اسلام اور مسلم قوم پرستی ایک مدت سے غلط نقطہ ہیں، لیکن قریبی دور میں اس بحیثیت کا اسلامی جوہر آشکار ہوا اور قوم پرستانہ محرکات زیادہ بڑھ گئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس میں بڑی قوم پرستی ہی قوم پرستی نہ رہ جاتے۔ صریح ہے کہ ایک بڑے ممتاز لیڈر کو ایک مرتبہ اس امر کی شکایت کرتے ہوئے سنا گیا کہ بعض اور حکومت کے وائس روائے ایسٹ انڈین فاشنات کے ہاں جلتے ہیں حالانکہ مسلمان طوائفیں ان کی سرپرستی کی زیادہ مستحق ہیں! اس حد تک کی کوہنج جلتے کے بعد اس مسلم قوم پرستی کے ساتھ مزید رد و افاری برتا میرے نزدیک کچھ غلط ہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ مستحکم جماعتی زندگی پیدا کرنے کے لیے افراد میں بہر حال کوئی ایک مشترک و افاداری پیدا کرنا کافی ہے، مگر وہ خدا کی و افاداری جو یا قوم کی یا وطن کی۔ اس لحاظ سے جن لوگوں کو بعض جماعتی استقامت مطلوب ہے ان کے لیے تو یہ امر کسی تشویش کا باعث نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں میں خدا کے بجائے قوم کی مشترک و افاداری سے یہ مقصد حاصل ہو۔ لیکن ہم خدا پر ایمان رکھنے والوں کو انہو کس زمین میں پناہ اور کس آسماں کے نیچے سر چھپانے کی جگہ ملے گی اگر ہم بھی خدا کے اپنی بندوں کو خدا کے بجائے کسی اور کی مشترک و افاداری پر مجتمع ہوتے دیکھتے ہیں اور کچھ نہ بولیں۔

یہ ہیں وہ محرکات جن کے تحت اس مجموعہ کے معانی میں کچھ گئے ہیں۔ میں نے ان معانی میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں پر مادہ کہیں کہیں ان کے پیشروں پر بھی صاف صاف تنقید کی ہے، مگر خدا شاہد ہے کہ کسی شخصیت یا کسی پارٹی سے مجھ کو کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے۔ میں صرف حق کا دوست اور باطل کا دشمن ہوں۔ جس چیز کو میں نے حق سمجھا ہے اس کے حق ہونے کی دلیل بیان کر دی ہے اور جسے باطل سمجھا ہے اس کے بطلان پر بھی ذاتی بیان کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی

شخص مجھ سے اختلاف رکھتا ہو اور وہ دلیل سے میری رائے کی غلطی واضح کر دے  
تو میں اپنی راستہ واپس لے سکتا ہوں۔ سہ ہے وہ محض امت پر صحت یہ دیکھ کر  
کہ کچھ ان کی ہانسی یا ان کی محبوب شخصیتوں کے غمٹ کہا گیا ہے غضبناک ہو جاتے  
ہیں اور پھر اس سے سمٹ نہیں کرتے کہ جو کچھ کہا گیا ہے وہ حق ہے یا باطل،  
تو ایسے لوگوں کے غمٹ و غضب کی بجائے کوئی پروا نہیں۔ میں نہ ان کی گالیوں کا  
جواب دوں گا اور نہ اپنے طریقہ ہی سے ہنوں گا۔

محمد

ابوالاعلیٰ

قرم ۱۳۶۰ھ و فروری ۱۹۴۱ء

## تعارف مقصد

قوانینِ فطرت سب کے سب بلا استثنا روحانی، مالیگیروں پر لگے ہوئے ہیں۔ جمیع  
 سے مکمل برسرِ چہرے میں توازن کی تابع تھی ماسی کی تابع کج بھی ہے اور اسی کی تابع قیامت  
 تک بھگ سونے کے تغیرات کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ روشنی اور حرارت کے ایسے قوانین  
 دنیا کے ایک حصہ میں ہے دوسرے حصہ میں بھی ہے۔ سایہ کبھی نہیں ہوتا اور  
 نہیں ہو سکتا کہ مشرق میں حرارت کی جامعیت و کیفیت کچھ اور ہو اور مغرب میں کچھ  
 اور، شمال میں حد کثیفی، یک رخا سے چھ اور جنوب میں دوسری رخا سے۔  
 اشیاء کے پھٹنے اور جگڑنے، بڑھنے اور گھٹنے، پیدا ہونے اور فنا ہوجانے کے لیے  
 جو قوانین مقرر ہیں ان کا اطلاق سب پر یکساں ہوتا ہے۔ جان میں کوئی تعدد حایت  
 کوئی لاک پیٹھ، کوئی جانب داری نہیں پائی جاتی۔ فطرت کا کسی کے ساتھ کوئی  
 بیداشتہ نہیں جو دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔ وہ کسی کی دوست اور کسی کی دشمن  
 نہیں۔ کسی پر مہربان اور کسی پر نا مہربان نہیں۔ جو لگ میں آتا وہ اسے گل و بلبل  
 جو نہہر کھائے گا، مڑ جائے گا۔ جو غذا کھائے گا، قوت اور نشوونما پائے گا۔ فطرت  
 کے حدود و فرماؤں میں یہ ممکن نہیں کہ دیا سوا کی رگڑ سے ایک کے لیے تو لگ کا  
 شعلہ پیدا ہو اور دوسرے کے لیے پانی کی دھا۔



انسان جس فطرت پر پیدا کیا گیا ہے وہ بھی اسی فطرت کا ایک رُخ ہے جو بری کائنات پر عادی ہے، لہذا انسانی فطرت کے قوانین بھی فطرت کائنات کی طسوع و انس، عالمگیر اور سب سے اگلی ہیں۔ زمانہ کے تغیرات سے مظاہر میں خود کتنا ہی تغیر ہو جائے، حقائق میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ ہم اور وہم میں جو فرق آج سے دس ہزار برس پہلے تھا وہی آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ ظن اور حدی کی جو حقیقت وہ ہزار برس قبل مسیح تھی وہی وہ ہزار برس بعد مسیح بھی ہے۔ جو چیز حق ہے وہ چین میں بھی ویسی ہی حق ہے جیسی امریکہ میں ہے، اور جو چیز باطل ہے وہ کلمے کے لیے بھی اسی طرح باطل ہے جس طرح گورے کے لیے ہے۔ انسان کی سعادت و شقاوت اور فلاح و غم غم کے لیے فطرت کا قانون قطعاً بے لگ ہے۔ اسی میں کسی شخص، کسی قوم، کسی نسل کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہیں جو دوسرے کے ساتھ نہ ہو۔ اسباب سعادت اور اسباب شقاوت سب کے لیے یکساں ہیں۔ جو شقاوت کے اسباب فراہم کرے گا وہ بعض اس بنا پر سعادت سے محروم نہیں ہو سکتا کہ اس کا تعلق کسی خاص ملک یا نسل یا قوم سے ہے، اور اسی طرح جو سعادت کے اسباب فراہم کرے گا وہ بھی بعض اس بنا پر اپنے کسب کے ثمرات سے محروم نہ رہے گا کہ وہ فلاحی نسل سے تعلق رکھتا ہے یا فلاحی نام سے موسوم ہے۔

فطرت انسانی کے اس دائمی، عالمگیر اور سب سے اگلی قانون ہی کا دوسرا نام "اسلام" ہے۔ اس کو انسان پر سکشف کرنے والا وہی فلاح کائنات ہے جس نے انسان کی اہل سارے جہان کی فطرت بنائی ہے۔ یہ کسی قوم پرست کا شغیل نہیں ہے جو ملحدی دنیا کو اپنی قوم کے مفاد و مصالح کی نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ کسی طبقاتی میڈر کی فکر بھی نہیں ہے جو سارے معاشرت پر ایک طبقہ کے نقطہ نظر سے نگاہ ڈالتا ہو۔ لیکن اللہ یہ کسی انسان کے اجتہاد کا تجربہ نہیں ہے کہ کسی خاص جہاد، کسی خاص ماحول کا اور کسی خاص شخص یا گروہ کی دلچسپیوں کا مثبہ ہو۔ یہ تو درحقیقت رب العالمین کی ہدایت سے ماخوذ ہے، اور رب العالمین وہ ہے جس کی نگاہ میں سب انسان

کیاں ہیں۔ وہ انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھتا ہے نہ کہ ہندی اور عیسوی اور  
 انیس کی حیثیت سے۔ یہاں خود وہ کسان اور کسرا یا در کی حیثیت سے۔ اس کو  
 اشخاص اور اقوام سے دلچسپی نہیں بلکہ محض انسان سے ہے۔ اس لیے وہ دیانت،  
 اخلاق اور مذہبیت کا مسئلہ کے جتنے احوال بتاتا ہے وہ سب کے سب ہر قسم کی عداوت  
 سے پاک ہیں۔ اُن میں پیشیت مجموعی تمام انسانوں کی ظاہر و بہرہ اور مذہبی کے ہر  
 مرحلے میں ان کی کامیابی تو نظر رکھی گئی ہے۔ وہ نظرت کے نام دوسرے قوانین کی  
 طرح مانگیر ہیں۔ ان کا کسی شخص یا قوم کے ساتھ کوئی غصہ نہ رشتہ نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے  
 شخص یا قوم کے ساتھ نہ ہو سکتا ہو۔ جو کوئی بھی ان امور کو قبول کر کے ان کے مطابق  
 عمل کرے گا۔ خراج پائے گا، غزوہ روئی ہو یا حبشی، اگر یہ نسل سے تعلق رکھتا ہو یا  
 نسل سے، ہر یک میں رہتا ہو یا پیشیا میں۔ اور جو ان امور سے انحراف کرے گا،  
 نقصان اٹھائے گا، غزوہ کسی پنخیر کا پیشا ہی کیوں نہ ہو۔

اسلام کا انہی مانگیر امور پر انسانی حیثیت کی تیسرے نوکنا برائیں شخص کا فرض ہے  
 جو اسلام کا عداوت پر ایمان دے۔ اور جو حکم اس پر ایمان دے اسے اس بلکہ ہی  
 ہماری تمام گوششوں کا مقصد اسی ہے۔

مگر جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد سب سے پہلے اپنے وطن کو اور باقی دنیا کو  
 دنیا کو دانا سلام، بنانا ہے تو اس سے ایک نوا، تعدادی اس شخص ہی میں پڑ جاتا  
 ہے کہ جس طرح ہر جوشیا قوم پرست زمین میں اپنی قوم کا غلبہ اور تسلط چاہتا ہے، اسی  
 طرح یہ لوگ بھی اپنی قوم کو غالب اور حکمران دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی قوم  
 میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے مسلمانوں کی حکومت، ان کا نصب، ان میں بن گیا ہے۔  
 ہی ہندوؤں میں پیدا ہوئے ہوتے تو سونے اور ساؤز کر بننے، جرمنی میں پیدا  
 ہوئے ہوتے تو ہنر اور گونگ کے ٹپ میں نمودار ہوتے۔ کسی اور قوم کی کوئی

نہ، دونوں اُن کے اندر ہی ہندوستان کے نہایت متعصب ہندو دیوتا تھے۔ (جدید)

ہست میں جم بیٹے تو سوسنی کی صورت اختیار کرتے۔

یہ غلطی صرف اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ دارالاسلام مکر دار المسلمین کا ہم سنی بھی جانتے نہ گئے۔ حالانکہ دونوں میں جتنی بڑا فرق ہے۔ جو لوگ گمراہی کی وجہ سے دائرۃ اسلام میں داخل ہیں اور اس اثر کے اعتبار سے مسلمانوں میں شمار کیے جاتے ہیں، وہ اگر غیر اسلامی طریقوں پر حکومت کریں، تو ان کی حکومت مسلمانوں کی حکومت تو مردہ کہہ سکتے ہیں کہ تصاق سے اس کے حکمران گمراہ ہیں، اگر یہی حکومت اسلامی حکومت ہوگز نہ ہوگ ابد اس پر صیح مسلمانوں میں دارالاسلام کا اطلاق ہر کے گمراہی و کفر، ہمارا نصب نہیں اس مسلمان حکومت کا قیام ہوگز نہیں ہے۔ اگر اس حیثیت سے ہم اپنی قوم کی بڑائی چاہیں، اور اگر ہمارا مقصد یہ ہو کہ بعض فوجی طاقت سے مسند حکومت پر قبضہ کر کے زمین کی دولت اور فوں ردا کی کھنڈ کو اپنی قوم کے لیے مخصوص کریں تو خود اسلام ہی سب سے پہلے اگے بڑھ کر ہم کو ظالم اور ضد غیر بنے گا، کیونکہ صحت کہتا ہے کہ۔

وَلَقَدْ اَتَيْنَا الْاَحْزَابَ نَنْجُوهُمْ لِيَقْتَرِبُوا يَوْمَ تَأْتِي سَآءٌ مِّنْ غَمَدٍ  
خَلْدُوا فِي الْاَرْضِ وَلَا فِتْنًا اِیَّاهُ (احقاص - ۸۴)

آخرت میں عورت کا مقام ہم نے صرف ابھی لوگوں کے لیے رکھا ہے

جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے وہ خدا کا ارادہ رکھتے ہیں۔

در اصل جو چیز چار سے پیش نظر ہے وہ مسلمانوں کی حکومت نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہے۔ اسی اسلام کی حکومت جو موجود ہے وہ سنت، احکام اور نیکیت خداوند کے مالک و حرموں کا۔ یہ اسلام ہادی یا کسی کے ہپہ ادا کی میراث نہیں ہے۔ اس کا کسی سے کوئی خاص رشتہ نہیں۔ جو ان اموروں پر ایمان لائے انسان پر عمل کرے وہی سلام کا حبر واس ہے۔ وہ اگر نسل کے اعتبار سے چہر یا بھل بھی ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سند خلافت پر مشہد ہو سکتا ہے، وہ اگر نیک جہش غلام بھی ہو تو عرب و عجم کے شرف و اہل خلافت کا نام بن سکتا ہے۔ ساتھ سے تیر و سوری سے بھی کے خدا ان میں

اسلام ہوا ہے نہ گناہوں سے خوف ہر جہاں اسلام میں ان کی گندہ مشیت  
ماتنی نہیں رہتی۔ اور کئی ملک جو شخص ہندو یا عیسائی یا پارسی تھا، شریک اور بت پرستی، شراب  
نوشی، سود اور تدبیری میں مبتلا تھا، وہی اگر آج اسلام کی فطری صداقتوں کو دیکھ کر غفلان  
کا پابند ہو جائے تو اس کے لیے اسلام میں عزت اور برتری کے کوئی پتہ سے اونچے مراتب  
تک پہنچنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔

اس مختصر توضیح سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ہمارا مقصد ایک قوم پر دوسری قوم کی برتری  
نہیں ہے، بلکہ نظام تمدن کو ان اصولوں پر مبنی بنانا ہے جو ہر دے خیر و ایمان کے  
مطابق رہیں۔ اس پر اگر کوئی ملک بخیر چڑھائے تو ہم یہ سمجھنے سے تھر جیں کہ اس  
کے پاس اخلاقی و اجتماعی اعتبار کی باتیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص یا گروہ کسی ملک کا تہذیبی یا تحقیقی مطالعہ کر کے اس  
اور کلائیناں حاصل کر لیتا ہے کہ اس میں انسانیت کی اخلاقی اور انسانی مساوات و تعلقات  
کی بہتری کمال درجہ پر موجود ہے تو اس کے اخلاقی طور پر یہ خواہش پیدا ہوتی ہے  
کہ میں اجتماعی زندگی سے خود اس کا تعلق ہے، جس سوسائٹی کے ساتھ اس کی زندگی  
موت و بستی ہے، جس میں انسانیت کے ساتھ وہ تمدنی، سیاسی اور معاشی تعلقات  
میں جکڑا ہوا ہے، اس سے پہلے اسی کے نظام حیات کو اس ملک کے مطابق جاننے  
کی کوشش کرے۔ اُسے اپنے اس پس منظر میں اس کی صحیح و مفید رہنے کا جتنا  
زیادہ نہیں ہوگا، احساس کے دل میں حبیب انسانیت یا مثبت وطن کا جذبہ جتنا نہیں تو فی  
ہوگا، اتنا ہی زیادہ وہ اپنے اپنے انسانیت، نوع یا انسانیت، وطن کو اس ملک حق کے فوائد  
سے بہرہ مند کرنے کے لیے ہے، جتنی ہوگا جس میں وہ ان کی اخلاقی و بیرونی کمرانی و  
فروش مالی مضر و مکتنا ہے، اور اجتماعی زیادہ شدت کے ساتھ وہ ان ملکوں کی حکمرانی  
کا نفع، ہوگا جس کو وہ پرے تھیں کے ساتھ غفلت اور نقصان نہ سمجھتا ہے۔ یہ عین انسانی  
طرت کا مقتضا ہے اور اس میں کوئی باطنی غلبہ و وطن کا احساس نہیں ہے، انہیں  
ہے۔ بلکہ غلبہ مثبت وطن تو یہ بات ہے کہ کوئی جس ملک کو ایمان داری کے ساتھ

موجب فحاح سمجھا جیسا کہ خاشاکی کے ساتھ سپرد دل میں رہا ہے مگر میں یہی سمجھا ہے  
اور جیسا کہ انہوں نے کہا ایمان داری کے ساتھ نقصان دہ سمجھا جیسا کہ انہوں نے اپنے اپنے نقطہ نظر  
کی زندگی پر قطع ہونے سے۔

جی لوگوں نے مغرب کے ہم عصری نظام کا مطالعہ کیا اور اسے اپنے نزدیک برحق  
پایا وہ توجہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے نظام تمدن کو مغربی ڈیوکرسی کے نمونہ  
پر ڈھالیں۔ جی لوگوں نے سوشلزم کا مطالعہ کیا اور اسے برحق پایا وہ آج کوشش کر  
رہے ہیں کہ ہندوستان کی اجتماعی تعمیر نو (Social Reconstruction) کسی  
اشتراکیت کے طریقہ پر ہو۔ یہ تاویزوں ہے ہاکیس کے لیے کوئی جنت اس کے سامنے  
لی جاسکتی ہے کہ اس کے ایمان و اعتقاد کا مستحق ہی ہے ہاکیس کے اس اقدام کو کوئی  
فصل غلط ثابت دلی یا غلط ثابت بنائیت کہہ سکتا ہے ہاکیس کے حق میں یہ  
راست بازی ہوگی کہ وہ جس مسئلہ کو اپنے اپنے جنس کے لیے سلامت و علاج کا  
ذریعہ سمجھتے ہیں اس کو رائج کرنے کی جدوجہد کریں اور کسی ایسے نظام زندگی کی طرانی کو  
گوارا کریں جو ان کے نزدیک باشندگان ملک کو سچی اور بد حال کی طرف سے جانے والا  
ہو ہاکیس کے بغرض ملک کی آزادی اور تمام عالم کے درمیان اپنی وطن کی عزت و شرف  
کا اسکل کسی شخص یا حکومت کے قیام یا سرور یا یہ دہانہ نظام کے بقا میں ہو، تو  
کیا کسی نئے جمہوریت پسند یا کسی درست باز اشتراکیت سے آزادی اور وطن کی عزت کے  
نام چھاپیل کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے اپنے مسکوں کو چھوڑ کر اس طریقہ کو قبول کر  
لیں ہاکیس ان دونوں کو اس قسم کی اپیل نہیں کرنا ہی جتنا ڈالی دینا چاہیے؟

بالکل جی ہاکیس بدلی جی ہے۔ ہم کو جو چیز "دراہم" کی صدا بلند کرنے  
پر مجبور کرتی ہے وہ ہمیں وہی ہے جو دوسرے لوگوں کو مجبوریت "اشتراکیت"  
کے نعرے بلند کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ہم نے برسوں سے انتہائی عمدہ تحقیق  
مطالعہ کیا ہم نے اس کی اعتقادی اساس اس کے نظریہ پر بحث اس کے  
احوال و حقوق اس کے نظام تمدن اس کے قوانین معاشرت و معیشت اس کے

انجیو سیسٹم، طرز حکومت، غرض اس کی ایک ایک چیز کو جاننا اور پرکھنا۔ ہم نے نیا  
کے دوسرے اجتماعی نظریات اور تہذیبی منکوں کو کھنگال کر دیکھا اور اسلام سے ان کا  
تقابل کیا۔ اس تمام مطالعے اور تحقیق و تنقید نے ہمیں اس امر پر پوری طرح مطمئن کر دیا کہ  
انسان کے لیے حقیقی طرز و سعادت اگر کسی ملک میں ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔  
اُس کے مقابل میں ہر ملک ناقص ہے۔ کسی دوسرے ملک کی اخلاقی بنیاد صالح اور  
مستحکم نہیں۔ کسی دوسرے ملک میں انسان کی شخصیت کا ارتقاء (Development)  
[Social Justice] کا پائیدار موقع نہیں۔ کسی دوسرے ملک میں اجتماعی (Social Justice)  
اور بین الاقوامی تعلقات کا صحیح توازن (Balance) نہیں۔ کسی دوسرے ملک میں  
فطرتِ انسانی کے تمام پہلوؤں کی متناسب رعایت نہیں۔ اسلام کے سوا اگر کوئی ملک دنیا میں  
ایسا موجود نہیں جو انسان کو حقیقی آزادی سے ہم کند کر سکا ہو۔ اُسے عزت کے بلند ترین درجے  
کی طرف لے جاتا ہو، اور ایک ایسا اجتماعی ماحول پیدا کرے جس میں ہر شخص اپنی قوت و  
استقلال (Independence) کے مطابق اخلاقی، روحانی اور مادی ترقی کے انتہائی درجے  
تک پہنچ سکے اور ساتھ ہی اپنے دوسرے ہناتے جنس کے لیے بھی ایسی ہی  
ترقی میں مددگار ہو۔

یہ الینین اور لینن حاصل ہو جانے کے بعد چاہے یہ بدست ہدی لا لیا جاتا  
کیا ہے؟ کیا بالکل وہی نہیں جو ہم سے جمہوریت پسند یا اشتراکیت پسند اہل  
جنس کے لیے ہے؟ جس ملک اجتماعی کو ہم پوری دیانت کے ساتھ ادا نیت کے  
بے حد محنت سمجھتے ہیں، کیا ہم پر یہ فرض مائد نہیں ہو جاتا کہ اپنے ملک اور اپنے ہناتے  
نوع کا اجتماعی نفع لے کر اسی ملک کے مطابق غم کرنے کی جتنی جدوجہد کریں؟ جو چیز  
جمہوریت پسندوں اور اشتراکیت پسندوں کے لیے حق ہے وہ ہم سے کیسے  
کیوں غیر حق ہے؟

- اسلام کے متعلق ہماری یہ دہائی کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ہم مسلمان مگر  
پیدا ہو رہے ہیں، اور اسلام کے حق میں ایک طرح کا پیدائشی میون رکھتے ہیں۔ اپنے

دوسرے رفقاء کے متعلق تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا کیا حال ہے، مگر اپنی ذات کی  
 حسیں میں کہہ سکتا ہوں کہ اسلام کو جس صحت میں میں نے اپنے گرد و پیش کی مسلم  
 سوسائٹی میں پایا، میرے لیے اس میں کوئی کشش نہ تھی۔ تنہا و تحقیق کی صوابیت  
 پیدا ہونے کے بعد پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہی تھا کہ اس بے دروغ مذہبیت کا  
 تقاضہ اپنی گمان سے آواز میں لے کر میراٹھ میں جلی تھی۔ اگر اسلام صرف اسی  
 مذہب کا نام ہوتا تو اس وقت مسلمانوں میں پایا جاتا ہے کہ شاید میں بھی تنہا  
 اور اندھ جوں میں جا رہا ہوتا، کیونکہ میرے اندر رفاذی فلسفہ کی طرف کوئی میلون نہیں  
 ہے کہ صحت و صحت تو ہی کی خاطر اور ادھر رفاذی کے چکر میں پڑا ہوں۔ لیکن میں چیز  
 نے مجھے اتحاد کی راہ پر جانے یا کسی دوسرے اجتماعی مسلک کو قبول کرنے سے  
 روکا اور از سر نو مسلمان بنایا وہ قرآن اور میراث محمدی کا مطالعہ تھا۔ اُس نے مجھے  
 انسانیت کی اصل قدر و قیمت سے آگاہ کیا۔ اس نے آزادی کے اُس تھوڑے سے  
 مجھے ڈوسٹاس کیا جس کی بندی تک دنیا کے کسی بڑے سے بڑے برلن اور انڈیا  
 کا عقد بھی نہیں چن سکتا۔ اُس نے انفرادی صحت اور اجتماعی عدل کا ایک ایسا  
 نقشہ میرے سامنے پیش کیا جس سے بہتر کوئی نقشہ میں نے نہیں دیکھا۔ اس کے  
 تجویز کردہ دائرہ زندگی میں مجھے دیکھا ہی کاں درجہ کا  
 توازن نظر آیا جیسا کہ ایک سابلیم کی بندش سے لے کر  
 اجرام فلکی کے قانون جذب و کشش تک ساری کائنات کے نظم میں پایا جاتا ہے۔ اور  
 اسی چیز نے مجھے قائل کر دیا کہ یہ نظام اسلامی بھی اُس حکیم کا بنایا ہوا ہے جس نے اس  
 جہانِ ارضی و سما کو عدل اور حق کے ساتھ بنایا ہے۔

پس یہ حقیقت میں ایک تو مسلم ہوں۔ خوب جانچ کر کہہ رہا کہ اس مسلک پر  
 ایمان لایا ہوں جس کے متعلق میرے دل و دماغ نے گراہی دی ہے کہ خدا کے لیے  
 نفع و فساد کا کوئی راستہ اس کے سوا نہیں ہے۔ یہی صحت و غیر مسلموں ہی کو نہیں بلکہ خود  
 مسلمانوں کو بھی اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں بلکہ اس دعوت سے میرا مقصد اُس نام نہاد

مسلم سوسائٹی کو ذاتی رکھنا اور بڑھانا نہیں ہے جو خود ہی اسلام کی بدامنی سے بہت دور ہوتے گئے ہیں۔ بلکہ یہ دعوتِ ہدایت کی طرف ہے کہ وہ اُس ظلم و فظیان کو ختم کر دیں جو دنیا میں پیدا ہوا ہے۔ انسان پر سے انسان کی خدائی کو مٹادیں اور قرآن کے نقشہ پر ایک نئی دنیا بنائیں جس میں انسان کے لیے بحیثیت انسان کے شرف و عزت ہو و حیات اور مسداشت ہو۔ عدل اور احسان ہو۔

بہشتی سماجِ دقتِ ہندوستان میں حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی ہے جس کی بدولت اسلام کی تبلیغ کا نام سننے ہی ایک شخص کا ذہن زورِ اُڑا دیتا ہے۔ لہذا اگر کششِ سیاسی غلبہ (Political Attraction) کا اثر ہو تو ایسی تبلیغ کی بہت سی دوسری چیزوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف جمہوری طرزِ حکومت کے قیام نے سیاسی طاقت اور اس کے تمام ضمنی فرائض کو لوگوں کی کثرت پر منحصر کر دیا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی پوزیشن یہاں کچھ ایسی ہے کہ ان کی جانب سے اپنے مسلک کو بچھڑنے کی کوئی کوشش اس شخص سے ہرگز نہیں سکتی کہ یہ جو مولانا (Ambitious) قوم اس راستے سے سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ان شبہات کو درست پہنچانے میں خود مسلمانوں کا اپنا بھی کالِ حتمی ہے۔ ان کے بہت سے خطائے اندیش نے تبلیغِ جہنم کا شہد کچھ اس طرح بلند کیا کہ گویا یہ محض ایک سیاسی حربہ ہے جسے جمہوری ہند میں صرف اس غرض کے لیے استعمال کرنا چاہیئے کہ اپنی طاقتِ تمدن کے پیچیدہ مسئلے کو حل کیا جائے۔ اس چیز نے اسلام کے راستے میں ایک شدید قسم کا سیاسی تعصب قائم کر دیا ہے۔ موشلزم، کمیونزم، فاشنزم یا اور کسی اِزم کی تبلیغ کی جائے تو لوگ اس کو محض اس کے خلاف آئی اور صاف (Moral) کے لحاظ سے دیکھتے ہیں اور اگر ان کے دماغ کو وہ اپیل کر رہے ہوں تو اسے قبول کر لیتے ہیں۔ مگر "اسلام اِزم" کا نام آتے ہی لوگوں کا ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ بہت مشکل کی ایک ایسی قوم کا مسلک ہے جو پہلے یہاں حکومت کی چکی سے اُبل رہا ہے جس جمہوری دُور میں قبیلِ اقتدار ہونے کی وجہ سے اپنے دوش بڑھانا چاہتی ہے۔



تاکہ نائنہ جالس کی نشستوں اور دفتری ملازمت کی کڑیوں پر قبضہ کرے۔ یہ  
خیال آتے ہی دل و دماغ پر قوی تصعب کے قفل پڑھ جاتے ہیں اور ذاتی اوصاف  
کے بار بار پانچنے پانچنے کا سوال ہی خاص از بحث ہوتا ہے۔

ہمیں دین و مروت کا بڑے صبر کے ساتھ متاثر نہ کرنا پڑے گا۔ نیکی اور صدا  
کی دو میں ہمیشہ مشکلات طاری ہوتی رہی ہیں۔ شیطان راہیں آسان نہ دیتا ہے  
اور حق کی راہ بہر حال ممانع سے بھرپور ہوتی ہے۔ بعض ممبران کا رسمی اور ظاہری  
توجہ اللہ کام کرنے سے ہم مسلمانوں کے دل بھی بدل سکتے ہیں اور غیر مسلموں  
کے دل بھی۔ جب ہماری سی وجہ میں خدا کی خوشنودی اور اپنی فلاح انسان کی  
خیر خواہی کے صحاح میں دینی غرض کا تہ تک نہ ہوگا تو لوگوں کے دل خود بخود  
اس حقیقت کا احوال کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے کہ اسلام کسی نسل اور  
قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ ایک انسانی مسلک ہے جس کا تعلق تمام انسانوں  
سے ویسا ہی عام ہے جیسا ہمارا اور اپنی کا تعلق سب سے ہے۔ اس میں ہر  
انسان دوسرے انسان کے ساتھ برابر کا شریک ہو سکتا ہے یہ جس طرح مسلمانوں  
کی چیز ہے اسی طرح تہذیب بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ اگر نیکی اور تقویٰ امتیازات  
اپنی کی اہمیت میں تم نسل مسلمانوں سے بڑھ جائے تو اہمیت تم کو پہنچے گی و نہ تم  
اور شرف تم کو حاصل ہوگا۔ خلافت کے امین تم ہو گے اور نسل مسلمان پیچھے جائیں  
گے۔ یہاں پر ہمیں اللہ نسل پرستی نہیں ہے کہ عزت و شرف اللہ تعالیٰ و  
اقتدار پر کسی خاص گروہ کا دھاری اجارہ ہو۔ یہاں ایک قوم پر دوسری قوم  
کے خلیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تبلیغ اسلام کی نوعیت اجماع اور اتحاد ہی نہیں  
ہے کہ ایک گروہ دوسری قوم کے واسطے رہے کہ اس کی عزت و خیر بنائے جاتے  
تو زندگی کی تفریق میں اسے برابر کا حق دیا جائے۔ اسلام میں تو برابر ہی نہیں بلکہ

نے اجماع دینوں کو اپنی سے اٹھانے کی کوشش۔ (اردو)

تو اس نائنہ میں ہندو و عیسائیوں نے جو یکسر دس ہے احوال میں کہ اپنی مفاد پر

اصحابِ ذاتی کے لفظ سے ایک شخص زیادہ مستعد رہی ہو سکتا ہے۔ یہیں پیدا ہونے کی وجہ سے آدمی اعلیٰ درجے میں کوئی امتیاز نہیں کسی شخص کی راہ میں اس کے پیشے یا اس کی قومیت کی وجہ سے کوئی رکاوٹ غالب نہیں۔ تم اپنے گھر گڑا ادا اپنے گھر کے زور سے جہاں تک اڑنے کی طاقت رکھتے ہو اڑ سکتے ہو۔ خوش سے خوش تک پہنچی ترقی کی راہ میں کوئی مددگ نہیں۔

سائنس دانوں کے کہنے میں یہ قیال بھی کھلتا ہے کہ اسلام تیرا وجود صدی پہلے کا ایک مذہب ہے۔ اس کوئی ایک فکری و اخلاقی اور تمدنی وسیع سیاسی تحریک کی حیثیت سے زندہ کرنے کا کون سا موقع ہے؟

جو لوگ دوسرے کسی چیز کو بعض سرسری نظر ہی سے دیکھ کر اسے قائل کر لیتے ہیں ان کی دہائے حموٰ غلط ہوا کرتا ہے۔ ایسی ہی غلطی یہ لوگ بھی کر رہے ہیں۔ انہوں نے قرآن کا فائر نظر سے مطالعہ نہیں کیا۔ مسند علیؑ علیہ السلام کے بارے میں تحقیق نظر میں ڈالیں۔ اس بے معنی سیاسی مفروضات کی بنا پر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ اسلام اب تک تیرا سر بر سر پہلے کی ایک مذہبی تحریک تھی جو اس مذہب کے مخصوص تمدنی طاقت میں توجہ مشابہت پر مبنی تھی مگر اب بہت بہت بدل چکے ہیں۔ اس زمانہ کے حالات میں جو پورا مسلمانانہ مہذب اب تک رہا۔ اس غلط فہمی کے پیدا ہونے اور بڑاؤ کرنے میں خود مسلمانوں کے اپنے غلط عمل کا بھی بہت کچھ دخل ہے۔ انہوں نے خود بھی اسلام کے ساتھ اوصاف نہیں کیا اور اسے ایک تحریک (مذہب) کے بجائے محض زمانہ صحت کی ایک بھیی بیڑا بنا کر رکھا۔ مگر ایک عظیم الفطرت آدمی اگر اپنے ذہن سے تاریکی دور نہ کرے تو اس کی طبیعت اس کی عقلی مفروضات کو نکال کر اسلام کا سائنٹفک مطالعہ کرے تو اس پر یہ حقیقت آسانی سے آشکار ہو سکتی ہے کہ اسلام کسی خاص مذہب کی تحریک نہیں ہے جس کی بنیاد

---

(جیتے رہنے والا ہے) ہندوستان کے کٹھن میں اچھوت کیسے ہندو قوم سے الگ نہ ہو جائیں بلکہ ان علوم و فنون کی تعلیم ہندو معاشرے میں حتیٰ کہ عورتوں کی ترقی۔ (جہیز)

وقت اور مکان حالت پر جو جگہ جیسے اموروں کا مجموعہ ہے جو اس کی قدرت کے حقائق پر مبنی ہیں اور عام قوانین فطری کے ساتھ کامل موافقت رکھتے ہیں۔ انسان کے حالت اور خیالات خواہ کتنے ہی بدل جائیں، مگر اس کی فطرت ہر حال میں جو اس کی توں رہتی ہے۔ لہذا خواہ کتنے ہی بیٹے کھائے، پھر حال کائنات فطرت کے حقائق اور قوانین میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ جو فطری اصول طوغلن نوح کے تحت انسانی زندگی کے لیے حید تھے وہی اس میں وہی اصولی میں بھی شہید ہیں اور وہی ۱۰۰۰ صیوی میں بھی منزلی سادت کی طوغلن انسان کی رہائی کے لیے کافی ہوں گے۔ تغیر جو کچھ بھی ہو گا ان اصولی امور میں نہیں جگہ رہے۔ اسے واسے حالات پر ان کے تطبیق (Application) میں ہو گا۔ اسلام کی اصطلاح میں اس کا نام اجتہاد ہے، یعنی امور کو ٹھیک ٹھیک بحکمہ کائنات کی اسطر کے مطابق سننے، حالات پر تطبیق کرنا۔ اور یہ اجتہاد ہی وہ چیز ہے جو نظام اسلامی کو ایک محرک و متحرک (Dynamic) نظام بناتا ہے اور اس کے قوانین کو حالات و ضروریات کے مطابق مرتب رکھتا ہے (Adjustment)۔

(ترجمان القرآن - جولائی ۱۹۶۱ء)

## تحریک اسلامی کا تنزیل

دنیا میں جب کوئی تحریک کسی انھوق یا اجتماعی یا سیاسی مقصد کو لے کر اٹھتی ہے تو اس کی طرف وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جن کے ذہن کو اس تحریک کے مقصد، مسائل کے اصول اپیل کرتے ہیں جن کی طبیعتیں اس کے رُخ سے مناسبت رکھتی ہیں جن کے دل گما ہی دیتے ہیں کہ یہی تحریک مسیح اور مقبول ہے اور جو اپنے نفس کی پوری تعلقگی کے ساتھ اس کو چلائے اور دیا میں قائم کرنے کے لیے اُٹھے بڑھتے ہیں۔ ان کے سوا باقی تمام لوگ جن کی طبیعت کی اُمتد اس تحریک کے مقصد اور اصولوں سے مختلف ہوتی ہے، پیچھے ہی اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے دامن سے میں سننے والے ساتھ نہیں جاتے بلکہ خود آتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز مجبور کر کے خواہ مخواہ اس میں داخل نہیں کر دیتی، نہ کوئی طاقت انہیں داکر میں چھوڑ جاتی ہے، جیسے کوئی کسی اندھے کو جھگڑ میں لے جا کر چھوڑ دے اور اسے کچھ پتہ نہ ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس لیے آیا گیا ہوں۔ بلکہ وہ اسے جان بوجھ کر پرکھ کر، سمجھ کر، پسے شعور اور کامل قصد کے ساتھ آتے ہیں اور جب آجاتے ہیں تو اس کے مقصد کو اپنا مقصد بنا کر کام کرتے ہیں کیونکہ وہی مقصد ان کے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔ اس کے اصولوں کو وہ اپنے اصول بنا کر چلتے ہیں کیونکہ ان اصولوں کو مسیح و برحق سمجھ کر ہی وہ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں۔ اور

کے لیے اس تحریک کو چلانے کی کوشش بن جاتا ہے کیونکہ جو چیزیں اُن کا بھروسہ  
 ملک و مشرب چھڑاتی ہے اور ان کو اس سے ملک کی طرف کھینچ کر لیتی ہے وہ اُن  
 ان کے قلب و دماغ کا فیصلہ ہوتا ہے کہ یہی ملک حق و درست ہے۔ مثال اُس  
 تحریک میں اُن پر حق منکشف ہوتا ہے۔ اُس کا انکشاف ہی اُن کو اس تحریک کی طرف  
 کھینچتا ہے۔ اور انکشاف حق کی غایت ہے کہ وہ آدمی کو کبھی اُس مقام پر نہیں  
 ٹھہرتے دیکھا جہاں وہ انکشاف سے پہلے تھا۔ بلکہ وہ اسے کشاں کشاں اُس مقام کی  
 طرف کھینچے جاتا ہے جو حق کی روشنی اُسے نظر مل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ  
 کسی تحریک کی صداقت کے معترف ہو کر اُسے قبول کرتے ہیں، ان کی زندگیوں کا رنگ  
 بدلتا ہے۔ وہ پہلے سے بالکل متعصب ہو جاتے ہیں۔ ان کے ایسی باتوں کا ٹھہر  
 ہوتا ہے جن کی قطعاً ماحولیت میں انسان سے نہیں کی جاتی۔ وہ اپنے اصول کی خاطر  
 دوستیوں اور غلوں و قبی دشمنوں تک کو قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار اپنی پریشانی  
 سے مناسبت اور اپنی ہر چیز کا نقصان گوارا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قید و بند کی تکلیف اور موت کے  
 خطرات تک بھنے پرائے ہو جاتے ہیں۔ یہ انقلاب ایسا ہو گیا ہے کہ جس کی علامت  
 بدل جاتی ہیں، ان کے خصائل میں تغیر آتا ہے، یہاں تک کہ ان کی شکل، صورت،  
 لباس، اخلاق اور عام مسرت زندگی پر بھی اس کے اثرات ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ  
 گھر و پیش کے لوگوں میں وہ اپنی ہر ادا سے الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ہر شخص ان  
 کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ وہ جا رہے ہیں، ان کی تحریک کے نام سے۔

ہر تحریک کی رتدایوں ہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے وہ جماعت بنتی  
 ہے جو اسے چلانے کے لیے اُٹھتی ہے۔ اس کے مقاصد اس کے اصول خود ہی  
 آدمیوں کی اُس چیز میں سے جو دنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اپنے مطلب  
 کے ادنیٰ چاہتے ہیں اور صرف انہی لوگوں کو اس تحریک کے دائرے میں لاتے  
 ہیں جنہیں اس سے مناسبت ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا نکتہ آتا ہے۔ جو ملک اس تحریک میں مل رہا ہے

اُن کی یہ فطری خواہش برتن ہے کہ ان کی اولاد بھی اُسی مسلک پر اُٹھے جس کو خود انہوں نے جن  
 پاکر قبول کیا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ اپنی نئی نسلوں پر قسیم و تربیت، گھر کی زندگی اور ہر  
 کچھ کے حوالے سے اس قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے حیلہ و تدبیر،  
 عادات اور خصال سب کے سب اُسی مسلک کی روح اور اس کے اصولوں کے مطابق  
 بن جائیں۔ اس میں اس میں ایک حد تک کامیابی ہوتی ہے، مگر جس ایک حد تک ہی ہوتی ہے۔  
 پوری کامیابی برنا ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قسیم و تربیت اور سوسائٹی کے  
 اثر اور فطرتی مداخلت کو طبع کے ڈھانچے میں بہت کچھ دخل حاصل ہے مگر فطرت  
 مداخلت کی ساخت، مزاج کی پیدائشی اتحاد، علی ایک کام چیز ہے اور حقیقت میں دیکھا  
 جاتے تو بنیادی چیز ہی ہے۔ فطری طور پر دنیا میں ہر قسم کے آدمی، ہر مزاج، ہر رنگ و نسل  
 ہر ساخت کے آدمی ہمیشہ سے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جس طرح اس تحریک کے ظہور کے وقت  
 ہر طرح کے آدمی دنیا میں نمودار تھے، اور ان سب سے اُس کو قبول نہیں کر سکتا بلکہ  
 مرعوبہ ہی اس کی طرح دیکھنے تھے جو اس سب سے ہی مناسبت رکھتے تھے اُسی طرح  
 بعد میں بھی یہ قوتیں نہیں کی جاسکتی کہ وہ سب ایک جو اس تحریک کے حامیوں کی نسل سے  
 پیدا ہوں گے انہیں وہ عمل اس تحریک سے مناسبت ہی ہوگی۔ ان میں جو چل کر اور اور  
 بھی ہوں گے۔ مگر ان کا دل بھی ہوں گے۔ اور اب کوئی بھی ہوں گے۔ جس طرح اللہ کے گھر  
 میں ابراہیم خلیفہ پیدا ہو سکتا ہے، اُسی طرح فرقہ کے گھر میں علی غیر صالح، بھی پیدا  
 ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔ قانون فطرت کے مطابق یہ امر فانی ہے کہ اُس سوسائٹی سے  
 باہر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اپنے مزاج کی اتحاد اور اپنی طبیعت کے ذریعہ  
 کے خلاف سے اس کے ساتھ مناسبت نہ رکھتے ہوں، اور خود اس کے اندر بہت سے آدمی  
 ایسے پیدا ہوں جو اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہ رکھتے ہوں۔ پس یہ ضروری نہیں کہ قسیم و تربیت

نے قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کے کافر بیٹے کو قتل فرمادیا گیا ہے۔

(ہمد۔ آیت ۶۷)

کامیاب ہو تو ترکیب کے ابتدائی حلی آئندہ سنوں کے لیے قائم کرتے ہیں صانع کی پوری نئی  
پند کوں کے مسلک کا حقیقی متبع بن سکے۔

اس غور سے کہ متدبیرانہ ترکیب کو اس کے فیملی احوال پر برقرار رکھنے کے  
لیے دھم تیس باغیہ کی جاتی ہیں۔

ایک تہ کو جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناگاہک ہیں  
تکلیف کے اندر سے ان کو جاہلیت سے خارج کر دیا جائے، اور اس طرح جاہلیت کو عبور  
موجب و عرصہ پاک کیا جاتا ہے۔

دوسرے ہلکے تیلے کے ذریعہ سے جاہلیت میں اُن نئے لوگوں کی بھرتی کا سلسلہ  
جلدی رہے جو زرخیز و ذہنیست کے اعتبار سے اس ترکیب کے ساتھ مناسبت رکھتے  
ہوں، اور جن کو اس کے اصول و مقاصد اُسی طرح اپنی کریں جس طرح ابتدائی پیروں کو  
انہوں نے اپیل کیا تھا۔

یہ اور صورتیں بھی دو صورتیں ایسی ہیں جو کسی ترکیب کو بدل سے اور کسی جاہلیت یا  
پہڑی کو انحطاط سے بچا سکتی ہیں۔ لیکن جو تا یہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ جن دونوں قدیموں  
کی اہمیت سے غافل ہوتے جاتے ہیں۔ جاہلیت کے باہر سے نئے لوگوں کو اندر سے شعلہ کش  
کم ہونے لگتی ہے۔ جاہلیت کی افزائش کے لیے تمام تر فنی افزائش ہی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے۔  
اور جو لوگ اس طرح جاہلیت کے اندر پیدا ہوتے ہیں اُن میں سے ناچارہ لوگوں کو خارج کر دے  
میں بھی غلّی دشمنی، اور معاشرتی تعلقات اور ذہنی مصیبتوں کی خاطر تباہی بڑھاتا ہے۔  
طرح طرح کے پہلوؤں سے جاہلیت مسلک میں ایسی گنجائش رکھ جاتی ہے کہ ہر قسم کے رعب و  
بہس اُس میں سما سکیں۔ اور اس مسلک کا اتحاد وسیع کر دیا جاتا ہے کہ سرے سے اس کے

---

نہ موجد نہ شکل کوئی کہیں میں اس چیز کو (Jahiliyat) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تمام ماحولیں نا مناسب  
انہوں کو اچھا نہ سمجھتے تھے بلکہ اس کی ہیبت میں۔ بلکہ جاہلیت کے اصولوں سے غلط فہم و خوف ہر  
جلنے والوں کو قتل تک کر دیا جاتا ہے۔ (قدیم)





کھودنے کے بعد اب بعض ایک میل دو سائیکل رکھنے کے نام کی مشیت کے استمال کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے کہ اس کے من مراح پر بھی ہے مختلف استمال کیا جا رہا ہے جہاں اس کا مقصد پائل ہوتا ہے۔ جہاں اس کے بھول تو ہوتے ہیں۔ جہاں اس کے بھولتے غیر اس کا ہوتا ہے۔

باز میں دیکھتے ہیں مسلمان نہیں، آپ کو کہتے ہیں کہ میں نے نہیں کی اور مسلمان زانیہ گشت لگاتے ہیں گے۔ جل ملوں کا ساتھ کیجیے۔ مسلمان میں مسلمان انکرن۔ وہ مسلمان بہ ساطوف ہے آپ کا قاعدہ برہا۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں کے پکڑ لگائے۔ شرف لکھی، شرفی قبا عہد جل، فریب، ظلم اور جرم کے حافی جرائم کے ساتھ آپ مسلمان کا ہونے کا بتا دیاں گے۔ سر ساقی میں پیوئے کہیں آپ کی حالت مسلمان شریف میں سے ہوگی۔ کہیں آپ کو مسلمان قبا عہد میں سے کہیں مسلمان سائنس اور مسلمان گزروں اور مسلمان جہادوں کے ساتھ پیوئے کہیں مسلمان تو کیجیے، یہ مسلمان مسلمان۔ کتاہ ہل کتاہ گیا ہے اور ان کی صفات کے ساتھ مسیح احمد ہے۔ مسلمان اور زانیہ: مسلمان اور شرفی، مسلمان اور قبا عہد اور مسلمان اور شرفی فوراً اگر حسب کہ جو ایک انکر لگتا ہے وہی ایک مسلمان ہی کہے گئے تو یہ مسلمان کے درجہ کی خیا میں ہوتی ہے کہ ہے؟ سو تو یہ ہی اس کو کیجیے کہ جو مسلمان سے بدی ہوا تو یہی کو شرف کے لیے آئی گی۔ اس سے فرسوں کے نام سے ان چید، انہوں کی ہا صفت بانی تھی جو خود بند قریب الحق کے حال میں اس طرح الحق کے محبوب نہیں۔ اس سے اپنی ہا صفت میں چھ لگے گی، چھوڑا دے کہ کہہ دے گی، لڑے نہ لڑے اگر کھل کر دیکھ لے گی، حتیٰ کہ کوئی پر چھوڑا دے کہ کہہ دے گی، تو مقرر کی تھی کہ جو حالت دیکھنا کو شرف کی ہے خود اس میں کوئی زانیہ نہ پایا جاتے ہیں کہ اس طرح کا استعمال ہے وہ خود شراب خود دیکھ لگے کہ خود اس حال میں جھ چھ ہی ہو کہ کہہ دے کہ کہہ دے خود اس میں کوئی چھ لگے کہ کہہ دے اس کا تو مقصد ہی یہ تھا کہ جنہیں وہی حال میں ہے وہ کہہ دے کہ کہہ دے، ایک ہی وقت، اصل میں نہ ہوتا



زنا، رشقت، انجنا اور ایسی سب چیزیں ان کے لیے جائز ہو چکی ہیں۔ حلال اور حرام کی تفریق سے یہ صرف ظلالِ اللہ ہیں جس جگہ اپنی زندگی کے کسی مسئلے میں بھی فن کو یہ معلوم کر سنے کی پمدا نہیں ہوئی کہ خدا کا قانون اس بارے میں کیا کہتا ہے۔ نجات، احوال اور اعمال میں ان کے اندر ایک لافزارہ شرک کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ مگر ان کا شہد بھی "مسلمان" ہی میں برتا ہے۔ فرض اس نام نبد مسلم سومانلی کا جائزہ میں لگے تو اس میں آپ کو محانت جانت کا "مسلمان" نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی نہیں ہیں گی کہ آپ شاور کر سکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، اکوتے، بگڑہ، بلیڑا، تیرا، ہرہ، ہرنو، قسم کے جانور جمع ہیں۔ لہذا ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے کیونکہ چڑیا گھر میں ہے۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اسلام سے انحراف کر سنے ہی پر لکھتا نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہو گیا ہے کہ "مسلمان" جو کچھ بھی کرے وہ "اسلامی" ہے، حتیٰ کہ اگر وہ اسلام سے اختلاف بھی کرے تو وہ "اسلامی" بنوکت ہے۔ یہ ایک گھومیں تو اس کا نام "اسلامی" ہوگا۔ یہ انشور میں کہیں قائم کریں تو وہ "اسلامی" انشور میں کہیں "ہمراہ" یہ جاہلیت کی تسلیم کا اور گھومیں تو وہ مسلم بنویر سٹلی "اسلامی" ہے۔ "اسلامی" اسکول "ہمراہ" ان کی کاغذ یا مست کو "اسلامی" یا مست کے نام سے موسوم کیا جاتے گا۔ ان کے فرعون اور فرود "اسلامی" بادشاہ کے نام سے یاد کیے جائیں گے۔ ان کی جاہلانہ زندگی "اسلامی" تہذیب و تمدن "فراردی" جائے گی۔ ان کی موسیقی، مصوری اور جتنی بھی کہ "اسلامی" تہذیب کے سرزد لکھتے ہیں لکھتے کیا جاتے گا۔ ان کے زندگی، عادات و رسوم، ان کے "اسلامی" کہہ جائے گا۔ حتیٰ کہ وہ مسلمانوں کے نام سے پکارتے جائیں گے۔ ان سارے ناموں سے آپ آشنا ہو چکے ہیں۔ اب صرف اتنی کمرانی ہے کہ "اسلامی" شراب خانہ "اسلامی" قبیلہ "اسلامی" قادیان "اسلامی" جیسی اصطلاحوں سے بھی آپ کا تعارف شروع ہو جائے۔ مسلمانوں کے اس طسبیل نے اسلام کے اصول کو اتنا بے معنی کر دیا ہے کہ ایک لافزارہ چیز کو "اسلامی" گزرا ہے۔ "اسلامی" صحیفہ کے نام سے جو کچھ نہیں بولیں گے تو "اسلامی" صحیفہ (Contradiction is Term)

کھینک نہیں ہوتا۔ حالانکہ اگر کسی ڈکان پر آپ مہربانی فرمیں گی تو کابین گوشت ۱۰ روپے  
تو کافی سود دیشی بن جائے گا۔ لہذا اگر کسی کو کسی حالت کا نام ہو تو دین کا بٹ خانہ ملے  
تو شاید آپ سے ہنسی ضبط نہ ہو سکے گی۔

جب افراد کی ذہنی قوت کا یہ حال ہے تو قومی مقصد اور قومی پالیسی کو اس شخص  
سے متاثر نہ ہوتا اور حال ہے۔ نوع انسان کے افعالوں اور اعمالوں میں مسلمانوں  
کے جیسوں اور انہوں میں، مسلمان پڑھے لکھے طبقہ میں آپ ہر طرف کسی چیز کی پکار  
کھینچتے ہیں، پس یہی ناکہ رسوائی کا رستہ ہے، پس یہی جگہیں ہیں۔ غیر الہی نظام حکومت  
کو اپنے لیے جس قدر پڑھے لکھے افراد ہیں ان میں سے کم از کم اتنے پڑھے لکھے ہم پر  
مشتمل ہوں۔ فرسیت ساز جیسوں (Lepidoptera) کی نشستوں میں کم از کم آقا صاحب  
ہمارے وقت تھوڑے تھوڑے ہمارے آئندہ میں کہ سے کم اتنے فی صدی چھٹی ہوں۔  
کائنات کے کائناتوں میں تھوڑے تھوڑے میں غالب ہوتے ہیں۔  
ہم۔ اسی کی صدی میں یہ ہے۔ اسی کا نام اسلامی نظام ہے۔ اسی نظام پر مسلمانوں  
کی قومی سیاست گھوم رہی ہے۔ یہی گروہ مظلوم اس وقت مسلم قوم کی پالیسی کو کنٹرول کر  
رہا ہے۔ حالانکہ ان چیزوں کو نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اس کی جس ضد  
ہیں۔ خود کرنے کا نام ہے کہ اگر اسلام ایک حسیہ کی حیثیت سے زندہ ہو تو کیا  
اس کا نقطہ نظر ہی ہوتا یا کیا کوئی اجتماعی شعور کی تحریک اور کوئی ایسی جامعیت ہوتی ہے  
احول پیدا نہیں ہو سکتا کہ نہ لاد اور نہ کہنی ہو کسی حد سے اصول کی حکومت میں اپنے  
پیرودن کو کوئی پڑھے لکھے کی بات دیتی ہے؟ کیا کسی آپ نے سنا ہے کہ اختر کو  
نے جیکب کو ٹھیکہ کے نظام میں اشتراک ملے اور اس کا خیال ہو؟ یا اس کے گروہ کو  
میں اپنی فائیدگی کے مسئلہ پر اشتراکیت کے بقاء و خاتمہ کا مسئلہ کیا ہے؟ اگر قومی کمر بستہ

نہ ہو تو ملک متلازمہ قانون کے مطابق فیصلہ کریں (اعلانہ تہیت ۴۴)  
نہ ہو تو گروہ نے کوئی فیصلہ نہ کیا ہے۔ وہاں تک کہ وہاں میں رہتے ہیں (اعلانہ تہیت ۴۵)

پارلہا کوئی میرٹازی حکومت کو خداوند مردم بن جانے لڑ کیا آپ فتح کرتے ہیں کہ ایک  
 لمحے کے بعد بھی سے پارلہ میں رہنے دیا جائے گا، ادا کر کہیں وہ تازی کسی میں داخل  
 ہو کر تازیوں کو سر ہند کہ غفلت کو شش کر کے تو کیا آپ اس ملک بات کی سلامتی کی بھی امید  
 کر سکتے ہیں اگر یہاں آپ کی دیکھو ہے میں اسام جس وقت کو تازیوں پر کھنکھانے لگا  
 ہی شاید انتہائی خطرہ کی حالت میں دیتا اور جس کو صحت سے آواز سے کے لیے سخت  
 تاخیر کے لئے لگاؤ، اور پھر تا کی کہتا کہ جس طرح سخت ہو کسی حالت میں جلیں  
 پہننے کے لیے سہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح میں وہی ہی بقدر سختی میں تھا کہ  
 یہاں اس وقت کو نہ صرف یہ کہ خونینا آتشیں لگا کے رہے اس واسطے کے ساتھ کھایا  
 جاتا ہے، بلکہ اسی پر گھر اسام کے مرنے کے مرتبہ تھیں، اور اسی کی باہمی مفاد کا  
 مرکزی نقطہ قرار دیا جاتا ہے، اس کے بعد تھیں دیکھیں اگر ایک اخلاق و استقامت  
 ملک کی حیثیت سے اسام کے دعوئے طرانی کوئی کہ نہ بدلتی آواز سے لگے کہ کہ  
 اسام کی تامل کہ غفلت اور غفلت اس کے دھمکا اس کے دوسرے کو اپنے ہونے کو  
 کے لیے نہیں ہی جانتے ہیں۔

اور دیکھو۔ کہ آپ کے پاس ایک صاحب نے لفظ کے ساتھ ایک ذہنی ترقی  
 سے کہ لکھتے ہیں اور دوسرے کو تھیں کہ تہدی شریک، رفتہ کو پرتانہ کو مدد لگاؤ  
 تھیں زمین میں غلبہ دلا کر چھوڑ دو۔ آپ کے ہر مدد نہیں، دھمکوں، آویں کی  
 طرف دھنستے ہیں، دھمکوں ان سے غرض دلا کر ان کی آویں لگاتے ہیں، سہاگہ پر میں  
 دھرے اور اس ملک کی حمایت کرتا ہے اس لیے دیکھتے ہیں یہ صاحب اسام کے لیے  
 اور تھیں کے میرٹازی جانتے ہیں۔ گناہ میں سے بہت کم لوگوں کو یہ خیال آتا ہے  
 کہ ان کے عقائد، ان کے بہتر تھیں، ان کے اخلاق، ان کی گفتار، ان کے اعمال، ان کے

ملہ و تازی کشن کا اس جملہ برادر و ملہ حضرت ہے چھوڑ کر ہے۔ (مجموعہ، آیت ۱۵۴)

تے میں تو شکر و مدد لکھتے۔





کے ہنرناں سے غافل ہے۔ اگر نسیم کو یاد آئے کہ وہ جنسیت ہی پامی مسلمانوں کے ذہن کی  
تر حال کرتی ہے تو اس کے آئینے میں ہر صاحب نظر آدمی دیکھ سکتا ہے کہ جس قسم کے مسلمانوں پر  
ہدی اعلیٰ روح خدا ہر ملک ہے۔ تہی خود پر ہندوستان میں مسلمانوں کی جو سیس پریشی  
اس وقت ہے اس پر پیش میں اگر دنیا کی کوئی اللہ دم برتی تو اس کی ایک بھی سیسہ ہی نہیں  
اختیار کرتی۔ اللہ فرستہ قریب اپنی عقلیں پناہ دینا پریشی و ترس کرتی۔ آپ مسلم کے کلمے  
سکھ پڑھی، جرم، ثنائیں، جو نام پائیں نہ کہہ سکتے ہیں۔ یہی سیسی وقت اللہ ہی تہی  
معاذ اس کے ساتھ وابستہ کر بیچے۔ اللہ چرخی آسانی کے ساتھ آپ اس دیند پریشی کو اس  
میں سے ہر نام کی لڑن ضرور کر سکتے ہیں۔ اس کے سوسہ ہوتے کہ سوسہ جب سیسہ ملک ہر  
گیسہ ہے جس طرح دین کی تمام قومیں ہیں۔ ایک سو تہی و مل پر دنیا کی کوئی اللہ دم برتی  
اختیار کر سکتی ہے وہی مسلمان ہی اختیار کر رہا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ کوئی اللہ اللہ باقوت ایک  
اخلاق کو لکھتا ہے اللہ کی اصل کی اصل، اس حیثیت سے میرا نام مسلمان ہے، میرا نام سب سے  
پچھ ایک سال کے اخلاق چلو کہ دیکھتا ہے، اللہ میری مسلمان ہونے کی حیثیت لکھتا ہے  
بجائے کہ اسی پیر پر اپنے فیصلہ کا وعدہ رکھوں۔ لکھ میں نے بھی وعدہ ہی دیکھا کہ پیش قدمی  
خود بھر پناہ میری تمام پر کیا اثر ملتا ہے، اللہ یہ کہ میں اس صحت حال میں اپنے لیے  
کس طرح کاغذ حاصل کر سکتا ہوں، تو ہر مسلمان کے نام سے میرے ملک، ہر ملک کی  
دور باقی ہی نہیں رہتی۔ جیسا کہ مل تو اگر میں ہر مسلمان ہر نام کسی آسانی ملک کی ہر اسی  
بجائے ذکی برقی تب بھی میں اختیار کر سکتا ہوں۔

میں اس مسئلہ کو ہندوستان کی وطن پرست کے نقطہ نظر سے نہیں دیکھتا۔ مجھ  
سے بھی کوئی بحث نہیں کہ سیسی حیثیت سے مسلم ملک کی پامی مسلمان نام کی تمام  
کے لیے جو ہندوستان میں رہتی ہے، مفید ہوگی یا مضر۔ میرے لیے جو سوال اہمیت  
ملکت ہے وہ موت ہے کہ جو نام اس وقت مسلمان کے نام سے پکارے جانے کے  
باصط دنیا میں تمام کا کاغذ بھی جاتی ہے، اس کی سب سے بڑی مہم نے خند کے  
ملنے تمام کو اس ملک میں پیش کیا ہے، اس نقطہ نظر سے جب میں مسلم ملک کے







نفسہ سستہ رہا کہ اس کی کیا۔

۱۰۔ ورلڈ کیٹیگوری کے تحت ہے کہ ان اذیاء مسلم لیگ کا نشانہ ہے، اگست ۱۹۳۹ء کو جو قرارہ اور غیر منسلک تھی وہ مسلمانوں کے لیے صحیح جذبہ اتحاد اور کاروائی کا سبب بن گئی ہے اس قرارداد کے انعقاد میں گاہ بڑھتی حکومت کی اس پالیسی پر غور و خوض کیا جائے کہ اس نے مسلمانوں پر ہند کی برقی حکومت اور ایک کانٹریبونشن مستعد کرنے کی کوشش کی ہے جس میں کانٹریبون میں جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۹ء کی رو سے جو ریز کیا گیا ہے اور جس کا نتیجہ ہو گا کہ ہندوستان پر ایک ایسے مستقل اور سادہ ذریعہ درآمدات کو شریعت کی حکومت قائم ہو جائے گی جو مسلمانوں کے خلاف ہے، اسے شریعت اور اتحادی حقوق کو پامال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گی۔ بنو اسرائیل کے اور ہندو مسلمانوں کے گورنروں کا عرض تھا کہ ہندو مت اور مسلمانوں کے لیے اختلاف کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور ہندو مسلمانوں کے لیے اختلاف کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن انہوں نے اس ضمن میں عدم غفلت، بے اعتنائی اور بے خبری کا جو جذبہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کیا اس کے علاوہ مسلمانوں کے حقوق کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ اور یہی وجوہات اگر برطانوی حکومت آئندہ غفلت کرتا تو کرنے کے لیے مسلمانوں کو علم اور انصاف مسلمانوں ہند کی ہندو کی حصول کی خواہاں ہے جس کا فرض ہے کہ آتی ہندوستان کے مسلمانوں کے مطالبات کو تسلیم کرے۔

۱۱۔ ورلڈ کیٹیگوری کے تحت ہے کہ اس میں اس کو ہر نظر نہیں دیکھتی ہے جس میں یہ کیا گیا ہے کہ کنٹریبون میں کہہ سیکم جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں مدد ہے مسئلہ کوئی گئی ہے۔ ۱۲۔ اس کے علاوہ ہندوستان اور انصاف مسلمانوں کے ساتھ کے مطابق ہے۔ ورلڈ کیٹیگوری کا یہی ہے کہ مسئلہ کرنے کے بعد اس سیکم کو قلعی ترک کر دیا جائے اور ملک مسلم کی حکومت ملک اپنی تازہ پیمانی ہے کہ جو وقت اس مطالبے پر عمل کیا جائے۔ کیٹیگوری اور یہی واضح کرنا چاہتی ہے کہ اس کے خلاف غور و خوض میں قانون ملنے کے بعد اس کے سامنے قرار کر رہے ہوتے ہیں۔ ۱۳۔ بنیادی مسئلہ جس کی جو ترکیب استعمال کی ہے وہ یہ ہے کہ ملک مسلم کی حکومت کے پیش نظر بنیادی مسئلہ ہے، کیٹیگوری میں اس کی تائید نہیں کرتی اور یہی واضح کر رہے

ہے پُرنسپل اور اس کا کرتی ہے کہ وہ اس کے ایکٹ کے مطابق تھے پر عمل نہ آ کر گئے کے بعد  
جوتنا چاہے آئے ہیں اور جو حالت جسے ہیں اس کی مدد میں ہندوستان کے مستقبل کے  
آئین کے مسئلے پر رپورٹ کر دیا جاتے۔

اس ضمن میں کہیں یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ ہندوستان کی ریاست میں مسلمانوں کو ایک  
خاص بنیادیں تمام حاصل ہے۔ اور جو وہاں سے مسلمانوں کو توجہ دے رہے ہیں کہ وہ ہندوستان  
کی قومی زندگی، بہت ہی حکومت اور ملک کے نظم و نسق میں باعزت تمام حاصل کریں گے۔  
چاہے وہ ہوں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ یا ملک اور ہندوستان میں ہندو قوم  
موجود ہو اور وہ اپنے ہی اس سیاسی، معاشرتی یا اقتصادی اور ثقافتی حقوق کی طرف سے  
مصلحتیں ہرگز اکثریت کے لئے والی قوم کے ساتھ مشترک کر لیں۔ لیکن عدالت میں جو فیصلہ  
بذرا ہے، بالخصوص اس موافق آئین کے نفع کے بعد جو ایک ہم باہو پارلیمنٹری جمہوریت کے  
جو یہ حکومت پر واضح کیا گیا ہے، عدالت نے جس قسم کا فیصلہ کیا ہے اس کا گزشتہ دو سال  
سے کچھ ہر وقت میں راجہ جرنل ہے کہ اس موافق آئین سے ہندوستان ہندوستان  
کے مسلمانوں پر ہندو اکثریت کی ایک داخلی اور مستقل حکومت قائم کر دی ہے۔ اور مختلف  
لاگوس میں اس کی حکومتوں کے تحت مسلمانوں کی جان والی عدالت اور عدالتوں میں  
بڑھ گئی ہے۔ یہاں تک کہ ہر روز یا ہر گز مسلمانوں کے ذہنی حقوق اور کچھ کرانے  
کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان اس بات کے خواہش ہیں کہ ہندوستان کے  
استقلال کو روک کھسٹ کا نشانہ بنایا جائے۔ اور یہ سچ ہے کہ مسلمانوں سے ہر بار  
ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کیا ہے۔ لیکن معاشرتی سطح پر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ہرگز مسلمانوں  
اور دیگر اقلیتوں پر ہندو اکثریت کی حکومت قائم نہیں ہونے دیں گے۔ اور مسلمانوں کو  
ہندوؤں کا غلام بننے دیں گے۔ یہ وہی وجہ ہے کہ وہ ایسے "بیکلریشن" تصور کے تحت غلامت ہیں  
جس سے جمہوریت اور پارلیمنٹری نظام حکومت کی آڑ میں ہندوستان پر اکثریت کی حکومت  
قائم ہو۔ اس ملک کے لیے جس میں مختلف قومیں آباد ہیں اور جو ایک قومی حکومت نہیں  
ملنے میں قوم کو پارلیمنٹری نظام حکومت ہرگز مندوں ہیں۔

مسلم لیگ جس کی قیادت میں کی جینس کے مخصوصہ کی فائدہ پہنچانے کے لئے  
 متعلقہ کرتی ہے جو پیر کی جگہ کے اور سے پر کیا جاتے۔ وہ منافع کی آزادی کی جگہ پر ہے  
 اور متعلقہ کو حق حقت کے لئے پر ضروری کے حقوق منصب کر سکی ہرگز اجازت نہیں دے  
 سکتی۔ یہ ملک کیٹی کو پورے شہر انگلستان اور اس سے گہری جھڑی ہے۔ اس ہمدردی  
 کرتی ہے کہ اس کی پیش کی گئی میں بڑھ کر اس وقت تک مسلمانوں کی حدود متعلقہ غرض  
 حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ملک مسلم کی حکومت سے تعلق نہ لگے گی مگر یہی نہیں  
 ہے مسلمانوں کے لئے مخصوص ہے جنہیں حق امتیاز ہے مثلاً وہ اس میں سے کہ متعلقہ حق  
 کو پورے سے ملے گی ہے کہ وہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ حق امتیاز کے لئے ملک نہیں کرتی۔ یہ ملک  
 کیٹی نہایت ہمدرد متعلقہ میں ملک مسلم کی حکومت سے متعلقہ سے متعلقہ است کوئی ہے کہ  
 وہ گزروں کو ہمہ کرے کہ وہیں جہاں جہاں متعلقہ میں متعلقہ کے حقوق کو تھک کر ہی ہیں۔  
 انہیں متعلقہ کا نشانہ بننا ہی ہیں۔ اس کے متعلقہ سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی حقوق پر ڈاک  
 ٹال رہی ہیں۔ وہیں دیگر زبانی اختیار کے لئے اس کو عوام سے متعلقہ نہیں حاصل میں متعلقہ  
 کریں۔ یہ ملک کیٹی نہایت مسرور ہے کہ اس کے گزروں سے متعلقہ مسلمانوں کے  
 حقوق کی متعلقہ کرنے سے کہ اس کی برقی ہے کہ اس نے ان اختیار کے لئے اس کو حق اس  
 خود سے متعلقہ نہیں کیا کہ اس کی گزروں کی اس مسئلہ کے دیکھا دے رہے کہ گزروں  
 سے یہ اختیار کے لئے اس کے متعلقہ میں جہاں اس کی گزروں کی گزروں سے متعلقہ  
 پیدا کرے گا۔

مسلم لیگ کو ہمہ ہندوستان کی آزادی کی جگہ پر ہے کہ اس کے لئے مسلم لیگ  
 سے کہ اس کے لئے مسلم لیگ کی مسرور سے متعلقہ کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
 کا مشہور ہے متعلقہ میں متعلقہ سے متعلقہ متعلقہ کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
 اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
 اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے  
 اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے اس کے لئے

مسلمانوں کے ساتھ و جدت کو ختم جو رہا ایک ہے اس میں میں جس قدر حق ہو گیا ہے اس کا کوئی منقول جواب تک نہیں ملا۔ حالانکہ میں پر ایک بد ملک مسلم کی حکومت پر یہ لالہ کر رہی ہے کہ وہ ہندوؤں کی معذرت کو تسلیم کیے بغیر۔

راج دیا کو حاکم ہوں میں پیش ہے اس کے لیے یہاں کے حق میں جو ہے اس کے لیے حکومت یہ کہ مسلمانوں کو اپنی ساری دولتیں دے دے تو اس کا فرض ہے کہ مسلمانوں میں وہ جس پیدائش کے حق کو ملحوظ میں۔ نیز اس کا یہ فرض ہے کہ اس مسلمان میں سم رنگ کا جو مسلمان ہندوؤں کے ساتھ جامع ہے۔ اس کو حاصل کرے۔

موجودہ ملک گجرات میں وہ ملک کی ہر مسلمان صحت و فراست کرتی ہے کہ کمال لکھا مسلمان کے پرچم کے نیچے اس حرم مجسم کے ساتھ کھڑا جاتے کہ وہ بڑی سے بڑی قریبی سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ نیز اگر اسی پر ہندوؤں کے نوکر و مسلمانوں کی آئندہ خدمت و عزت و کرم کا اخص ہے۔

(۱۸۷۵ء) ہندی قومی جہد جمعی ۱۹۰۵ء سے دسمبر ۱۹۰۶ء تک تاہم  
لاکڑھاٹ میں شری۔ بطور مراد گھنٹہ میں ۱۹۰۶ء

میں ہندوؤں کے حقوق کی پیدائش ہے کہ اگر ہندوؤں میں اس کی حکومت ہو تو اس کی حکومت میں  
ہندوؤں کے حقوق کی پیدائش ہے کہ اگر ہندوؤں میں اس کی حکومت ہو تو اس کی حکومت میں  
اس کے حقوق کی پیدائش ہے کہ اگر ہندوؤں میں اس کی حکومت ہو تو اس کی حکومت میں  
یا تعلق میں اس کے حقوق کی پیدائش ہے کہ اگر ہندوؤں میں اس کی حکومت ہو تو اس کی حکومت میں  
حال کو ختم ہے کہ ہندوؤں میں اس کے حقوق کی پیدائش ہے کہ اگر ہندوؤں میں اس کی حکومت ہو تو اس کی حکومت میں  
ہی تھا۔ (۱۹۰۶ء)

## نسلی مسلمانوں کے لیے دُورائیں

محل، خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی، ہر حال اس کی صحت کے لیے دو چیزیں ضرور لازم ہیں۔

پہلی ٹرڈ عود شامی ہے۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ آپ کیا ہیں، اور جو کچھ آپ ہیں اس سے آپ کے مقتضیات کیا ہیں۔ ہرگز اس تحقیق سے آپ پر کوئی ایسی حقیقت منکشف ہو جس سے آپ راضی نہ ہوں، ہر کسی آپ کی یہ خواہش ہو کہ جو کچھ آپ ہیں وہ ذکر میں ہو کچھ اور جو عادتیں، تہ بھی آپ کے لیے لازم ہے کہ اُن کو ترک نہ لائیں کریں اور جو کچھ بھی آپ ہونا چاہتے ہیں اس کے مقتضیات کو اپنی طرح سمجھ لیں۔

دوسری سفر در قرنت فیصلہ مدت و تہ امتدادی ہے۔ آپ کو ہر حال یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ جو کچھ آپ ہیں وہی رہنا چاہتے ہیں، یا کچھ اور جتنے کے خواہش مند ہیں۔ پھر اس فیصلہ کی مدد سے جو کچھ بھی آپ ہونا چاہیں، اس پر اپنے مقتضیات کا پورا کرنا کے لیے آپ کو تیار رہنا چاہیے۔ اس سے بڑھ کر غلط فہمیاں کہ بہت کسی شخص یا گروہ کے لیے لگے کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک حیثیت سے جمیع امور دوسری حیثیت کا پورا کرنا ہو، کبھی اس حیثیت سے چمٹ جائے اور کبھی اُس حیثیت کی طرف پلکے۔ مگر دونوں میں سے کسی ایک کے مقتضیات بھی چمٹ سے کٹنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اس فتویٰ سے مراد تو







پیش کر دیا جسنے ۱۰ اور انہیں مشورہ دیا جسنے کمان میں سے کسی ملک کو اختیار کر لیا۔

نہیں نے ترہون مستحقین میں ۱۰ قوم ۱۰ اور ۱۰ جماعت ۱۰ کے اصول فرق کی بحث و وی در پیچ کے لیے چھڑی تھی۔ اس بحث میں جس نے فرقان اور حدیث کی شہادت سے یہ ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی اعلیٰ درجہ میں گروہ کے لیے وضع کی گئی ہے۔ وہ دراصل ایک قوم نہیں ہے بلکہ ایک جماعت ہے۔ اب میں در تحصیل کے ساتھ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ۱۰ قوم ۱۰ جسنے اور ۱۰ جماعت ۱۰ جسنے کے شخصیات و نتائج میں کیا فرق ہے۔ مجھے اور کسی شخص کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ آپ کو قوم کے بھانے جماعت سے پرہیز کر دے۔ آپ کو پورا اختیار ہے کہ جو چاہیں نہیں۔ البتہ جو درست ہم انجام دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ کے دہریوں کی الجھن اور نظر کے دھند کو دھند کر دیں، تاکہ آپ وہ نئی حیثیتیں لایا جیج موروہ کر لیں، اور آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ ان حیثیتوں کے جینا کہے کی جو صورتیں آپ کمال رہے ہیں وہ امر و فہم اور نتائج کے اعتبار سے ہلکتے ہیں۔

ایک گروہ میں قومیت کا احساس دراصل تاریخی اثرات اور تہذیبی وراثت کے تسلسل سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ کہ لوگ ایک طویل مدت تک ایک قوم کے اخلاقی تصورات اور ایک قوم کے معاشرتی طور طریقوں کے ساتھ ہم مشفق اور دوسرے گروہوں سے متذہب کر زندگی بسر کرتے ہیں، اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل اس ورثہ کو لے کر اپنے اندر مستحکم کر لی جاتی ہے انہوں میں اپنے مستقل اجتماعی و عہد کا وہ احساس پیدا ہوتا جاتا ہے جسے ۱۰ قومیت ۱۰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چند عورتیں اور دس بیٹے بھائی ہیں جس سے وہ خانوں پر کھاتے ہیں۔ چند تھکات بھرتے ہیں جس سے انہیں جھٹ بھرتا ہے اور جن کی ترقی و حال اُن کا مشرک کر گیا ہے۔ انہی چیزوں کے گروہ کو ان کی قومی تہذیب کہا جاتا ہے۔ ان میں طبعا

---

نے وہ طبعی تعلیمات مہولہ صحت سے قومیت کا تعلق نہیں ہے۔ مزید تحصیل کے لیے ۱۰ قومیت ۱۰ پر مبنی پہلے سالہ ترجمان القرآن میں شائع ہونے والے تصدیق ہیں کہ گروہ و کتاہوں میں شالی کر دیا گیا۔ (دہریوں)

عاجز ہوئی ہے کہ اس تہذیب یعنی اسلاف کے اس اثر کو باقی رکھیں اور اپنے اخلاق کے لیے اسے چھوڑ دیں۔ لیکن اس کی قوی زندگی ناقص قائم رہے۔

اس میں جو گند ایک قوم میں گیا جو اس میں قومیت کا شعور پیدا کرنے کے بعد کسی حد پر بغیر عجز و تنہائی رہا کہ اپنی اجتماعی زندگی کا ضبط اس کے اپنے ہاتھ میں ہو اور کسی دوسرے گند کی مرضی اس پر مستطاف نہ ہونے پائے۔ یہ ایک قوم کا سیاسی مفاد ہے۔

اسی طرح وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ معیشت کے جو مسائل اس کے پاس ہیں ان کی حلّت کرے، اور جو مزید مسائل حاصل ہو سکتے ہوں انہیں حل کرے تاکہ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ خوش حال ہوں۔ یہی چیز ہے جس کو قوم کے سیاسی مفاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس میں کسی کام کی گنجائش نہیں کہ قومیت کا یہ مفہم جو پر بیان ہوا ہے، اس کے علاوہ مسلمان صلیوں کے نوازش کی بدولت ایک قوم بن چکے ہیں، اور اب دوسرے تمام گروہوں سے متبرکہ وہ اپنا ایک مستقل اجتماعی وجود رکھتے ہیں۔ اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ مسلمان گروہوں کی ایک کثیر تعداد کے درمیان جگہ کرتے ہوئے ان کے دوسرے ان کے سیاسی اور سماجی مفاد اور ان کی قومی تہذیب کے تقاضا کا سوال ہی پیدا ہوتا ہے جس کی ہیئت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا مگر سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت اس میں ہے؟ کیا وہ اس کے سرگرم نہیں کہ دنیا کی جیت ہی قوموں میں ہے ایک قوم میں؟ کیا ان کی قومیت کی حقیقت میں اسی ہے کہ ایک گروہ نے فطرتاً سے ایک طرح کی زندگی بسر کر کے اپنے اندر قومیت پیدا کر لی ہے؟ کیا وہ تہذیب جیسے یہ وہی تہذیب کہ جس میں مولیٰ عادت و رسوم اور تاریخی تہذیب کا اثر متبہ ہے، کیا اس کے اصل قومی مسائل صرف وہی ہیں کہ جس مسئلہ کو انہوں نے مذہب و دلائل سے پایا ہے اس کی حلّت

---

۔۔۔ یہی تہذیب و اصل گروہوں میں ہے اس کو نہیں غافل ہے کہ انہی تہذیب جس کے مولیٰ و مذہبی میں یہاں کیا ہے۔ (صفحہ ۵)

کریں۔ بھی دینی حیثیت اور جس سیاسی اقتدار اور پردہ ابھی تک ناہیں میں انہیں ہاتھ  
سے نہ جاتے ہیں۔ بھی چیزوں کی ہیں۔ ایسے گروہ کے۔ افراد کی خوش حالی کے لیے ضرورت  
ہے۔ ان کو حاصل کریں۔ اور ان کی بھلائی کی وجہ سے ان کے لیے ہی ہاتھ  
میں رہے۔

اگرچہ مسلمانوں کی نوعیت یہ ہے۔ ان کی تہذیب ہے۔ اور یہی ہے کہ قوی مسلمان  
میں۔ اور شاید وہ سب قوی تکریمات سے مست ہیں جو اس وقت ان میں ہیں۔ وہی ہیں۔  
اسی صفت ہیں

ان کے لیے یہ باطل بھی ہے کہ ان کی ایک ٹیگ جو میں میں وہ سب لوگ ایک  
ہمیشہ خدام پر جمع ہو جائیں جو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمانوں کے نظام معاشرت ہے۔ جوتہ  
ہیں۔ انہیں کے گروہ کے کہہ لوگ ان کے فائدہ میں ان کے اشاروں پر یہ حرکت کریں۔ اور  
ان کی تمام متحدہ کوششیں صرف یہ ہو کہ وہ کہہ ان کے ہاتھ میں ہے وہ جانتے نہ پاتے۔  
اور جو کہ مزید ہاتھ آسکتا ہو وہ جانتے۔ قطع نظر اس سے کہ ہم میں اس کے ہم پر اپنی قوم  
کو مسلمان کہتے ہیں۔ اس کو جائز سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ ان کے لیے تمام تر اہمیت صرف  
یہی چیز کی ہوئی ہے کہ ایک کا نظم و نسق خواہ کسی نوعیت کا ہو۔ ہر حال اس کے خدشہ میں  
خدا ان کے سپرد۔ اور کو کا خدشہ ہے تاکہ اسے باقی دنیا دینی اپنی قومی تہذیب کو نہ خود  
جس صورت میں بھی باقی رکھنا چاہیں۔ اور کہ سیکس اور جس قسم کے بھی لوازمات و مسائل کی باہر  
میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ ان میں سے ایک صفت ہے جوتہ ان کے افراد کو بھی مل جاتے۔

ان کے لیے یہ بھی درست ہے کہ جو نوع ادلال کوہ کہہ کر یہ حکم کی جس پارٹی کے  
ساتھ ہی شدت مند رہ جائیں۔ بشمول ان مسلمانوں میں ان کے اپنے گروہ کا اعتماد  
نقص ہو۔ ایسے کسی مسلمان قومی مدد کی کا سوال صرف اس وقت پیدا ہوگا جب مسئلہ  
ہیں جو کہ نقصان کے ساتھ کیا جائے۔ یا اس میں اپنی قوم کے سیاسی و معاشی مسائل کو

نہ واحد لا الہ الا وہ۔ یا اس میں اپنی قوم کے سیاسی و معاشی مسائل کو

نظام اذکر دیا جاتے۔

ان کے لیے یہ بھی بات ہے کہ جس طرح دوسری قوموں میں قوم پرستی (Nationalism) پیدا ہوئی ہے اسی طرح ان میں بھی ہو۔ یہ بھی اہل اعدا برصغیر اور جاپان کی طرح خداوند متعال کی طرف سے کمال دیا گیا ہے۔ ان کی تعلیم بھی ماکشستہ اموروں پر کی جاتی ہے۔ یہ بھی اتھارٹیس (Natural Selection) اور فٹنس (Survival of the Fittest) کے قانون کے مطابق اپنے آپ کو چیلنج کی طرح "مدا" بنا سکیں اور غیر صالح خیریں کو ہٹ کر نہ شروع کریں۔ یہ بھی استفادی قوموں کے دھرم کے میں شامل ہو جائیں۔ جس طرح ملکی قومیت میں علیہ حاصل کریں، اور اسی دنیا کی مددگی میں یہی زمین پر پھینکے جتنے تغیریات میں تحریف اور نقصان لگتا ہے۔

قومیت کا یہ فلسفہ یہ اختیار کر لینے کے بعد آپ کے لیے یہ سب کچھ درست ہو جاتا ہے۔ مگر خوب جان لیو کیجئے کہ اسلام کو اس قومیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اسلام کو نہ تو کسی نسل کو دے دیا ہے، نہ کسی جاہلیت کی محدود صلاحیت اور دھرم سے لگاؤ رکھتا ہے، نہ وہ دنیا کے محدود کچھ انسانوں یا محدود انفرادیت کی منہایت سے متاثر ہے دیکھتا ہے، نہ اس سے آپ کے کہ انسانیت میں گروہوں میں توئی ہوئی ہے ان کے اندر اپنے آپ سے ایک اور گروہ کا اضافہ کر دے، نہ وہ انسانی جاہلیتوں کو بخود نہانا چاہتا ہے کہ گروہوں کے مقابل تائید و تقاضا (Struggle for Existence) کے میدان میں انہیں ملے اور آپ کے امتحان میں شریک ہوں۔ یہ سب کچھ غیر اسلامی ہے۔ لہذا اگر آپ کی قومیت اور آپ کی قومی تہذیب ہے، اور آپ کے قومی مقاصد ہیں تو آپ اپنی قوم کا ہر کام چاہیں تحریر فرمائیں۔ اسلام کا نام استعمال کرنے کا آپ کو حق نہیں ہے۔ لیکن اگر اسلام آپ کی قومیت اور قومی تہذیب سے تہذیبی کرنا ہے، اور میں نہیں جانتا اسلام ہی کا نام استعمال کرنے پر آپ کو حرا لگیوں ہو، یہ مسلمان کے معنی نہ منہم ہے تو آپ کو کوئی بھٹکا ہے ہی نہیں۔ آپ کو تو اپنی قومیت کے لیے جس ایک کام چاہیئے۔ جو اس غرض کے لیے آپ جو کام ہی دیکھ کر میں گئے وہ آپ کی امتحان اجتماعی

حیثیت پر اسی طرح دعوت کرنے کے خاص طرح اب عبد الحسینؑ کہہ رہا ہے۔ آخر اس  
فروع کی قرینیت میں کون سی خصوصیت ہے جس کے لیے فقہاء مسلمینؒ اسی استعمال پر  
فردی ہو؟

اس نام کو بدل دینے کی ضرورت صرف یہی ہے نہیں ہے کہ آپ کے یہ نظریات  
جس پر آپ اپنی قرینیت کی بناء رکھ رہے ہیں، انہی اسلام کے خلاف ہیں، بلکہ جس کی ضرورت  
اس سے بھی ہے کہ جس مصلحت کے ساتھ آپ جو کہہ کریں گے وہ اسلام کے لیے دھواں د  
ہوائی کا موجب ہوگا۔ دُعا آپ کی جو کہتے کر دیکھ کر کہے گی کہ اسلام میں یہ کچھ نہ ہوگا۔ وہ یہ  
چیزیں کہ اسلام کے لئے زیادہ دُعا چاہیے گی۔ آپ کہتے: قوی منہ کی مخالفت کیجیے غیر اسلامی  
فروع میں ہوتا مناسب مقام لکھنے کی کوشش کریں گے، اور بنایا جائے گی کہ شاید یہ اسلام کی تعلیم  
ہے کہ جو نہیں پودہ بعد پہنچتا ہے تو اس کے حکم سے تم ہر ایک کا لکھنے کے لیے تیار  
ہو جائے۔ آپ کہتے: قوی منہ کی خاطر ہر اسی منہ کی مخالفت کو انہوں سے بکڑنے کی کوشش کریں  
گے جو کسی مسئلہ کا بہت سے مسلمانوں کو کسی طرح سے متاثر ہو سکتا ہو اور دُعا اس  
ذات کے اسلام کی طرف منسوب کرے گی۔ آپ کہتے: اسی سے اصل کے ساتھ نہیں ایک چیز  
کی حلیہ کریں گے اس سے کہ وہ آپ کے منہ کے مطابق ہے، اور کہیں اُسی چیز کی مخالفت  
کریں گے اس سے کہ آپ کے منہ کے خلاف ہے، کبھی ایک پہنچنے سے میں گئے اور  
لکھی اُسی پارٹی سے لڑیں گے، وہی ہے کہ آپ کے لئے اُس کے درمیان اصول اتفاق  
یا اختلاف ہے، مگر صرف اس سے کہ آپ کے پیش نظر اصول نہیں، قوی منہ ہے۔ یہ  
ابن الوقتی جو آپ کے کیرکٹر سے ظاہر ہو گیا، دیا کہ جسے کہ ایسا ہی کیرکٹر اسلام پیدا کرتا  
ہے۔ آپ قوی منہ کی تلاش میں ہر وقت نکلیں گے۔ ناشنوم کے اصول یا کیرکٹر کے  
نظریات بھی اختیار کریں گے، غلام مسلمانہ داری اور مستند انہی شخصیات مسلمانوں کے  
دامن میں مل جائیں گے، اگر زیادہ ہندو یا مسلمان ہندو جس کے اعتقاد پر بھی  
غلام کا بہت سے مشاغل ہیں اس کی طرف سہارا دینا ہوگا، اور یہ سارے دامن  
آپ کے واسطے اسلام کے دامن پر لگنے چلے جائیں گے۔ اسلام نے صدیوں آپ پر جو

جب تک کہ میں اُن کا کم رنگ نہ کر دوں ہوں، چاہئے کہ آپ اس طرح اس کی رسوائی  
کھیلان کریں۔

لیکن اگر آپ کو اسلام سے داخلہ مست ہے اور حقیقت میں آپ مسلمان ہی رہنا  
چاہتے ہیں تو آپ کو یہاں بیٹا چاہئے کہ اسلام پر دیر سے اور ہندو دھرم کی طرح ایک نسل  
نہ سب نہیں ہے جو ایک نسل قریب بنانا ہو بلکہ وہ تمام نوجوانوں کے لیے ایک نسل و  
اجتماعی مسئلہ ہے۔ ایک جہاں نظریہ (World Theory) اور ایک عالمی تصور  
(Universal Idea) ہے۔ ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہئے جو اس مسئلہ میں  
نظر ہے۔ اس تصور کو سنے کا نفع، اور دنیا کے سامنے ملنا اس کا نقشہ پیش کرے، اور جس  
جس قوم کے جو جو لوگ اس کو قبول کرتے ہائیں انہیں اپنی جماعت میں شامل کر لی جائے،  
یہاں تک کہ قوموں کے درمیان تفریق کی دیواریں مسدود نہ ہائیں۔ اُس کے نزدیک اسلامی  
صرف وہ چیز ہے جو اس کے مسئلہ اور اس کے نظریہ کے مطابق ہو، اور جو چیز اس کے  
خلاف ہو اُس کو وہ اپنا سنے سے محال (نکار) کرتا ہے خواہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا دینی اصول  
اس سے وابستہ ہو۔ لہذا اگر آپ اسلام کے مسئلہ کی خاطر نہیں اور اُس کو دنیا میں ٹکروں  
بنا سنے کے لیے جدوجہد کریں تب تو دنیا آپ اسلامی جماعت اور مسلمان گرد نہ ہوں گے۔  
وہ اپنے اپنے لیے جھگڑے کر رہے ہوں گے۔ جدوجہد کرنے کی صورت میں اسلام سے  
آپ کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔ آپ کو ہرگز حق نہیں ہے کہ آپ اپنے لیے کریں اور دوسروں کو  
کالیں۔

مسئلہ اسلام کی اس جہاں و عالمی وجہیت کو ذہن نشین کر لیجئے کہ بعد آپ یہ بھی سمجھ  
لیا جائے کہ ایک عالمگیر مسئلہ اور جہاں و عالمی نظریہ کے مقتضیات کیا ہوتے ہیں۔

اذاً وہ مختلف دائروں میں سے ایک پارٹی بن کر رہنے پر تیار نہیں ہوتا،  
بلکہ اُس کی عظمت کا اقتضایہ یہ ہے کہ اس دوسری ایک ہو۔ وہ مقابل کی کسی طاقت کو  
اپنا حریف و ہم جہ نہیں سمجھتا۔ ہوتا۔ مذاکرات و صلح (Compromise)  
کرنا اس کے لیے مانگیں ہوتا ہے۔ وہ سودا نہیں کرتا، یہ سب ہونا چاہتا ہے۔





مذہب کی کامیابی کے لیے موت یا آبد کرنا کافی نہیں ہو سکتا۔ بہت سے خود رقی  
ہے اللہ اس میں صاف کے لیے نظر ہے۔ جگہ ہے تصور کو پہنچنے کے لیے اس  
مراعات مانا ہے کہ اس کے اصول کی ایک انجیلی غور کی کہ خود بنا دیا جائے اس  
ریا جان رکھنے واسے اس کی ایک کے لئے سے ایک باہر جا صعد کی کر نہیں، اللہ آخر  
اس کے نظریات ایک مثبت کے لیے پیدا کی جان بن جاتی۔

یہ مضمون کے تشبیہ میں اللہ ہی مسلمان ہونے کے تشبیہ میں ہیں۔ اب گراپ  
اسوی جا صعد ہی کہ کم کرنا چاہتے ہیں تو نہ کرنا ہی اس قول یا اس پر غور کرنا کرنا ہوگا  
جس پر نہ آپ بہت کچھ کہتے ہیں، اللہ اسے بالکل بدل کر ان تشبیہات کے مطابق  
دعا ہوگا۔

آپ کو اپنے صدارت سے قومی مفاد کا تصور نکال دینا چاہئے کہ اللہ اس کی جگہ اس مضمون کے  
حول اللہ اس کے نصب نہیں کر دینی ہوگی۔ آپ کو حق اللہ حق مقصد سے قریب نظر  
کرنا ہوگا اس کی نظر میں ایک مقصد پر جاری ہوگی کہ اس مضمون کے اصول بنیادیں نکالیں ہیں  
اس فرض کے لیے آپ کو دنیا جہ سے رٹنے کے لیے تیار ہونا پڑے گا کہ کسی ایسی پالیسی  
ہے جو نہ آپ کے اصول دہماتی ہو، آپ کی مشورہ پر بھی سودا کر سکیں گے، یہ کو سنی  
کے ساتھ ایک اصولی جامعیت بننا پڑے گا، اس بلکہ لوگوں کو پہنچنے کے ایک کو ہر گ  
جو آپ کے اصول کو نہ سمجھیں، اللہ صوبہ میں سے ان میں سے کو چلی جی کر  
اپنے ساتھ لے کر آئے، اس میں اس کو اسے کے لیے تیار ہوں۔ آپ کو ان اتنی چہرہ  
دینی ہوگی۔ اپنے اصولوں سے جہل کرنا آپ کو نہ کر سکیں گے خواہ اس میں کتنا ہی شہ  
شخصی یا قومی فائدہ ہو نہ آپ کو ایک ایسی باہر جا صعد بننا پڑے گا۔ جو اپنے اصولوں  
کے لیے رٹنے والی ہو، اس کا مقصد اپنی قومی حکومت (National State) قائم  
کند ہو کر اپنے اصولوں کی حکومت (Ideological State) قائم کرنا ہے۔

یہی جامعیت بہت آپ نہیں گے تو نہ کرنا ہی تیار ہو کر اپنی تیار کرنا ہوگا۔ اس وقت  
آپ کے قادیانوں کو نہ کر سکیں گے جو اس مضمون کے اصول کو ٹیک ٹیک جہت ہوں

اور سب سے زیادہ دن کا اجراع کہنے والے ہوں۔ ایک قوم کا لیڈر ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو قوم کو رو رہے۔ مگر ایک جماعت کا لیڈر صرف وہی ہو سکتا ہے جو جماعت کے مسلک کا سب سے بڑا مہر و رہبر ہو۔ مسلمانوں کی قومی تنظیم میں تو اسلام کے مسلک سے ہٹتے ہوئے لوگ مصروفِ عمل ہیں مگر پائے جگہ پا سکتے ہیں۔ مگر جماعتی تنظیم میں ان کا مقام سب سے پہلی صف میں ہو گا۔ بلکہ شاید ان میں سے بہت سے لوگ کسی صف میں بھی جگہ نہ ملے گی۔

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَبْهَرُ دُنُونٍ رَحَى وَأَخْبَرُ بَطْنٍ»  
ابن ابن کثیر اور تفسیر صاف کا حوالہ کر کے بھی لکھ دیکھ تاکہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر کے میں آسانی ہو۔

اگر آپ معنی ایک ایسی قوم ہوں جو سب سے ذائقہ مند کے لیے حلو بہت کئی ہو تو آپ کی حیثیت ایک عام چٹان کی سی ہو گی۔ اور آپ کے مقابلے میں دوسری بہت سی قومیں ایسی ہی چٹانوں کی صورت میں موجود ہوں گی۔ آپ کا اندازن کا مقابلہ اسی طرح ہو گا جس طرح چٹانوں کا ایک دوسرے سے ہوتا ہے۔ ایک چٹان دوسری چٹان میں سے جدا ہونے سے کہ اپنا ہم نہیں بڑھا سکتی۔ نہ ایک چٹان کے اندر گس سکتی ہے۔ ان کے درمیان صاف کی مس دہی صحتیں ہیں۔ یا تو ہر ایک چٹان اپنی اپنی جگہ رہنے پر تیار ہو یا ایک چٹان دوسری چٹان پر چڑھ جائے اور اس سے ٹکرا کر اسے آڑے اور پیچھے کی کوشش کرے۔ پہلی صورت میں آپ کو بھڑک رہا جاتے ہیں۔ اور دوسری صورت میں آپ کے لیے وصفت کا ملکان قہر ہے۔ گمانی طرح کی دست جیسی فاسفٹ اٹل اور ناری بر منی حاصل کر رہا ہے۔ اور اس سے پہلے اہم ریٹ برطانیہ حاصل کر چکا ہے۔ اس طرح کی صورت حاصل کر کے آپ دیکھیں اس ایک خستہ قوم کا احوال کر دیں گے جو زمین میں کچھ متعلقہ نہ ہو سکتے گی اور ہر وقت اپنے لیے کی سزا پائے گی۔

خلاصہ اس کے کہ اگر آپ اسلامی مفہوم کے مطابق ایک ایسی جماعت ہوں جو

نہ بہت حد تک سترائے رہے نہ سخت سے ٹکریاں ہو گی۔



## اقلیت و اکثریت

صد ہوں نے چونکہ اپنے دین کو ایک عالمگیر فرقہ کے بہتے ایک عالم قوی جذبہ اور خود اپنے خدایہ کو ایک بین الاقوامی انتہائی جماعت کے ساتھ مل کر ایک قوم بنانے کا یہاں سے اپنے تئیں ترجیح دے کر اس میں کوئی فرقہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ اس میں کچھ تاریخی یا سیاسی فرقہ واریت کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ احساس کے لیے یہ بات غلط پریشانی کی وجہ سے گونجتی ہے کہ سرکاری کے اعتبار سے جب میں ہر کے مفاد میں ایک کی نسبت دیکھتا ہوں تو اب میں چونکہ تعداد کے اعتبار سے اپنا آپ کا کچھ بھلاؤ۔

یہ پریشانی اب روز بروز شکست خوردہ و نیست میں تبدیل ہو رہی ہے اور کچھ فرقہ کی طرح اب مسلمانوں کو بچاؤ کی کئی چیز اس کے سوا نہیں سوچتی کہ وہ پسپا ہو کر اپنے غلے میں سمٹ گئے۔ اس مورد میں حال کی تہا بھری ہے کہ اس وقت کے جس سے کوئی قومی طاقت کا علم ہے وہ اس کے دین کی صورت میں اس کے پاس ہے۔ اور مذاہب سے بھی خبر ہے کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں اس کا تعلق کیا ہے۔ یہ پتہ بھی کو ایک گندہ پتہ راہ اپنے آپ کو ایک قوم دیکھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بچاؤ کی پڑ گئی ہے۔ اگر اس کو یاد ہو تو اس ایک جماعت میں سے جماعت ہوں جس کا شوق دنیا کو اپنے نظریہ ملک اور اپنے منسلک اجتماع (Social Philosophy) کی طاقت سے جگ کر رہا ہے تو ہر گناہ کی پڑیشانی

میں ذاتی۔ اس کے لیے اکثریت و اقلیت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ یہ اپنے غریب میں سمٹ  
 منے کی فکر نہ کرتا، بلکہ آگے بڑھ کر میدان جیتنے کی تدبیریں سوچتا۔

اکثریت و اقلیت کا سوال صرف تو ممبروں کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ جماعتوں کے  
 لیے نہیں۔ جو جماعتیں کسی طاقت و نظریہ اور جاندار اجتماعی حسمہ کر کے کرائی ہیں  
 وہ ہمیشہ عقل استداد ہی ہوتی ہیں۔ اور اقلیت کد کے باوجود بڑی شری اکثریتوں پر  
 حکومت کرتی ہیں۔ وہ کسی کیورسٹ پارٹی کے ارکان کی تعداد اس وقت صرف ۴۵  
 تک ہے اور انقلاب کے وقت اس سے بہت کم تھی، مگر اس نے ۵۰ کروڑ انسانوں  
 کو سزا کر دیا۔ مسیحی کی فاشسٹ پارٹی صرف ۴۰ لاکھ انکس پر مستعمل ہے، اور دوم  
 پر دم پانچ گنتے وقت ۴۰ لاکھ تھی، مگر یہ عقل تعداد مانتا ہے چار کروڑ اطالویوں پر چھ  
 لاکھ۔ یہی اصل حیرت کی نمانی پہلی کا ہے۔ اگر ہم نہ ان کی مثالیں خود اسوی تدبیر سے ہی  
 حاصل تو ان کو کہہ کر کہا جاسکتا ہے کہ وہ نہ نہ کر رہا اور وہ طاقت بدل گئے۔ لیکن بتاؤ  
 شاہیں آپ کے اسی زمانہ کی موجودگی میں سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل تمام جماعتوں میں  
 ملتی ہے بشرطیکہ وہ اس طرح مجاہد کرے جس طرح ایک اصول اور مسلک دیکھنے وال  
 جماعت کیا کرتی ہے۔ اور حدود افرائیں کے لیے رٹنے کے بجائے ایسے اموروں کے لیے  
 رٹے جو لوگوں کی زندگی کے مسائل کو حل کر سکیں اور انسانی قوجات کو اس جماعت  
 کی طرف کھینچے داسے ہوں۔

اسلام کے اصول اس فرقہ کے لیے بہترین ہمد گرام دے سکتے ہیں اور اس پر گلام  
 کو لے کر اگر مسلمان مل جائے اس کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو چند سال میں طاقت کا  
 نقشہ بدل سکتا ہے۔ لیکن پہلے مسلمانوں کی قیادت میں لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہ  
 اسلام کو جانتے ہیں، نہ اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پہچانتے ہیں، نہ ان کو  
 اس خیمہ کی خبر ہے جہاں اسلام کی توجہ تسخیر چلی ہوئی ہے۔ ان کے دماغ میں کہیں نواز

سے زیادہ چلن تک برکتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ تو اپنے آپ کو خیل افتاد و بیکر مکر خفا  
 قسوں کی خدمت حاصل کرنے کی فکر کریں، یا اس تجربہ پر پہنچ جائیں کہ ہمارے جیسے دوسروں  
 کے جیسے چلنے اور اپنے آپ کو غیر مسرور کی قیادت کے حوالے کر دینے کے برکات کی  
 زندگی نہیں ہے۔

دیبا میں اس وقت مفتی جاحیس بربر افتاد ہیں، ان میں کسی جماعت کی تعداد ایک سو  
 سے متجاوز نہیں ہے۔ خانہ روسی کونٹ پورلی اس وقت سب سے بڑی جماعت ہے،  
 مگر جبکہ اگلی میں نے بیان کیا، اس کے ارکان بھی ۲۶ لاکھ سے زیادہ نہیں ہیں۔ مسس  
 لاف سے اگر دیکھا جائے تو کین پڑے گا کہ جس نظریہ و مسلک کے حامیوں کی تعداد صرف  
 ایک ملک میں آٹھ کروڑ دو دینا صرف چالیس کروڑ یا اس سے زیادہ ہو اس کو نام کر دینا  
 پر حکمران ہونا چاہیے۔ یہ قیصریتا روفا ہوتا، اگر بن لوگوں میں جماعتی احساس پیدا ہوتا  
 اور انہیں اپنی جماعت کے مشن کا شعور نصیب ہوتا، اور یہ اس مشن کے لیے سعی و جد  
 ید کر سکتے ہوتے۔ لیکن جس چیز نے جس علیر مشن افتاد کو ہائل ہے اثر، قطعاً ماکارہ بدیا  
 ہے وہ اسی احساس و شعور اور یہی آواز کی عمل کا افتاد ہے۔ مختلف قسم کی شیطانی قوتیں  
 اس جماعت کو چٹ گئی ہیں اور پیہم اس کو کشش میں لگی جوتی ہیں کہ کسی طرح یہ اپنے آپ  
 سے واقف نہ ہو سکے، اور اس کو کبھی آنا بوش نہ آئے کہ اپنی رہائی کے  
 مشن کا خیال کر سکے۔ آپ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہندوستان  
 کے مسلمانوں کے جماعت کا حوالہ سے لے لے۔ ہر جگہ آپ کو یہی سنائے گا کہ ایک نہ ایک  
 شیطان اس قوم کی جان کا لوٹنا ہوتا ہے اور چوری ستھری کے ساتھ اپنے کام میں بہک  
 جے۔ جہاں مسلمانوں میں نہ ہب کے ساتھ اچھی دلچسپی ہوتی ہے وہاں یہ سنا بھی  
 مذہبیت کا حوالہ نہیں کرتے ہیں اور دین کے نام سے ان مسئلے پر بحثیں چھیڑتے اور  
 مراہیں برپا کرتے ہیں، بکرب اذکاب سرچشموں تک تربت پناہ دیتے ہیں جن کی  
 دیبا میں کوئی اہمیت نہیں جوتی۔ اس طرح مسلمانوں کا سارا مذہبی جوش ان کی ہی تحریک  
 میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور جہاں نہ ہب کی طرف سے کچھ مرد بھری پیدا ہو گئی ہے

وہاں کچھ دوسری قسم کے کشیا میں خود ار جوتے ہیں اور وہ دوسری ترقی و خوش حالی کا  
بہتر باعث و حاکم مسلمانوں کو ایسی تحریکوں کی طرف کھینچے جاتے ہیں جو ایسے مقاصد و  
طریق کار کے لالچ سے قطعاً غیر اسلامی ہیں۔

جی وگوں کو مسلم و ام کی حالت دیکھنے کا اتقان ہوا ہے وہ جانتے ہیں کہ اس  
گتھی گزری حالت میں جی وگوں کے اندر اچھی خاصی انفاقِ طاقت موجود ہے جس  
سے بہت کچھ کام لیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ حیثیت سے دو گہرے زخم کو گئے ہوئے ہیں۔  
انہوں نے اُن گزشتہ مسلمانوں کی اس عظیم الشان تعداد کو صفائے کے درجے تک نیچے گرا  
دیلا ہے۔ اسلام میں مقصد کے لیے جہاد اور محنت و جان فدا کرنا چاہتا ہے۔ اس  
سے بہت سارے بندے گئے ہیں۔ اس کے وہی سے اسلام لایم تعداد مسلمانوں کو حقیقی جہاد  
مکمل دیا گیا ہے۔ یہ وہ حقیقت خود ہے آپ سے بے گناہ کہہ دیتے گئے ہیں۔ یہ اس خط میں  
میں مثال دیتے گئے ہیں کہ عکسِ بزمِ جہاد جو سارے کہہ بندے اُس کے لیے کوئی مستقل  
میں کامیاب نکلے نہیں۔

اس وجہ سے وہ عظیم الشان تعداد جو ہم کو مردمِ شہری کے جنسوں میں نظر آتی ہے اسلامی  
افراد کے لیے قریب قریب باطل سے کار جو چلی ہے اس تعداد کے جہاد پر اگر کچھ کیا جائے  
گزارشتِ تاریخی سے روکا۔ ہر گز اسے گناہ ان کے ساتھ۔ اور سے یہ وہ جو گناہ و استہ  
کی یا سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اُس سہ ہزار ہر ایک دہہ تحریک کی حیثیت سے اُنھے  
وہ شیطانی قوتوں کے متاثر ہیں سچے اصول کی حکمرانی و فردا فردا ان تمام گناہ کے لیے بیرونِ زمانہ  
ہو۔ تو تا یہ غیر مسلموں کی بہ نسبت بن مسلمانوں میں سے اُس کو کچھ زیادہ تاثیر مستند زیادہ  
اُنسانی کے ساتھ لی سکیں گے۔

اب جو لوگ حقیقت میں اُس اسلام کو جانتے اور سمجھتے ہیں جو اصلِ اللہ علیہ وسلم پر  
تائید ہوا تھا اور جن کا مطلب اس پر پوری طرزِ مطلق ہے کہ انسانیت کی حیرت و سعادت  
اُسی اسلام کی حکمرانی میں ہے۔ وہ صرف اسلام ہی کے حلقوں پر مبنی تمدن و اجتماع کا ایک  
مستند و متوازن نظامِ حیرت و سکوت ہے۔ ان کو ہندو خطِ فہم سے پہلے رہیں کہ صحابہ کہ

ہاں یا نہیں! اللہ جانتا ہے! میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اسے نہیں دیکھا۔

اول یہ کہ مسلمانوں کے عقائد اسے اسلام کو اس میں اخذ صاف علی ہے۔ اسلام کی نگاہ  
میں یہ سوال برسرِ گنہگاری اجیت ہیں رکھتا اور "اسلام سچے پیرروں کے اس عقیدہ کو تسلیم  
کرتا ہے کہ ایک حیران کن نظام حکومت کو چلانے کے لیے کئے گئے مسلمانوں کی خدمت  
ورج میں ادا گفتگوں کی پرمیس میں بعد گفتگوں کی وفوریوں میں حاصل کی جاتی ہیں، اور کستنی  
سختیوں ان کو با جس کا خون ساز میں حق میں تاکہ خدا کے حکم میں وہ بھی غیر مسلموں کی  
طرح شریعت ساز میں کر چکیں، اور ان کی ریاستوں کی منبہ مگر زنی مسلمان فرمانروائوں کے بے  
عمو لار بھی ہوتے تاکہ ان حیر مسلم رہاؤں کی طرح ملک خدا کے بجائے ملک بننے میں رہیں۔  
اس قسم کے سوا دات کو اسلامی سوا دات کہہ اسلام کی تو یہی ہے۔ ایک اسلامی توحید کو اس قسم  
کے تمام سوا دات سے قطعاً ہے متن پر نہایت ہے۔

دوسرے یہ کہ اسلام کی کامیابی دونوں مسلمانوں کی تہذیب و ادب و اخلاق پر منحصر ہے جو اس وقت ہوم شہری میں مسلمان کی حیثیت سے لکھے جوتے ہیں اسلام اس کی کامیابی کی راہیں نہ ہوتی تھیں۔ دوسرے جو مسلمانوں کی کثرت تہذیب کوئی مضبوطی کا دھڑ ہے۔ ہوم شہری کے مسلمانوں میں مسلمانوں کو غیر مسلمانوں کی باری کا تناسب دیکھ کر گھبرائیں گے کہ اسلام کی طاقت ہندوستان میں صرف اتنی ہی ہے جتنا آبادی میں مسلمانوں کا تناسب ہے اور یہ جس قدر آبادی ہی ہمارے ملک کا تناسب جتنا زیادہ ہے اتنا ہی اسلام کی کامیابی کا امکان کم ہے۔ یہ صرف نئی دلوں کا کام ہے جو اسلام کو کفن ایک جامہ نہ ہی رسم کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اگر اسلام ایک نئے عمل و حرکت کی حیثیت سے میدان میں آجائے تو اس کے اصولوں کی بنیاد پر ہندوستان بدلے کے ضیق مسلمانوں کو مل کرے کے لیے ایک عمل پر گام لے کر کوئی سترم جماعت اٹھ کر نئی رو تو جیسی دیکھے کہ اس کی اہل پیہر ہفتی مسلمانوں تک محدود نہ رہے بلکہ شاید ان سے بڑھ کر جو مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچے بلکہ کوئی طاقت اس میں دلاں کو وہ دیکھ سکے گی۔ اگر اسلام کے متعلق اس میں بھی ایک حد تک سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو ہر وقت سے صیحت کہ ہمہ گوشہ ہائے طاقت میں چھپا دیا جائے۔ ضرور ہے کہ وہ اسلام کے بین الاقوامی ہے



تکو تعدد ہیں۔

فیصلہ یہ کہ کسی تحریر کی کامیابی یا انحصار اس پر نہیں ہے کہ اس کے ضمنی مفہوموں اور سیرتوں کی تعداد ملک میں کیا ہے یا کسی صدی جو ہستے۔ تاہم اس کے واقعات اور لوگوں کو دیکھنا کے تجربت میں ملنے میں کسی ایک صحرانہ۔ منظم پڑش اس کے اور کیا ہی ترکیب پر کیا ایاں کرتے ہوں اور اس کی زبان میں باقیوں میں قرآن کریم کے ایسے وہاں جہ ہستی ڈیپس کی کامل ملاحظہ کرتے ہوں۔ بعض اپنے ایمان اور مسند پر کی طاقت سے بر وقتہ ملتی ہے خواہ اس کے ملک کی تعداد ملک کی آدھی میں ایک ہی ہزار ہی نہ ہو۔ پہلی کلام کشوں کو اپنی کتاب ہے اور کہ وہی کی ہمدردی حاصل کرتا ہے۔ مگر خود پارٹی کے مفہوم وہی لوگ جوتے ہیں جو ایمان اور ملاحظہ امر کے بعد ملاحظہ کلن اور پتے پر لکھتے ہوں۔ پس امام کو حکمران بدلے کے یہ ضمنی مسافروں کی کسی بڑی تعداد کی عزت نہیں۔ تھوڑے ہی ملک میں بشریکہ علم اور عمل کے اعتبار سے مسلمان ہوں اور ملک ماہ میں ایمان والے سے جہاد کہہ کر مستعد ہوں۔

(قرآن القرآن - جون ۱۹۶۹ء)

## شکایات

ناظرین! ترجمیں القرآن میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں،  
 "اوپ کی نظریہ نہ موجودہ یسندوں میں، نہ حرام میں کوئی اس قابل ہے  
 کہ اپنے آپ کو مسلمان کہنے یا کہنے لگ سکتی ہو، نہ موجودہ دور کی سبب سے  
 کھش میں ان نام نہاد مسلمانوں کی بدبودی کی جڑ و جہش ہے۔ پھر اللہ خدا  
 ے تائیں کہ یہ مسلمان کس نام سے پکارا جائے اور اس پر جو ہر طرف سے ملے  
 ہو رہے ہیں ان سے بچنے کے لیے کسی نہ ہر کی غرض سے بھی ہم انہیں؟  
 ، ہم سے کہ وہ ہر معز کے مسلمان ہوئے ہیں۔ مذہب کی پابندی  
 نہیں کرتے۔ لیکن آخر کیا انہیں ڈرتا ہے؟ چھوڑ دیا جائے! ... کیا جس  
 وقت تک سب یاد رست پر نہ آجائیں اس وقت تک اپنے آپ کو  
 کوئی مسلمان کہے نہ ان کی بہتری کے واسطے انہیں جیسے مسلمانوں کی طرف سے  
 کوئی جہاد جہد کی جائے! ... ڈوہتے ہوئے سے یہ کہنا کہ تو گھر سے  
 پانی میں گیا ہی کیوں تھا اور تو کسی بدبودی لاسمتی نہیں ہے سر اس خطابت  
 مانیست ہے، مزدورت تو اس کی ہے کہ اسے نکلنے کی کوشش کیا ہے  
 اور ہر ملکن نہ ہر اس کی جان بچانے کی عمل میں مل جائے۔"

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں :

”آپ کی روش میرے لیے اور مجھے خیانت رکھنے والے ہیں۔  
 سے دوسرے لوگوں کے لیے محنت و جہد پریشانی بن گئی ہے۔ جب تک  
 آپ میٹنگس مسلمانوں یا لاٹریس سے تعاون کرنے والے مسلمانوں کے  
 طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں، ہم نے یہ سمجھا کہ آپ ہندوستان میں مسلمانوں  
 کی انفرادیت برقرار رکھنے کے حامی ہیں اس لیے اُن لوگوں سے اختلاف  
 رکھتے ہیں جن کے رویے سے آپ کو خطر ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی بستی  
 گر ہو جائے گی۔ مگر آپ آپ نے اُن دھوکوں افسانوں کے لیڈروں پر  
 بھی کتنی جھڑپیں شروع کر دی ہیں جو اس انفرادیت کے تحفظ ہی کے لیے کوشاں  
 ہیں، یعنی مسلم لیگ اور قاسم گیسو ایک۔ اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ  
 آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟ ہندوستان میں اگر مسلمانوں کو زبرد ہند ہے تو  
 ہر حال یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مرکز پر جمع ہوں، ایک منظم گروہ بنیں، کسی  
 قیادت کے تحت حرکت کریں۔ اس مقصد کے لیے جو کوشش کی جاتی  
 ہے اس سے آپ کا اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر آپ ہمیت کا  
 اعتراف چاہتے ہیں تو یہ بھی تب ہی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ایک اجتماعی نظام  
 بن جائے۔ لیکن لڑائی یا جھگڑا جیسی بھی ہے، جماعت تو بن رہی ہے  
 اس کا ساتھ دیجیے۔ پھر ذہنی ایوار کے لیے بھی کوشش کر لیجیے گا۔ لیکن  
 آپ کی روش سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی نعرہ دہیورد کے  
 لیے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان میں سے کسی کا بھی ساتھ آپ دینا نہیں  
 چاہتے۔“

یہ وہ خط ہندوستان بیت سے شکایتی خطوط کے ہیں جو پچھلے دنوں مجھے وصول ہوئے  
 ہیں۔ ہند سے تعینم یافتہ لوگوں میں ایک ہیئت بڑا گروہ اسی طرز پر سوچ رہا ہے اور ان  
 خطوط میں ہر اصل اسی طرز خیال کی نمائندگی کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے اوپر سب تنقید کرنا اعدا اپنی کمزوریوں کا کھارہ لینا کوئی خوش آئند چیز نہیں ہے۔ یس مسی اس کام کو خوش زندہ سمجھ کر نہیں کرتا۔ بڑا عجیب گھٹ، ربر کا ٹھونٹ ہے جسے حق سے آواز آتا ہے، اسی طرح اُس مسیحی کو محسوس کرتا ہوں جو میرے دوسرے بھائی اس کے اعدا ہاتھ پر ہیں گئے۔ اس احساس کے باوجود میرا خیر تقنا کرتا ہے کہ اس مسیحی سے پہنچنے کے بجائے اسے گواہ کرنا چاہیے۔ مسیحی تو واقعہ میں موجود ہے۔ متاعن کا نام اُس کے سوا کچھ نہیں کہ اپنے احساس کو حقیقی اعدا واقعی مسیحی کے اعدا کے سے مستقل کر لیا جائے۔ دوسروں کی چیز دوستی اور ہمارا جاننا اور دلائلوں پر شکوہ بخیر اعدا اپنی کمزوریوں اور غلطیوں سے نہ صرف غفلت برتا جائے کہ یہ بھلا سستمان کے داخلی ڈھونڈنا بہت خوشگوار چیز ہے جس سے دل خوب ہوتا ہے، مگر اس کی حیثیت ہارنیا کے انکلیشن کی سی ہے۔ یہ ایک پتنگ ہے جس کے نشہ میں مریض سو جاتا ہے۔ گندہ اور دنی خرابیاں وہ نہیں جانتیں جن کے سبب بیرونی آفات کو اس پر تسقط حاصل ہوتا ہے۔ میرے بھائی چاہتے ہیں کہ میں بھی انہیں باسی پنکب کی خریدیں دیا کروں۔ ان کی خواہش ہے کہ میں فیالی جنت میں وہ مسیحی سب سے ہیں، جن کراہوں سے وہ چشمہ آب حیات پانے کی امیدیں باختر سے میٹھیں، اعدا جن غلط فہمیوں کا دل فریب ظلم انہوں نے اپنے گرد باندھا ہے، ان سب چیزوں کو جو کاتوں رہنے والے ہیں۔ بلکہ اگر ہم کے تو خود بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن کے لیے ان چیزوں کا سرا جانا دین اور امت کی سب سے بڑی خدمت بنا جاتا ہے۔ اس خدمت کے فائدہ میں مجھے معلوم ہیں، مگر میں مجبور ہوں کہ مجھے محبوب دشمن کے بچانے بنو من دوست بنانا زیادہ مہربان ہے۔

جاتا ہوں خواب طاقت و زور

پر طبیعت اوجھڑ نہیں آتی

مسلمانوں کا ستارہ، مسلمانوں کی طلاق و ہیود، مسلمانوں کی تنظیم، مسلمانوں کی جمیعت و مرکزیت، مسلمانوں کی ترقی و توسعہ، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ذکر بار بار مذکور

ہوتا ہے۔ میں بھی یہ ذکر کرتا ہوں، وہ یہ بھی کہتا ہے، مگر بھی کرتا ہے، بعد ہر ایک شخص پر اس گروہ میں شامل ہے، اپنی الفاظ سے اپنے حق کے انہماک میں کام لیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم نے عمل کی راہوں میں اختلاف ہے۔ ایک کسی وقت جاتا ہے، اور کسی اور وقت، تیسرا کسی اور وقت۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے، کیا یہ عمل انسانی ہے؟ یا اس کی ترقی کوئی بنیادی سبب ہے جسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی؟

میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان الفاظ مشترک ہیں مگر معنی و مفہوم میں اختلاف ہے۔ ایک ہی غلط ہے، مسلمان، ملین میں اس سے کہ اور مراد ایسا ہے، اور دوسرے اس کا مفہوم کہہ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے معاد، علاج و بہود، تعلیم، حیثیت و مرکزیت، ترقی و خوشحالی اور ہر ایک چیز جو حفظ مسلمان کی سبب سے بولی جاتی ہے، ہمارے درمیان اختلاف المعنی ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی الجھن کے سبب سے غلط فہمیاں پھرتی رہ جاتی ہیں، اور جب لوگ اسے سمجھنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو شکایت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ تم کو مسلمانوں کے معاد اور علاج و بہود اور ترقی و خوشحالی وغیرہ سے ہمدردی نہیں۔ بحیثیت ہی نہ ہی ہے، مرکزیت پیدا ہو رہی ہے، مگر تم اس کی ممانعت کرتے ہو۔ مسلمانوں کی بہتری کے لیے کام کرنا ہے اور تم ان میں دودھ کاٹتا رہے ہو۔ حالانکہ ایک شخص ان الفاظ کا اسطرح میں مخصوص و متعین چیریں پر کرتا ہے دوسرے کے نزدیک ان پر یہ الفاظ منطبق ہی نہیں ہوتے، وہ نہ ظاہر ہے کہ کون کافر ہو گا جس کوئی نصیبہ ظہار مسلمین وغیرہ سے ہوئی ہو۔ آئیے، انداز تحقیق کر کے دیکھیں کہ اس الجھن کی نوعیت کیا ہے۔

محققانہ تحقیق کا فرق ایک ایسی جامع چیز ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ جب ہم کوئی ایسا غلط جانتے ہیں جس میں اعداں اور غموم ہو تو اس کے انتہائی درمستک ہوتی ہے۔ اور جب اسے متفقہ کر دیا جاتا ہے تو اس قہر کا انداز کے نیز اس غلط استعمال کو صحیح نہیں ہوتا۔ خلاصہ ہم، رنگ، بونے میں تو اس کا استعمال ہر رنگ پر ہو گا کوئی چیز خواہ مسیحا ہی میں ترقی کرے، سندھی میں، یا ٹمرخی میں، بہر حال ہم کہیں گے

کہ اس کا رنگ گہرا ہوتا ہے۔ مگر جب رنگ کے ساتھ ہم خیمک قید لگا دیں تو سیاہ، شروع بہزادہ دوسرے رنگ کی پیریں پر ہم اس قند کا اطلاق نہ کر سکیں گے، اسی سیاحی یا سرخی میں ترقی کرنے کو سید رنگ کی ترقی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح مثال کے طور پر قند - قافہ کہیے۔ ہر قافہ جو کسی طرف جاتا ہو اس قند سے موسوم ہو سکتا ہے۔ جس طرف بھی نہ جاتا ہے اس کی پیش قدمی کو قافہ کی پیش قدمی کہا جاسکتا ہے۔ ہر شخص اس کا میر قافہ بن سکتا ہے۔ ہر گاڑی پر وہ سفر کر سکتا ہے۔ ہر قسم کا زو سفر اس کا رام سفر ہو سکتا ہے۔ فرض اصل کے مطلق ہر سنے کی وجہ سے ہر وہ چیز جو اس سے تعلق رکھتی ہو مطلق ہی ہوگی۔ لیکن جب مثلاً عزم پشاد کی قید سے متعید کہے قافہ پشاد کہہ دیا جائے تو عزم عزم باقی رہے گا جو بعض قافہ ہر سنے کی صورت میں تھا۔ قافہ پشاد کا اطلاق صرف اسی قافہ پر ہوگا جو عزم پشاد ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جاتا رہا ہو عزم یا کسی کی طرف ادا کہائے قافہ پشاد وہ اسی طرح ہر وہ چیز جو اس سے تعلق رکھتی ہو پشاد کی قید سے متعید ہو جائے گی۔ مثلاً قافہ پشاد کی پیش قدمی کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ پشاد کی مرکز پر چلے گا۔ اگر وہ کسی دوسری مرکز پر بڑھتا ہو تو اسے قافہ پشاد کی پیش قدمی نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اسے پیش قدمی کے بجائے رجعت کہا جائے گا۔ کیونکہ دوسرے راستہ پر وہ جتنے قدم بھی چلے گا پشاد کی سبب سے وہ ہوتا چلا جائے گا۔ اس کا میر قافہ بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو پشاد کا راستہ جاتا ہو۔ دوسرے راستوں کے علم میں کوئی شخص غراہ کتنا ہی ماہر ہو، اگر وہ پشاد کی راہ سے ناکام تھا ہے تو بہر حال وہ قافہ پشاد کا سرد نہیں بن سکتا۔ اسی پر دوسرے ادا کو بھی تھیں کہیے۔

اب دیکھیے کہ ابھی کس طرح پیش آتی ہے۔ قافہ ہی کی مثال کرے جیسے۔ ایک قافہ نام تو ہے قافہ پشاد۔ مگر آپ یا قافہ کی قید کو غور کر اسے جس قافہ سمجھتے ہیں۔ یا آپ کو پشاد کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ یا آپ کا خیال یہ ہے کہ اس قافہ کے رنگ جب ایک دفعہ قافہ پشاد کے نام سے موسوم ہو چکے ہیں تو اب یہ پشاد کے سوا کسی دوسری چیز پر چاہیں سفر کریں بہر حال انہیں کہا جاسکتا ہے قافہ پشاد ہی۔

بمقام اس کے ہیں قافلہ پیش قدمی کو اس کے اصل معنی میں مینا ہوں اور پتا دہ کی قید کا نظر انداز کرتے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس اصطلاح کا تقبیہ ہر نام ہے کہ اس قافلہ کے بارے میں حسی گفتگو ہوتی ہے۔ میرے اہل سآپ کے درمیان بہت بات پر تصادم واقع ہوتا ہے۔ جب تک بہت بھل نہ ہوتی ہے ہم متفق رہتے ہیں۔ قافلہ کے منتشر مسافروں کو جن کی جگہ انہیں دوسرے قافلوں میں گم نہ ہو سنے دیا جائے۔ ہر جنوں سے ان کی حفاظت کی جائے۔ ان کے لیے ناورداء دیکھا ہے۔ انہیں ایک ہر قافلہ کی ضرورت ہے۔ ان کو نظم و ضبط پر تیز و تندی سے ضرور کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ یہ سب باتیں بہم درجمل حفاظتیں جب تک کی جاتی ہیں، میں اور آپ دونوں اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ مگر جب انہی چیزوں کے معنی کا وقت آتا ہے تو آپ کے اور میرے خیالات میں تعدد و تضاد پیدا جاتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے وہ اس قافلہ کے لوگوں کو جمع کر کے بعض کی طرف جاتا مشورہ کر دیتا ہے۔ دوسرا آتا ہے اور لکھنے کی طرف چل پڑتا ہے۔ تیسرا آتا ہے اور کسی اور طرف کاٹتا ہے۔ آپ ہر میر قافلہ کے جھڑ سے کو دیکھ کر زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں اور چارے ہیں کہ چل پڑا۔ پشاد کی قافلہ وہ نہیں اسی پر اعتراض کرتا ہوں کہ یہ جمیت اور یہ پیش قدمی قافلہ پشاد کی جمیت اور پیش قدمی تو نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ منتشر مسافر جمع تو ہو رہے ہیں اور صرف قافلہ ہی نہیں تو رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صوبہ کچھ بجا اور مست، مگر کس طرح ہو سنے اور صورت قافلہ بن جائے گا نام تو قاطع پشاد و فنا نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ دیکھو، کتنی اچھی، تیز رفتار، شاہکار گاڑی ہے جس پر یہ قافلہ جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ کی بیان کردہ صفات سے انکار نہیں، مگر یہ گاڑی جا کہ مر رہی ہے، اگر اس کا ٹیلا پشاد کی طرف نہیں ہے تو قافلہ پشاد کے لیے مفید نہیں۔ اس صورت میں اس کی تیز رفتاری اور زیادہ خطرناک ہے۔ کیونکہ وہ روز قافلہ کو، اس کی ضرورت سے گزرے جاتی رہے گی۔ آپ کہتے ہیں کہ صاحب ہاں سندھ بننے اور گاڑی چلنے تو وہ، چرپاں کی سرک بھی سے ہی میں گئے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جب تک عزم پشاد غوی ہے اور دوسرے راستوں پر آپ لاہور ہیں، اس

وقت تک کے لیے نام تبدیل فرمائیے۔ مجھے آپ کی گاڑی پہننے پر اعتراض نہیں بلکہ اس پر  
 ہے کہ آپ چھین تو بہت ہی بامعنی یا نکلنے کی طرف اور نام آپ کا قافلہ پشاور ہی مجھے آپ  
 کہتے ہیں کہ حضرت پشاور کی مشرک تو بڑی دشوار گزار ہے اس وقت ہمارا قافلہ کمال ہے  
 ہذا امر درست تو قافلہ پشاور کو دوسرے آسمان راستوں ہی پر چلنے دو۔ میں گزارش کرتا  
 ہوں کہ میں نے آپ کو دشوار گزار راستے کی طرف گھسیٹنے پر ہر اور کب کیا تھا؟ میرا مقصد  
 تو صرف یہ ہے کہ قافلہ پشاور کا پناہ کے سوا دوسری سمت میں چلنا اور میرا قافلہ پشاور  
 ہی رہنا مشکل بعض بات ہے۔ آپ ہی تائنٹس کو مدد فرمائیے۔

اس تمام بحث میں بتاتے نزاع صرف یہ ہے کہ آپ عقیدہ کو مطلق بتاتے ہیں اور  
 اس کے تمام تصدیقات کو تہ سے آدھا کیے دیتے ہیں۔ اور میں عقیدہ کو عقیدہ ہی سمجھ  
 کر بات کرتا ہوں۔ اگر آپ اپنے ذہنی کو صاف کریں اور یہ باقی سمجھ لیں کہ مطلق قافلہ  
 وہ قافلہ پشاور میں کیا فرق ہے تو کوئی الجھن پیش نہیں آسکتی۔ لیکن آپ سیدھی  
 سمجھ کر بات اختیار کر سنے کے بجائے گفتگو کا شیخ کچھ دوسری ہی باتوں کی طرف پھر  
 دیتے ہیں۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ تم قافلہ کھانا جتنا اور اس کی مسلمہ اور اس کی  
 پیش قدمی کے خالص ہو۔ حالانکہ نفسی اجتماع و تنہیم اور پیش قدمی سے کس کا فرق نہ کیا گیا تھا  
 کبھی آپ سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ قافلہ پشاور نہیں تو اسے اور کس نام سے یاد کیا جاتے؟  
 حالانکہ اس کا نام تجویز کر کے کی ضرورت ہی مجھ پر نہیں ہے۔ میری بات تو صاف ہے۔ اگر  
 یہ پشاور کی مشرک پر ہے تو قافلہ پشاور ہے۔ اور اگر اس پر نہیں ہے تو اسے جہے  
 جہاں چاہے تجویز کر کے، ہر حال اس پر قافلہ پشاور کا نام ماحست نہیں آتا۔ آپ چاہیں  
 تو اس پر پرمٹ کر لیجیے کہ جس مشرک پر یہ جہاں ہے، وہ پشاور کی مشرک ہے یا نہیں۔  
 مگر یہ اصول آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو اس مشرک پر نہ ہو وہ قافلہ پشاور نہیں ہے۔  
 میرا یہ سہمہمدی کا سوال چھوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ سہمدی اور سہمدی کا یہاں کوئی  
 سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو واقعہ اور حقیقت کا سوال ہے۔ خدا اس یا نکلنے کی طرف  
 جہے وہوں کو عرضیں حالانکہ پشاور کس طرح کہوں؟ جانتے بوجھتے ایک غلط واقعہ



ہمسہ اور کرنا مختصر ہمدردی کی کون سی قسم ہے ہاں سے نزدیک تو ہمدردی کی  
 صمد مستعد ہی ہے کہ صاحب صاحب لوگوں کو بتا دیا جائے کہ یہ پشاور کی مشرک ہے  
 اندر دوسری ملک میں غلوں غلوں سمیت کو جاتی ہیں۔ جو لوگ فی الواقع پشاور جانا چاہتے  
 ہیں مگر دستہ سے ناواقف ہونے کے باعث دوسرے راستوں پر جھلک رہے  
 ہیں یا جھلکاتے جا رہے ہیں وہ میرا دستہ معلوم کر لیں گے۔ اور جو حقیقت میں جانا  
 ہی دوسری طرف چاہتے ہیں میں نہ تو ان کو دستہ روک چاہتا ہوں، خان صاحب  
 کوئی دشمنی ہے کہ انسانیت کے خلاف ان کے ساتھ کوئی بے دہی کروں۔  
 میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ بعد ہر جانا چاہتے ہیں مجھ کو مجھ کے ہمسے شہد کے ساتھ  
 جائیں، اہم جیب جائیں تو غلط نام کے ساتھ سفر نہ کریں۔

مسلمانوں کے معاملہ میں جو بعض پیشین آ رہی ہے اس کی نوعیت بعینہ وہی  
 ہے جو اوپر کی مثال میں بیان کی گئی ہے۔ مسلمان کا خط اسلام سے ماخوذ ہے اور  
 اسلام ایک طریق فکر، ایک مقصد زندگی، ایک سیرت و کردار اور ایک سربراہی  
 کا نام ہے۔ اس کا نام سے مسلمان کے معنی بعض آدمی کے نہیں ہیں بلکہ اس آدمی کے  
 ہیں جو زندگی کے تمام معاملات میں وہ خاص سیرت و کردار، وہ خاص مقصد حیات، وہ  
 خاص اخلاق و اطوار اور وہ خاص طرز عمل رکھتا ہو جس کا نام اسلام ہے۔ فقہاء مسلمان  
 کے یہ عقیدہ است کو اگر صاحب صاحب مجھ لیا جائے تو مسلمانوں کی طرز و ہیئت اور  
 کامداد ان کی تنظیم، ان کی قیادت و اہدیت، عرض ان سے تعلق رکھنے والی ہر  
 چیز کا منہم معیشہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر بنی قیادت سے تعلق نظر کر کے مسلمان کے  
 لفظ کو مطلقاً ایک گروہ انسانی کے معنی میں لے لیا جائے تو پھر ہر شخص کو آزاد دی ہو  
 گی کہ جس چیز کو چاہے مسلمانوں کا مفاد کہہ دے، جس چیز کو چاہے ان کی فلاح و بہبود  
 قرار دے، جس چیز کی تعلیم کو چاہے ان کی تعلیم سمجھے، اور جو شخص بھی جانتی گئے  
 کہ ان کے لیے کجاست، رکھے داد و کھائی دے اسے مسلمانوں کا خاندان مت درمیر طرح سے  
 پر آنا دے جو جائے۔

درستی سے یہاں کچھ ایسی ہی صورت حال مد پیش ہے۔ "اسلام" کی قید سے  
 قطع نظر کہ کئی اوراق "مسلمانوں" کو معنی ایک گروہ، اثنی عشریہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی  
 کا نتیجہ ہے کہ جمعیہ عیسائی چیزوں پر مسلمانوں کے مفاد، ان کی طرح دیکھتے ہیں،  
 ان کی تعلیم و جمعیت، ان کی قیادت و امارت وغیرہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہنے  
 والے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا معاویہ کسی میں سب سے کہیں جینکس اور انشورہ میں اور اسی  
 قبیل کی دوسری چیزوں سے استفادہ کریں۔ حالانکہ مسلمان کا لفظ اگر کوئی معنی رکھتا  
 ہے تو اس کی رو سے مسلمان نامزد ہیں اس پر کہ اس پر سے نظام، یا یہ کہ کوئی  
 ڈالیں جو اس وقت دنیا میں قائم ہے۔ اور اپنے اصول پر ایک نیا نظام بنائیں پھر  
 یہ ابجہ ہونے والی بات نہیں تو در کیا ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے جس نظام  
 کے ساتھ آپ کی اصول و امارت ہے اسی میں آپ اپنا مفاد سمجھیں اور پھر اس کا  
 نام و معاویہ کا مفاد رکھیں، اسی طرح کس کواری حاکمات اور شریعت ساز ہمارے  
 کی نشستوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو مسلمانوں کے مفاد سے تعبیر کیا جاتا  
 ہے۔ حالانکہ مسلمان کے لفظ کو اگر اسلام کی قید سے قطع کر کے بیا جائے تو یہ سب  
 چیزیں مسلمانوں کے مفاد کی ضد ہیں۔ مسلمانوں کے مفاد کی حیثیت سے تو آپ کا نام اس  
 نظام طرانی کہہ کر ڈالنا ہے جسے چاہنے کو آپ اپنا مفاد سمجھتے ہیں۔ اسی طرح  
 وہ نظام تعلیم جو انگریزوں نے یہاں قائم کیا ہے اس کے تحت اپنی منلوں کا ذہن  
 تیار کرنا آپ کے نزدیک مسلمان کی فطرت و ہیبت اور ترقی کا ذریعہ ہے اور اس  
 نظام کے تحت آپ خود اپنے خیر سے درس لے رہے ہیں یا کہ ان کے نام اسلامیہ  
 اسکول اور اسلامیہ کالج، وہ مسلم و غیر مسلم رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود ان نظام تعلیم  
 انسانیّت کی تشکیل کے لیے نئے پرکھنا ہے جو اسلامی نقطے کے عین برعکس ہے۔  
 ایسا ہی خود تصور آپ کے ذہن میں مسلمانوں کی جمعیت، مسلمانوں کی تعلیم اور  
 مسلمانوں کی قیادت کا بھی ہے۔ اگر آپ کو معلوم ہو کہ اسلام کس قسم کا نام ہے  
 اس کا مقصد کیا ہے، اس کے اصول کیا ہیں، اور وہ کیا طریقہ عمل پاتا ہے، تو آپ

بڑی آسانی کے ساتھ بر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان سیاسی جمیٹوں اور تنظیموں اور ان  
 قاعدوں اور میسجروں کی یہ کج حیثیت کیا ہے جو اسلام کے نام سے اس وقت  
 کام کر رہے ہیں۔ اسلام کی دوسرے مسلمانوں کی جمیعت صرف وہ ہو سکتی ہے جو  
 غیر اپنی حکومت کو مٹا کر اپنی حکومت قائم کرنے اور قانون خداوندی کو حکمران  
 کرنے کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ جو جماعت ایسا نہیں کرتی بلکہ غیر اپنی نظام  
 کے اندر مسلمان "نای ایک قوم کے دنیوی مفاد کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔"  
 ذوالسودہی جماعت ہے، اور نہ اسے مسلمانوں کی جماعت ہی کہنا درست  
 ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی تنظیم صرف وہی ہو سکتی ہے جو فاضل اسلامی اصول  
 اجتماع پر قائم ہو اور جس کا مقصد اسلامی ہو۔ ورنہ جو تنظیم فاشستی اصولوں پر گھمبائے  
 وہ جس کا مقصد محض اپنی قوم کا فلبہ و تلک ہو اسے محض اس بنا پر مسلمانوں کی تنظیم  
 نہیں کہا جاسکتا کہ وہ موم شاری کے مسلمانوں کو منظم کرتی ہے اور ان کے اختلاف  
 فی الافاضل کے لیے کوشاں ہے۔ بلکہ القیاس مسلمانوں کے رہنا محض صرف  
 وہی ہوگے ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے اسلامی مقصد ایک کے مقصد، اصول اور  
 طریق کار کو جانتے ہوں اور اہل تقویٰ و دیانت ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو  
 سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں، یا ناقص علم کی بنا پر اسلام اور جاہلیت  
 کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ و دیانت کی کم سے کم ضروری شرائط سے  
 بھی جاری ہوں، تو ایسے لوگوں کو محض اس لیے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا  
 کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرز تنظیم کے استاوفن ہیں، اور اپنی  
 قوم کے عشق میں دوسرے ہر شے ہیں، سراسر اسلام سے جماعت اور غیر اسلامی  
 ذہنیت ہے۔

باقی جب مسلمانوں سے صحت صحت کہی جاتی ہیں تو وہ اس پر بھی برہمیں ہوتے  
 ہیں اور شکایت کے علم بانہ دیتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت اس معاملہ میں غیبت کی بنا نہ کھلی  
 لا کوئی موقع نہیں ہے۔ لوگوں کو غصہ سے دل سے سرچھ کر فیصلہ نہ بچا جائے کہ اسلام

کسی سے اس کے احوال پر کام نہ چاہتے ہیں۔ اپنے لیے اپنے احوال پر۔ اگر پہلی بات ہے تو انہیں یہی طریقہ ہر اس چیز کو ترک کرنا چاہیے جو غیر اسلامی ہے۔ اور اگر دوسری بات ہے تو جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں شوق سے کریں، ہم ان کا راستہ روکنے نہیں آتے۔ ہمارا مطالبہ ان سے صرف یہ ہے کہ وہ اسلام اور مسلمان کے نام کو غلط طریقے پر استعمال نہ کرنا چھوڑ دیں۔

ترجمان القرآن - دسمبر ۱۹۶۹ء

درکست کو دیکھتے ہوئے وہ بھی کہیں گے کہ اچھی تنقید کا وقت نہیں ہے، اور یہ ہے کہ خود کبھی دہتا سکیں گے کہ کون سا وقت تنقید کے لیے موزوں ہے۔

یہی جی کی نظر کیا ہونا چاہیئے؟ پر ہوتی ہے وہ چونکہ محلات کو ایک سہ سہری نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے وہ اسی وقت کو تنقید کے لیے موزوں سمجھتے ہیں جو اہل حال و فکر کے نزدیک محنت و غم و زور و ہمت کا زمانہ ہے۔ انہیں اپنا کام پرستانہ اور چمک چمک اور فریادوں، جگہ جگہوں کے درمیان کرنا پڑتا ہے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو اصوات و ترقی بالکل پر جانتے۔ ظاہر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے خوب ہو رہا ہے، کیونکہ یہی زندگی کا عام لوگوں پر مشتمل ہے جو ہر گز کے بعد کسی اصطلاح کی ضرورت محسوس نہیں ہو سکتی۔ غامض کا احساس تو پیدا ہی نہ ہو گا، نہیں فکد کرنے کی طرف توجہ ہو، یا اگر غم و اندھاں اس اُبھرا جی تو حال کے شدید آئی اسے دہانے کے لیے جیسوں قسم کی تاویلیں کریں گے، تاکہ ان غامضوں کو ناگزیر ثابت کریں اور بس چلے تو ویوں میں تبدیل کر دکھائیں۔

”کیا ہونا چاہیئے؟“ کے نقطہ نظر سے جو تنقید کی جاتی ہے اس کا نتیجہ کسی نہ نہیں ہوتا کہ حال میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بالکل بد ہو جاتا ہے، اور اس وقت تک جو بد تعلق کی حالت ملے رہے جب تک کہ وہ مثال (idea) حالت و زمانہ ہو جائے جسے مقصود و قرضہ سے کرنا بد تنقید کرتا ہے۔ ایسا نہ کہی جاتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے نظری طور پر تنقید کا اثر ہمیشہ بد ہیگ ہوا کرتا ہے۔ اول اول تو اسے محنت دہی اور ناگوری کے ساتھ دیکھا جاتا ہے، کیونکہ عام طبیعتیں نقد سے غریب اور بنیاد سے نفور ہوتی ہیں پھر ایک نقد شہادت کا گزرتا ہے جس میں صداقت اور نیک بینی کے سوا ہر شے چیز نقد کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر فی الواقع تنقید میں کوئی جمل ہوتا ہے اور وہ حقیقت صحت و وقت نظام میں وہ غامض ہائی جاتی ہیں جی کی نشان دہی تنقید میں کی گئی ہے، اور سننے والوں کا ضمیر جی درست فازی کے ساتھ ایسی معیار کو حق تسلیم کرتا ہے جسے یہ نظر نہ کہہ سکتے تنقید کی ہے، تب کہیں آہستہ آہستہ لگ اصطلاح کی ضرورت محسوس کی ضرورت کرتے ہیں، اور جوں جوں اصطلاح کے حق میں راستے عام

تیار ہوتی جاتی ہے، دلت کی تیار دلت پر ہاتھ بڑھتا چاہتا ہے مٹی کو یا تو پیچھے کاٹوں  
 کو اپنی پامیس پر مٹی پڑتی ہے، یا ہر تیرے پذیر عاصمت کے آتش سے ایک نئی تیار دلت  
 (Leadership) محاذ بخود نشوونما کر ملے جاتی ہے۔ اس عمل کے اندر میں کبھی تاریخی  
 کی بنیاد میں خود شکست پیدا نہیں ہوتا کہ مشکل کردہ حالت پیش آئے جس کی کیا مکمل تحریر  
 کبھی کبھی کرتے، بل اصل محرمات معراج و ترقی کی ہر گز شکست کو ختم مانگی ثابت کیا کرتے ہیں۔  
 کسی حالت کو مثال یا اینڈیل قرار دے کر اس کے خلاف سے عمل پر تنقید کرنے کا سبب  
 یہ ہیں ہوتا کہ ہم موجودہ حالت سے دماغ چھوٹ گیا کہ اس مثال حالت میں پہنچ جانا  
 چاہتے ہیں۔ کوئی صاحب عقل آدمی ظاہر ہے کہ ایسے ہر ایک تیز کار کا تصور ہی نہیں کر سکتا،  
 کیونکہ تیز ہر حال تیز نہ ہوا ہی رہے گا۔ مگر کسی صاحب عقل آدمی سے شاید یہ توقع ہی نہیں کی جا  
 سکتی کہ وہ جس حالت کو مثال حالت قرار دیتا ہو اس کے بالکل برعکس حالت کی طرف جانے  
 پر کسی درجہ میں ہی غلطی ہو جائے۔ وہ اگر آدمی استغناء میں سے ہے تو اس میں کم از کم اس  
 بات کی طلب بھرپور ہونی چاہیے کہ مخالف کی مختار اس منزل کی سمت میں ہو جے وہ  
 مقصود قرار دے رہا ہے، خواہ وہ ابتداء چند قدم ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً اگر میرا حال یہ ہے کہ  
 مسلمانوں کے لیے یہ مخالفت مسند کے طرز کی قیادت، سیاست اور زندگی مثال کی  
 حیثیت رکھتی ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب جو مسلمانوں کا بیڑہ ہو، وہ مخالف  
 اعظم سے کہ نہ ہو اور اس کے حاسنی سبب کے سبب علی مرتضیٰ دہلوی جیہ وہی بالکل  
 اور عبد الرحمن بن عوف کے شیل ہوں۔ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہ ہو چاہیے کہ میری  
 آخری منزل مقصود تو وہ وہ مقام جس پر میں ہرگز نہ تھے اور اس منزل کی طرف جانے کے لیے  
 میرے دیر و درہنا ہوں وہ لوگ جو اس راہ سے واقف ہیں، ان اس کی طرف جانے کا ارادہ  
 رکھتے ہیں، بلکہ اس کے عین مخالف سمجھ میں جا رہے ہیں۔

غرض کیجیے کہ میں سطر میں سے دس ہزار فیٹ کی بلندی پر جانا چاہتا ہوں تو ہر حال  
 میں وہی ذریعہ تلاش کروں گا جو مجھے اوپر کی طرف لے جاسکتا ہو، خواہ ابتداء وہ مجھے دس  
 فیٹ سے زیادہ نہ اٹھائے۔ ایسا اندیشہ مجھے نہ رہے گا تو میں سطر میں ہی پر قیام کرتا ہوں



ہو۔۔۔ گھبرائے اس کا نام عن کر چیں، پر چیں، ہر جیسے، اس کو پا مال ہوتے دیکھو کہ  
 آفرین دہر جا کے نعرے جتنے کہو، اس کی حاجت کرنے واسے کام نہ پھنکے پھنڈے  
 اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ جیسے کہ آئینہ دل تو میرا رہی ہے۔ یہ آئینہ دل کی ایک بائیل ہی نکال  
 قسم دیا منت ہوئی ہے جس سے ہم سب تک مشتاق تھے، ہمیں تو یہی معلوم تھا کہ  
 آئینہ دل انسان کی محبوب ترین چیز ہوتی ہے۔ اس کا نام سنی کردہ دل میں حراست پیدا  
 ہونے لگتی ہے۔ اگر آدمی اس تک پہنچنے سے عاجز ہوتا ہے تو رنجیدہ اور غمگین ہوتا  
 ہے۔ اگر کسی مجبور کی سے اس کے طاعت چلتا ہے تو شرمندہ ہوتا ہے۔ اور اگر کہیں  
 اس غلطی پر لٹے لڑکے دیا جاتا ہے تو اس کی نگاہ شرم کے مارے اٹھ نہیں سکتی۔ مگر  
 اب ہمارا معاملہ اس نئی قسم کے آئینہ دل سے ہوتا ہے، جو ہے تو آئینہ دل ہی، لیکن اس کا نام  
 یہی ہے تو پھر سے بگڑنے لگتی ہیں، اس کی طرف چلنے کے لیے کیے تو شریف غضب سے  
 تیریاں چڑھ جاتی ہیں، اس کے غصے چلنے پر ٹوکیے تو سسر منگی کے بھستے کمال  
 دیر و میری وجہات کے ساتھ تا دیش کی ہاتی ہیں، اس کی حمایت کرنے والے سے  
 بڑھ کر نگاہ میں بیوقوف کوئی نہیں ہوتا، اس سے پا مال کرنے والوں سے بڑھ کر محبوب  
 کوئی نہیں ہوتا۔۔۔ کیا عجیب ہے یہ آئینہ دل اور کتنے عجیب ہیں اس کے  
 پرستار:

طرزِ نشاء ہے کہ کاکل میں اداس کے نشیمنم کی مخالفت میں تو اسام اور بھی  
 تہذیب کا ہم یا جاتا ہے، اور انہی نعروں کو نعرۂ جنگ جا کر مسلمانوں کو اجتماع کی دعوت  
 دی جاتی ہے مگر جہاں یہ اسام اداس کی تہذیب کا مختلف گرسٹے والے جمع ہوتے  
 ہیں وہاں اسی اسام کے قرآنی خطبہ توڑے جاتے ہیں، اسی تہذیب کو بڑا کیجاتا  
 ہے، اور ایسا جس سے ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی صدی جنگ صوفیاس سے ہے کہ  
 دوسروں کے دھتورں اس تہذیب کو جتنا کہہ رہے ہائے بکریہ ملدے ہئے دھتورں سے  
 اس کو حل کریں۔

وہاں مسلمان، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شیخ انجمنی بنی نظر آتی ہے



جس طرح کوئی تہذیبی چیز کوئی عجم صابر ہو سکتی ہیں۔ وہاں عین نماز کے وقت چلے جاتے  
 سمجھتے ہیں اور اگر باطنی سزا سزا سے متحرک بھی جلتے ہیں تو پیشروں سے بے کر  
 پیروں تک خداوند اور ہی کوئی نماز کے لیے اٹھتا ہے۔ وہاں ہا سوں میں نشستہ  
 برعکس میں، اور عورتوں اور بچوں میں اسلامی تہذیب لاکھیں نام و نشان تک  
 نظر نہیں آتا اور ایک مسلول مسلمان ابن حامیان اسام اور غلط تہذیب اسلامی کی  
 صحبت میں چپ کر اپنے آپ کو، عوامی اجنبی مسوس کرتا ہے جتنا ہندوؤں اور پارسیوں  
 کی کسی عقل میں کر سکتا ہے۔ وہاں کے باحالت آپ گھنوں ٹھنڈے ہیں مگر مجبور سے  
 بھی کہیں قرآن و حدیث کا ذکر نہیں آئے گا، کسی مسئلے کا حل دیا نکتہ کرنے کے لیے  
 اللہ احساس کے رسوں کی طرف رجوع نہ کیا جائے گا، بلکہ قرآن و حدیث کا نقطہ نظریہ  
 طور پر ان کے سامنے رکھ دیا جائے تب ہی بتکلف اس کے فوائد طرز عمل اختیار کیا  
 جاتے گا۔ ان کی کیٹیں اعدائے ان کے جنسوں میں آپ مسلمان کہہ کر کہیں اس حیثیت سے  
 نہیں گئے کہ اس کا کوئی حتمی نصب نہیں بھی ہے، وہ دیا میں کوئی اخلاقی منصب  
 بھی نہ کہتا ہے، اور کوئی اپنی مشن بھی اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ ان باتوں کے سہارے  
 وہاں صدی گھنہ صرف اس حیثیت سے ہوگی کہ مسلمان کے نام سے جو ایک جھوٹا  
 افراد پایا جاتا ہے اس کو دینی انتظامات سے کس طرح سہایا جائے اور دینی حق نہ  
 سے کس طرح متفق کیا جائے۔ پروردگار جو اس خاک کے مرنیوں میں ان کھان کیا  
 ہے؟ ان میں سے اکثر کے گھروں میں آپ جانیے تو آپ کو نماز کے وقت کوئی یہ  
 بتانے والا نہ ہے گا کہ سب قبلہ کو مسدود ہے، اور اسباب عیش و عشرت سے جبری  
 ہوئی کو شیعہ میں سے ایک ہا نماز بھی فراہم نہ ہو سکے گی۔ سارے یٹھوں کو جاکر  
 اسام کے بنیادی اعدائے مسائل کے متعلق احسان بھیجے تو شاید کوئی صاحب دلیہ کا  
 سے زیادہ غبر نہ لے سکیں گے، اللہ اعلم۔

کیا وہ پھر جھکا کر اس اعدائے ان کی تقریب و نصیحت سے بچانے کا دعویٰ کیا جاتا ہے  
 یہی ہے، اللہ ہی اس کے سخت اعدائے اس کے ڈھنگ میں، اور انہی طریقوں سے

ایسے ہی رہنماؤں کی قیادت میں اُس حکومت الٰہیہ تک پہنچ جائے گا جسے منتہائے نظر اور نصب العین قرار دیا جاتا ہے۔ ————— یہ سوال اتنا خطرناک ہے کہ اسے زبان پر لانا اپنی شامت کو خود دعوت دینا ہے۔ آپ کی زبان سے اسلام اور اس کی تہذیب کا ذکر سننے ہی ہر طرف سے شدید برپا ہو گا کہ یہ کیا صدا ہے جس نے ہم جہنم کرنی شروع کر دی؟ آخر اس ذکر کا یہ کون سا موقع تھا؟ دیکھتے نہیں کہ ابھی ہم تہذیب کی مخالفت کے لیے جمع ہو رہے ہیں۔ جلا جلیج ہر سنے کے دوران میں بھی کہیں اُس کا تحفظ کیا جاتا ہو گا؟

یہ مسئلہ کی اور گہم نائی و خوفزدہی ہے جسے دیکھ کر غیروں کو بہکنے کا موقع ملتا ہے۔ کہ اصل سوال بعض معاشی بدسیاسی ہے اور تہذیب و مذہب کو معنی عام مسلمانوں کے جذبات برائے غیرت کرنے کے لیے بہانہ بنایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حوالت کو دیکھ کر کوئی بکے گا کہ اپنے دیی اور پھر کی حیثیت میں داخل آپ شخص ہیں یا نہیں؟ کچھ کہہ دل میں درد ہے، مگر بات حق سے ہر بار پیٹ ہی کو دھیسے جاتی ہے تو دیکھنے والا یہی خیال کرے گا کہ مذہب کے پیٹ میں ہے نہ کہ دل میں۔ ایسی ہی باتوں سے ایک قوم کی ہوا اکھڑتی ہے اور دوسری قوموں کے دل احساس کا رعب اٹھ جاتا ہے۔

تقریر و انتشار اور بے نظمی کے ترغیب خانی دیکھ کر مسلمانوں میں اجتماع و تنظیم اور مرکزیت کی ضرورت کا احساس تو پیدا ہوا، مگر افسوس کہ عقل و فہم کی کمی نے اس مفید احساس کو بھی غلط فہم سستہ پر دنگ دیا۔ عام طور پر لوگ اب اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتے رہا ہے ہیں کہ اجتماع اور تنظیم اور مرکزیت بھائے خود رحمت ہیں، لہذا جو مرکز ملے اسے اس شخص کے گرد جمع ہو جاؤ اور سب مل کر چلو، افشاء اللہ کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جاؤ گے۔ گویا جس طرح کسی یہ غلط فہم پیدا ہوا تھا کہ "آرٹ معنی آرٹ کی خاطر" اور ادب معنی ادب کے لیے "اسی طرح اب یہ ایک نیا غلط فہم پیدا ہو رہا ہے کہ "اجتماع پسند اجتماع کا خطرہ" اور تنظیم معنی تنظیم کا "اور مرکزیت صرف مرکزیت کے لیے"۔ لہذا ان چیزوں کے مفید ہونے کا تمام تر انحصار اجتماع کی روح اور تنظیم کے اصولوں اور مرکزیت

زمیت پر ہے۔ کسی غلط مرکز کے گرد بے مقصد چل رہا ہو یا، یا غلط مقصد کے لیے جمع ہوتا ہو، نئے عید ہونے کے آن سفر ہو جانا ہے۔

مسلمانوں کو لب اچھی طرح سمجھا دینا کہ سب سے پہلے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ انہی کا علیٰ نظر کیا ہے اور وہ کس غرض کے لیے اجتماع اللہ تنظیم چاہتے ہیں۔

اگر آپ اہل مسلمانوں میں، ایک ایسی مسلم جماعت کی تنظیم چاہتے ہیں جو اسلام اور اس کی تہذیب کا تحفظ کر سکتی ہو اور اس کا غرض اس کی حکومت کی منزل تک پہنچ سکتی ہو، تو آپ کو جان لینا چاہیے کہ جو صورت تنظیم اس وقت میں رہی ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اس تنظیم میں جو لوگ سب سے آگے کی صفت میں نظر آتے ہیں اس کی جماعت میں ان کا صحیح مقام سب سے پیچھے کی صفت ہے، بلکہ بعض تو وہاں ہی برعکس ہی جگہ پا گئے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو پیشوا بنانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے دیل کے صوبے سے پیچھے ڈاکو انہی کی جگہ لگا دینا۔ جس پر معافی نہ آپ جانا چاہتے ہیں، یہ نام نہاد انہی آپ کی گاڑی کو اس کی طرف ایک سانچ بھی لے کر نہیں جاسکتا، البتہ گاڑی اپنے فتنے سے آپ شیب کی طرف ٹوٹ گئے گی اور آپ لوگ کہ وقت تک اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ مثلاً مثلاً جانا، انہی اسے خوب اڑاتے ہیے جا رہا ہے۔ اس حقیقت کو جتنے جلدی سمجھ لیا جیتے تا جی بہتر ہے، کیونکہ ہر لوگ جو کہتا ہے وہ آپ کو اوپر کے بہتے پیچھے کی طرف لے جا رہا ہے۔ جو لوگ آپ کی تہذیب کو جانتے ہی نہیں وہ اس کا تحفظ کیا کریں گے، جو اس سے غور پر مریمت است میں کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ ان کے ہاتھوں سے اس کا اہم اور اتنا ہونے کے لئے وہ اپنی زبان سے پھر پھر پھر پکارتے ہیں، لیکن اگر حقیقت میں اگر یہ لوگوں کے دل میں اٹھتا رہتا تو یقیناً ان کی زندگیاں بدل گئی ہوتیں، ان کی ذہنیاتیں بدل گئی ہوتیں، اور ان کا سہہ نہ ٹکرا جاتا ہوتا۔ علامت اُن کی زندگیوں میں آ پیدا ہے، اس پر اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ اس گروہ میں حقیقی اسلامی جذبہ ہرگز مشتعل نہیں ہو رہا ہے۔

اور اگر اسلامی صوبہ میں آپ کے سامنے نہیں ہے بلکہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک

قوم کی حیثیت سے آپ اپنی انفرادیت کا تحفظ چاہتے ہیں۔ ادا ہے اللہ شیش غلام کی شمع پیدا کر کے دوسری قوموں کے ساتھ کہیاب شہادت کا آپ کا غری علی نظر ہے توجہ آپ کو اپنے پیشواؤں میں اسوہ کا رنگ دیکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ سے کسی بحث کی ضرورت بھی نہیں۔ آپ کو راستہ جہاں ہے اور میرا راستہ جہاں۔ ہمیشہ وہی صدف ہر کہوں گا جو اس سے پہلے ہی کہ چکا ہوں کہ اپنی اس قوم پرستانہ تحریک کے لیے آپ کو اسوہ کا ہم احتمال کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اسلام ہر قسم کی قوم پرستی کا دشمن ہے خواہ وہ ہندوستانی قوم پرستی ہو یا ہم ہندو مسلم قوم پرستی۔

بعض حضرات اس قسم کے غیر اسلامی اجتماع اور مرکزیت کے حق میں قرآن و حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ گویا یہی وہ جماعت ہے جس کا التزام کا علم و الگ ہے اور جس سے الگ ہونے یا الگ ہونے پر جہنم کی شدید سزا لگتی ہے۔ لیکن میں یہ مان ہوں کہ ایسے ماواہیت کا کٹر مخالف ہے یا خداوندی کے مقابل میں جہالت۔ قرآن تراشیں سہولت میں کھڑے ہونے کی اجازت نہیں دیتا جس کی جیلو تفریق پر نہ ہو۔ اور یہاں تفریق کا نام لینے والے غلطی سے جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ خدا کی قسم کہ مضر و غار۔ اور یہیں کہا ہوا ہے کہ بس لوگوں کا مشق ہو کہ کسی شی کو قائم دینا ہی ذریعہ نجات ہے قطع نظر اس سے کہ وہ خدا کی نکتی ہو یا نہ ہو۔ قرآن صاف کہتا ہے کہ۔

إِنَّمَا قَرَّبَكُمْ شَرُّكُمْ فَلَمَّا وَلَّيْتُمْ مُسُوفًا فَتَبَا  
يُؤْمِنُونَ الْعَصَا وَ يُؤْمِنُونَ الْكَرْبُ وَ هُمْ زَاكِرُونَ

(المائدہ - آیت ۵۵)

• مسلمان تباہی سے جتنی دیر امتداد ملے اس قدر امتداد ملے خدا کی قسم کہ وہ لوگ ہیں جو ایمان دے گئے ہیں، جو ناقص کرتے ہیں اللہ کو ذمہ دے ہیں اللہ خدا کے آگے جھک دے ہیں۔  
یہاں تک کہ کہتا ہے کہ۔

فَإِنْ كَانُوا لَا يَتْلُوا الْكِتَابَ وَلَا يَتْلُوا الْكِتَابَ وَلَا يَتْلُوا الْكِتَابَ



نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ سواہ اعظم کا ساتھ دو۔ لہذا مسلمانوں کی اکثریت  
 جس سیاسی پارٹی کی حامی اور جس قیادت کی مشق ہے اس کے ساتھ بنام خود ہی ہے۔ یہی  
 یہ اس وقت جو نبوی کی سرسرفرازی تعبیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سواہ اعظم کے ساتھ  
 رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد حاصل ان مسلمانوں کی اکثریت ہے جس کے اندر اسلامی  
 شعور موجود ہو۔ جو حق اللہ باطل کی تمیز رکھتے ہوں اور جن کو اسلام کی ترویج اور اس کے خلاف  
 اصول سے کم از کم اتنی واقفیت ضرور ہو کہ اسلام اور غیر اسلام میں فرق کر سکتے ہوں۔ ایسے  
 مسلمانوں کی اکثریت کبھی باطل پر منتج نہیں ہو سکتی۔ اور اگر وہ کبھی کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو  
 جی جائے تو اس پر مذہب و دین تک جی نہیں رہ سکتی۔ اسی بنا پر حضور نے سواہ اعظم کا ساتھ  
 دینے کی تاکید فرمائی۔ مگر جو لوگ بنام خودی منہاف سے جاری ہوں اور جن میں گمراہی اور  
 گمراہی کی باطل ہدایتی پر کبھی نہ ہوا ان کے لئے ہرگز سواہ اعظم نہیں ہے۔ خدایا  
 کی حماقت اسلامی شعور کے اعتبار سے "جامفت" ہے، وہ ان کی "ارت اسلامی اصطلاح  
 کی رُوسے" "الافت" ہے، وہ ان کی اس امارت کو کسی حیثیت سے بھی مع و طاقت کا  
 حق چہتا ہے۔ "حق لفظ" "مسلمان" سے دھوکا کھا کر جو لوگ جاہلیت کی پیروی کرنے و دوسرے  
 کی تسلیم کو تسلیم سمجھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس وجہیت کی کوئی تنظیم خالص اسلامی نقطہ نظر  
 سے مفید ثابت ہوگی ان کی گمراہی، تم کی مستحق ہے۔

(ترجمان القرآن - جمادی - ۱۹۶۰ء)

## اسلام کی دعوت اور مسلمان کا نصب العین

جب کسی شخص پر بددعا لکھی، یا بے ایمان اور کفران کے وعدے پڑ گئے ہوں اور وہ ایمانی دفتروں میں بھی وہ ہر وقت کسی دیکھی شخص سے بے عیب رہتا ہو تو اس کی حالت کو دیکھ کر عقل مند لوگ کیا فیصلہ اخذ کرتے ہیں وہ اسے معنی آؤ پری عقل کا اقرار دیتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ خود اس کے اپنے نظام جہانی کے اندر کوئی خرابی موجود ہے؟ وہ تشکیک کا علاج ڈالنا شروع کرتے ہیں، ایمان کا علاج مندرجہ کرنے سے اور بیمار کا علاج یوں میں دے دیتے ہیں کہ وہ ان کی تمام تر کوششیں برباد ہے کہ اس اصل خرابی کو کہیں جو کامیاب نہ ہوگا ترکیب میں پیدا ہو گئی ہے اور مادی تدبیریں اسی کو دوا کرنے میں غرض کر دیں؟

جہاں تک انفرادی حالت کا تعلق ہے، ہر صاحب عقل ایسے علاج پر دوسری صورت ہی اختیار کیا کرتا ہے۔ مگر تعجب اور حیرت محبت ہے کہ جو عقل ایک نسب کے اس حالت میں دیکھ کر بھی فیصلہ اخذ کرتا ہے کہ کہاں مادی جاتی ہے جب ہماری حکایت اس کے سامنے اسی حال میں ہو۔ تمام عالم انسانی اس وقت ایک شدید بحران میں مبتلا ہے۔ اس پر تشکیک کا ایک ایسا بڑا دست دھندہ پڑا ہے جس سے مادی ذہن ہی گم ہوتے

لے خارج ہو گا اس وقت جگہ تعلیم دہم پر ہی شہد کے ساتھ چلی تھی (دہریہ)

اندہ یہ کوئی چودہ دہ نہیں ہے۔ ایک سنت ہے پیہم اُس پر ایسے ہی دوسے پڑتے ہیں۔ اوندھوں کے درمیان جو تھوڑا سا ہے اس میں بھی کبھی وہ چین سے نہیں رہتے۔ ہر وقت کسی کسی دھڑکے سے چین ہی رہتا ہے۔ مگر ہر وقت ہتے دھڑکے سے یہ صدمہ حال ملدی وہاں میں مشاہدہ کی جا رہی ہے، کسی کا ذہن ادھر نہیں جاتا کہ کتنی کمزور و عمران کی اُٹاس میں ایک بنسیا دنی خرابی موجود ہے۔ ساری دنیا کے بوجھ بھگت اپنی اپنی نظریں مروت اُن غلامی طاعت ہی پر جاتے دھڑکے ہیں جو اندرونی عزائی کی دم سے سچ پر نمایاں ہوتی ہیں۔ اندہ ہر ایک کو سچ پر جو پھوڑا سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے اسی پر اُٹھی رکھ کر کہہ دیتا ہے کہ میں اس کا آپریشن کروں پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی کہتا ہے کہ میں کی گاندھ ڈکٹیٹر ٹیپ ہے، اس کو لاث رو۔ کوئی کہتا ہے کہ ساری خرابی امپریزم کی وجہ سے ہے، اسے مٹا دو۔ کوئی کہتا ہے کہ سرمایہ داری نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے، اس کا خاتمہ کرو۔ ان ناخون کی فصل کہاں گم ہو گئی ہے؟ یہی غول کو بڑھ رہے ہیں۔ ان کو خبر نہیں کہ جڑ کیسے اڑے، اور جب تک زمین پکڑے رہے گی، شاخیں رابر نکلتی ہی رہیں گی خواہ قیامت تک اُن کو کاٹنے میں وقت ضائع کیا جاتا رہے۔

دنیا میں جہاں جو غریبی بھی پائی جاتی ہے اُس کی جڑ مروت ایک چیز ہے، اندہ وہ ہے اللہ کے سوا کسی اللہ کی حاکمیت تسلیم کرنا۔ یہی اُٹم الجھتا ہے۔ یہی اہل پس کی گاندھ ہے۔ اسی سے وہ کشمیر، جمیکا پیدا ہوتا ہے جس کی شاخیں پیل پیل کر انسانوں پر مصیبتوں کے نہر بے چل پڑتی ہیں۔ یہ جڑ جب تک باقی ہے، اُپ شاخوں کی جتنی چاہیں قطع و برید کر لیں، بجو اس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کہ ایک حرکت مناسب کا نذر مل جند ہو جائے اور دوسری طرف سے شروع ہو جائے۔

ڈکٹیٹر شپ یا مطلق انسان یا دشا ہی کو مٹایا جائے گا تو حاصل کیا ہوگا؟ یہی ناکہ ایک انسان یا ایک لانا خان خدائی کے مقام سے ہٹ جائے گا اور اس کی جگہ پادریسٹ خدایں جائے گی۔ مگر کیا لی اواقع اس طریقہ سے انسانیت کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے؟ کیا



ہم مدد بھی اور مدد رنی اور مدد سے وہ جگہ خالی ہے جہاں ہارینشک خدائی ہے؟  
 امیر حرم کا ناتھ کیا جلتے گا تو اس کا حاصل کیا ہوگا؟ میں یہی کہ ایک قوم پر سے  
 دوسری قوم کی خدائی اُتر جائے گی۔ مگر کیا واقعی اس کے بعد زمین پر اس اور سرشمالی  
 کا قدر و قدر بر جاتا ہے؟ کیا وہاں انسان کو چین نصیب ہے جہاں قوم آپ اپنی  
 خدائی برکت ہے؟

سرمدی ماری کا استحصال ہو جائے گا تو اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا بھرت ایک  
 محنت پیشہ عوام مالدار طبقوں کی خدائی سے آزاد ہو کر غور اپنے بنائے ہوئے خداؤں  
 کے بندے بن جاتیں گے۔ مگر کیا اس سے حقیقت میں آزادی، عدل، اور امن کی  
 نسبتیں انسان کو حاصل ہو جاتی ہیں؟ کیا انسان کو وہاں یہ نعمتیں حاصل ہیں جہاں  
 مزدوروں کے اپنے بنائے ہوئے خدا حکومت کر رہے ہیں؟

انگل مائیکت سے مزور نہنے والے ریڈیہ سے مزید بہتر نصب یعنی جو پیش  
 کر سکتے ہیں وہ بیش ادیں نیست کہ دنیا میں قتل جیور یہ تمام ہو جائے، یعنی لوگ اپنی  
 بھائی کے لیے آپ اپنے حاکم ہوں۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ بحالت واقعی دنیا  
 میں، دنیا برمی سکتی ہے یا نہیں، غرض طلب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت اگر رونما ہو جائے  
 تو کیا اس زخمی جنت میں مٹائی خود اپنے نفس کے شیطان، یعنی اس ہال اور انسان خدا  
 کی زندگی سے بھی آزاد ہو جاتے گا جس کے پاس خدائی کرنے کے لیے علم، حکمت، عدل،  
 ماستی کچھ بھی نہیں، صرف خواہشات ہی خواہشات ہیں، اور وہ بھی اندھی لاپرواہانہ  
 خواہشات۔

ظہر دنیا کے متعلق گمشدہ میں انسان معائب اور پریشانوں کے جتنے مل بھی  
 سوچے جہ ہے میں ان سبک خاص میں اتنا ہی ہے کہ خدائی یا مائیکت بعض انسانوں سے

---

۱۔ نبوت اللہ میں کہ حق محمدیہ نوع ملک نہیں کہیں تمام نہیں ہو سکی اور اصل حال سے ثابت ہوتا  
 ہے کہ یہاں بن علی علیہ السلام ہے۔ (دقیق)



جس نے انسان کو بنایا، جس نے انسان کے لیے زمین کی تمام گاہ بنائی، چھائی، بوا اپنے  
 ہاتھ اپنی دو کشتی اور حرارت، اور اپنے پیدا کیے ہوئے مہانوں سے انسان کی پرورش  
 کی ہے، جس کی قدرت فنون کا انداز پس پوری زمین کا، جس میں انسان رہتا ہے، احاطہ  
 کیے ہوئے ہے، اور اس کے محیط قدرت سے انسان کسی حال میں نکل ہی نہیں سکتا، عقل  
 اور قدرت کا تقاضا ہے کہ وہی انسان کا انداز پس زمین کا ملک ہو، وہی خدا اللہ ہو  
 اور وہی بادشاہ اور حاکم ہی ہو۔ اس کی بنائی ہوئی دنیا میں خود اس کے سوا اللہ کسی کو حکومت و  
 فرمانروائی کا حق پہنچتا ہے، اس طرح ایک ملک کے کچھ کا حق دوسرے ملک ہے کہ وہ اپنے  
 حصے دوسرے ملکوں کا ملک ہے؛ صانع اور پروردگار کے ہوا اپنی مصنوعات اور اپنے  
 پروردگار کی حقیقت اللہ کسی کے لیے جاز ہو سکتی ہے، بلکہ اتنی قدرت کتنا ہے، کسی  
 کے پاس تاں علم ہے، کسی کا یہ ظرف ہے کہ اس سلطنت میں فرمانروائی کر سکے، اگر انسان  
 اس سلطنت کے اصل سلطان کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کے سامنے دوسرے کی  
 حاکمیت مانتا ہے، یا خود اپنی حاکمیت کا اذکار مانتا ہے تو یہ مریخ واقعہ خود ہے، فیصلہ  
 خود پر غلط ہے۔ ایک عظیم نشان جھوٹ ہے۔ سب سے زیادہ سفید جھوٹ۔ ایسا  
 جھوٹ جس کی ترویج زمین و انسان کی ہر شے ہر وقت کر رہی ہے۔ ایسے جھینڈا دوسرے  
 اور ایسی غلط تسلیم و اطاعت سے حقیقت نفس کا مری میں فتنہ برابری فرق واقع نہیں  
 ہوتا۔ جو ملک ہے وہ ملک ہی رہے گا، اور بادشاہ اللہ حاکم ہے وہ بادشاہ اللہ حاکم ہی رہے گا،  
 قدرت خود اس انسان کی مدد، از سر تا پا غلط ہو کر رہ جائے گی جو قدرت دوسرے کی  
 حاکمیت تسلیم کر سکے، یا خود اپنی حاکمیت کا دعویٰ بن کر ہم کر سکے، حقیقت اس کی مدح نہیں  
 ہے کہ تم اس کا ادراک کر دو تب ہی وہ حقیقت ہو۔ نہیں، تم خود اس کے مقابلہ ہو کر اس کی  
 معرفت حاصل کر سکے اپنی سچی دلیل کی اس کے مطابق بناؤ۔ اگر تم حقیقت کو سمجھ نہیں  
 کرتے اور کسی غلط چیز کو حقیقت سمجھ بیٹھے ہو تو اس میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ تباہی  
 غلط نہیں سے حقیقت میں کوئی تغیر نہ ہوا نہیں ہو سکتا۔

ظاہر ہے کہ جس چیز کی میعاد ہی سرے سے غلط ہو اس کو جندی ترمیمت اور فروری

معاذت سے کسی حدست نہیں کیا جاسکتا۔ ایک جھوٹ کے جھوٹ جانے اور اس کی جگہ دوسرے جھوٹ کے آجائے سے حقیقت میں کوئی فرق بھی واقع نہیں ہوتا۔ اس قسم کی تبدیلی سے طفل تسل تو ہو سکتی ہے مگر غیر حق پر بندگی کی حمایت قائم کرنے کا ہر نقصان ایک صحت میں نقاد ہی دوسری صورت میں بھی علیٰ غالب باقی رہتا ہے۔

اس شخص کو دور کرنے اور مستقل زندگی کو حقیقی غلام و عبادت سے ہمکنار کرنے کی کوئی صورت اس کے موانع نہیں ہے کہ غیر اللہ کی عاکیت سے کھینچا نکال دیا جائے اور اس کی عاکیت تسلیم کی جائے جو فی الواقع ایک ملک ہے۔ ہر اس نظام حکومت کو رد کیا جائے جو انسانی اقتدار اعلیٰ کے باطل نظریہ پر قائم ہو، اور صرف اس نظام حکومت کو قبول کیا جائے جس میں اقتدار اعلیٰ کسی کا ہو جو فی حقیقت مستبد اعلیٰ ہے۔ ہر اس حکومت کے حق حکمرانی کو انھنے سے انکار کر دیا جائے جس میں انسان بذات خود حاکم اور صاحب امر نہ ہو بلکہ اللہ ہی ہو، اور صرف اس حکومت کو جائز قرار دیا جائے جس میں انسان اعلیٰ اور حقیقی حاکم کے تحت طغیان ہو سکے کی حیثیت قبول کرے۔ یہ بنیادی اصلاح جب تک ہوگی، جب تک انسان کی عاکیت، خواہ وہ کسی شکل و کسی نوعیت کی ہو، جو پیر سے الگ کر دینا چاہیے ہی جائے گی، اور جب تک انسانی عاکیت کے خیر و قوی تصور کی جگہ غرضت الہی کو اعلیٰ (Reality) تصور نہ کرے گا، اس وقت تک انسانی تمدن کی بگڑائی ہوئی کی کسی حدست ہو سکے گی۔ چاہے سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت قائم ہو جائے، یا ڈکٹیٹر شپ کی جگہ جمہوریت منتخب ہو جائے، یا پیریزم کی جگہ قوموں کی حکومت خود اختیاری کا قاعدہ نافذ ہو جائے۔ صرف خلافت ہی کا نظریہ انسان کو امن دے سکتا ہے، اسی سے نظم مٹ سکتا ہے اور اصل قائم ہو سکتا ہے، اور اسی کو اختیار کر کے انسان اپنی قوتوں کو صحیح معرفت اور اپنی سعی و جہد کو صحیح رخ دے سکتا ہے۔ ریشہ اعلیٰ اور علم نسیب و الشہادۃ کے سوا اور کوئی انسانی تمدن و عمران کے لیے ایسے اصول اور صحت جوہر کرنے کی اہمیت نہیں رکھتا جو بے دگ ہوں، جن میں جانب مادی و تعصب اور غرضی کاغذ نہ ہو، جو ٹیک ٹیک حل پتہ قائم ہوں، جن میں تمام انسانوں کے مفاد اور

حقوق کا کیا کیا ہو، جو کون دیکھا کس پر نہیں بلکہ مخالف نفرت کے بغیر ہم پہنی ہوں۔ ایسے ضابطہ کی نعمتوں سے انسان صرف اسی طرح بہرہ ور ہو سکتا ہے کہ وہ خود صاحبِ امر اور قانون ساز بننے کے زعم سے دست بردار ہو جائے، خدا پر اور اس کے پیچھے ہونے قانون زندگی پر ایمان لائے اور غفلت کی وجہ سے اس کو اس رکھتے ہوئے اس ضابطہ کو دنیا میں قائم کرے۔

اسلام انسانی زندگی میں بھی بنیادی اصلاح کرنے آیا ہے۔ اس کو کسی ایک قوم سے دیکھی اور کسی دوسری قوم سے عداوت میں ہے کہ ایک کو پڑھنا اور دوسری کو لگانا اُس کا مقصد ہو۔ بلکہ اُسے تمام نوعِ انسانی کی نفور و حسد سے جس کے لیے وہ ایک عالمگیر فکریہ و ضابطہ پیش کرتا ہے۔ وہ ایک تنگ زاویہ سے کسی خاص ملک یا کسی خاص گروہِ انسانی کو نہیں دیکھتا بلکہ وسیع نظر سے تمام روئے زمین کو اُس کے تمام ہاشمہ دل سمیت دیکھتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے ذہنی حوادثِ انسانی سے بااثر ہو کر اُن اصول و بنیادی مسائل کی طرف توجہ کرتا ہے جن کے حق ہو جائے سے تمام زمانوں اور تمام حالات و مقامات میں ملے سے فردی و ضمنی مسائل آپ سے آپ حل ہو جاتے ہیں۔ اسے ظلم کی تحفوں، درندگی، فروعی شکلوں سے بحث نہیں ہے کہ نوعِ ایک بلکہ ایک شارع کو کاشنے پر زور صرف کرے اور کلی دوسری بلکہ کسی دوسری شاخ سے منع انسانی کرنے لگے، بلکہ وہ ظلم کی جڑ اور فساد کے سرچشمے پر براہِ راست حملہ کرتا ہے تاکہ ان شاخوں کی پیدائش ہی بند ہو جائے اور جگہ جگہ اُسے دن کی کاٹ چھانٹ کا جھگڑا ہی باقی نہ رہے۔

یہ چھوٹے چھوٹے ضمنی مسائل جن میں آج دنیا کی مختلف قومیں اور جماعتیں بھڑھری ہیں، مثلاً یورپ میں بشمولِ اٹلیاں، ناز، یا حبش میں اٹلی کا فساد، یا چین میں جاپان کا ظلم، یا ایسٹیا اور لیبیا میں برطانیہ و فرانس کی تعصبات، اسلام کی نگاہ میں ان کی اور ایسے تمام مسائل کی کوئی اہمیت نہیں۔ اُس کی نگاہ میں ایک ہی سوالِ حیات رکھتا ہے۔ وہ تمام دنیا سے پوچھتا ہے:

وَأَذْهَبَتْ قَتْلَ قَتْلٍ عَنِزٍ أَمْرَ اللَّهِ التَّوَلَّيْتُ الْقَدَارَ

(یوسف - آیت ۳۹)

مشرق چھٹے چھٹے خداؤں کی بندگی بھی ہے یا اُس ایک

اللہ کی جو سب پر غلبہ تسلط رکھتا ہے۔

جو لوگ پہلی صفت کے پس منظر سے دوسرے ہیں اسلام ان سب کو ایک جگہ ہے۔  
خواہ وہ آپس میں کتنے ہی مختلف شعبوں میں جڑے ہوئے ہوں۔ ان کی ایک دوسرے  
کے خاص جزو و جہد اسلام کی نظر میں ایک خدا کے خلاف دوسرے خدا کی جہد ہے۔  
ان میں سے کسی کی دشمنی بھی نفسِ فساد سے نہیں ہے بلکہ خدا کی کسی خاص شاخ سے ہے  
اور اسی سے ہے کہ جس خدا کا جھنڈا ایک فرقہ نے جھکا ہے وہ سرنگن ہوا اُس  
کی جگہ وہ خدا سر بلند ہو جس کا جھنڈا دوسرا فرقہ اٹھائے ہوئے ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے  
فریقوں میں سے کسی کے ساتھ بھی اُس کا اشتراک عمل نہیں ہو سکتا جو اصل فساد کا دشمن ہو۔ اُس  
کے لیے تو ایک جھوٹے رب کے پرستندوں اور دوسرے جھوٹے رب کے بندوں  
میں تفریح کا سہل ہی نہیں۔ اس کی تو ایک وقت سب سے لڑائی ہے۔ وہ تو بالکل خدا  
نہد مروت ایک ہی مقصد پر مروت کرے گا اور وہ یہ ہے کہ انسان کو مشرقی غیر حقیقی بدلی  
اور انہوں کی بندگی سے نکال جائے اور اُس اللہ واحد تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کر لائی جائے  
جو نَزَّ الْبَيْتَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، مَدْلُكُ الْكَاسِ، اَللَّهُ الْكَاسِ ہے۔

لفظ "مسلمون" اگر کوئی بے معنی لفظ ہے اور بعض فرقہ کے طور پر انسانوں کے  
کسی گروہ کے لیے استعمال ہونے لگا ہے، تب تو مسلمانوں کو پہلی آزادی حاصل  
ہونی چاہیے کہ اپنی زندگی کے لیے جو مقصد چاہیں قرار دے میں اور جو اہل تقویٰ پر چسپ  
لازم کریں۔ لیکن اگر یہ لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کو بطور  
سلک و مشرب قبول کیا ہے تو یقیناً مسلمانوں کے لیے کوئی نظریہ، کوئی مقصد اور  
کوئی طریق کار، اسلام کے نظریہ، مقصد اور طریق کار کے سوا نہیں ہو سکتا۔ غیر اسلامی نظریہ  
اور پالیسی اختیار کرنے کے لیے حالات زیادہ اور مقتضیات وقت کا بہانہ کوئی بہانہ نہیں

ہے۔ مسلمان جہاں جس ماحول میں بھی ہوں گے ان کو وقتی حود مسط اور مقامی حالات و  
 مسط سے یہ ماحول سابقہ پیش ہی آئے گا۔ پھر وہ اسلام کو اس ماحول میں  
 جس کا اتباع صرف مخصوص حالات ہی میں کیا جائے اور جب حالات دیگر گروں ہوں  
 تو اسے چھوڑ کر حسبِ مہولت کوئی دوسرا نسخہ یہ اختیار کر لیا جائے اور اصل اسلام  
 مختلف حالات میں اسلام کے نامی نظریہ اور بنیادی عقیدے کے مطابق طریق عمل اختیار کرنا ہی  
 مسلمانوں کے لیے اور خدا کا ارادہ ہر حادثہ اور ہر حال کی ایک جہاد کا نقطہ نظر سے دیکھنے کیسے ہو  
 جیسے مروجہ دلی دیکھ کر ایک نئی پالیسی وضع کر لیا کریں جس کو اسلام کے نظریہ و عقیدے سے کوئی  
 ٹکاو نہ ہو۔ تو ایسے مسلمان ہونے میں اور مسلمان ہونے میں قطعاً کوئی فرق نہیں۔ ایک ملک  
 کی بیرونی کے معنی ہی یہ ہیں کہ آپ جس حال میں بھی ہوں آپ کا نقطہ نظر اور طریق کار اس  
 ملک کے مطابق ہو جس کے آپ پیرو ہیں۔ ایک مسلمان کسی مسلمان کی بدلت ہو  
 سکتا ہے جب کہ وہ زندگی کے تمام جزئی مساطف اور وقتی حود میں اس کی نقطہ نظر  
 اور اس کی طریقہ اختیار کرے۔ جو مسلمان کسی مروجہ دلی میں اس کی پیروی چھوڑ کر غیر اسلامی  
 پہلو اختیار کرے اللہ یہ عقیدہ پیش کرتا ہے کہ اس مروجہ اور اس ماحول میں جو ہے غیر اسلامی طریقہ  
 ہی پر کام کیسے ہو۔ بعد میں جب حالات سازگار ہو جائیں گے تو مسلمان ہی کو کام کرنے  
 گئے گا۔ وہ اصل پہلو پر کرتا ہے کہ کیا تو اسلام کو وہ بچائے خود کو ایسا ہم گیر نظام زندگی  
 ہی نہیں بھٹا جو زندگی کے ہر معاملہ اور زمانہ کی ہر گردش پر یکساں مادی ہو سکا ہو۔ یا پھر اس  
 کا ذہن اسلام کے سانچے میں پوری طرح نہیں ڈھلے جس کی وجہ سے اس میں یہ سوجھ بوجھ  
 نہیں ہے کہ اسلام کے قیاسات کو جزئی حود پر منطبق کر کے۔ یہ کھائے کہ غرضت احوال  
 میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اس کی پالیسی کیا ہونی چاہیے۔

ایک حقیقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب میں دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر  
 اظہارِ سترت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ترکی پر ترک، ایران پر ایران، افغانستان پر افغانان  
 حکمران ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے میں حکمِ امتناع علی التماز و علی التفاضل

کے نظریہ کا قائل نہیں ہوں کیسے اس پر سرت پر۔ میں اس کے رکس حکم اللہ علی الناس بالحق کا نظریہ رکھتا ہوں، اور اس اعتبار سے میرے نزدیک انگلستان پر انگریزوں کی حاکمیت اور فرانس پر اپنی فرانس کی حاکمیت میں فرق خط ہے، اسی قدر ترکی اور دوسرے ملکوں پر ان کے اپنے بادشاہوں کی حاکمیت بھی غلط ہے۔ بلکہ اس کے نظریہ خط، اس سے کہہ دوں اسے اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں ان کا خدا کی حاکمیت کے بعد انسانیوں کی حاکمیت اختیار کرنا اور بھی زیادہ انہوں میں ایک ہے۔ غیر مسلم اگر عبادت گاہوں کے علم میں ہیں تو یہیں طرز عمل کی بنا پر مختلف مختلف حکمتیں خدا کی تعریف میں کہلاتے ہیں۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لیے اس مسئلہ میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ہندوستان میں جہاں مسلم کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔ میرے نزدیک جو سوال سب سے اقدم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اس "پاکستان" میں نظام حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت پر رکھی جائے گی یا مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق تمام کی حاکمیت ہوگا؟ اگر پہلی صورت ہے، تو یقیناً یہ "پاکستان" ہوگا نہ جمہوریت دیگر یہ وہی ہیں "پاکستان" ہوگا جیسا ملک کا وہ حصہ ہوگا جہاں آپ کی اسلم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے۔ بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک اس سے زیادہ مجنوں و ملعون ہوگا، کیونکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے وہ کام کریں گے جو غیر مسلم کرتے ہیں۔ اگر میں اس بات پر غور کروں کہ یہاں رام داس کے بجائے محمد اللہ تعالیٰ کے منصب پر بیٹھے گا تو یہ اسلام نہیں ہے بلکہ نرانی ششدری ہے، اور یہ مسلم فیصلہ نہیں ہے۔ خدا کی شریعت میں اتنا ہی ملعون ہے جتنا ہندوستانی خیشتر م۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میری نگاہ میں اس سوال کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہندوستان ایک ملک ہے یا دس ملکوں میں تقسیم ہو جائے۔ تمام دشمنین ایک ملک ہے۔ ان دنوں اس کو ہزاروں سختوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ یہ بہت کم کی



تقسیم اگر جائز تھی تو آئندہ عریہ تقسیم ہو جاتے گی تو کیا بگڑا ہائے گمراہوں سے پیدا ہوا مسئلہ ہے جس پر مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی حرج و ملکہ میں اپنا وقت ضائع نہ کرے؟ مسلمان کو تو معرفت اس چیز سے بحث ہے کہ یہاں جنس کا سرِ مُکَلَّمِ خُدا کے آگے جھکتا ہے یا مُکَلَّمِ اناس کے آگے۔ اگر مُکَلَّمِ خُدا کے آگے جھکتا ہے تب تو ہندوستان کو اور زیادہ وسیع کیجیے، ہمالیہ کی دیوار کو پیچ میں سے ہٹائیے اور ہند کو بھی نظر انداز کر دیجیے تاکہ ایشیا، افریقہ، اوروپ اور یکے سب ہندوستان میں شامل ہو سکیں۔ اور اگر یہ مُکَلَّمِ اناس کے آگے جھکتا ہے تو جہنم میں جلتے ہندوستان اور اس کی خاک کا پرستار مجھے اس سے کیا واپسی کہ ایک جگہ ہے یا دس ہزار ٹکڑوں میں بٹ جائے۔ اس بُت کے ٹوٹنے پر تڑپنے وہ جو اسے مجبور دیکھتا ہو۔ مجھے تو اگر یہاں ایک مربع میل کا رقبہ بھی ایسا مل جائے جس میں انسان پر خدا کے سوا کسی کی ملکیت نہ ہو تو میں اس کے ایک ذرہ خاک کو تمام ہندوستان سے زیادہ تمیز بخشوں گا۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیرِ عظیم سے آزاد کر دیا جائے۔ انگریز کی ملکیت سے نکلنا تو معرفتِ تَلا بِلَا سَہِ کا ہم سنی ہو گا۔ فیصلہ کا انعقاد بعض اس نفی پر نہیں ہے بلکہ اس پر ہے کہ اس کے بعد ان بات کس چیز کا ہو گا؟ اگر آزادی کی یہ ساری طوائف معرفت اس سے ہے — اور ہمارے حرمیت میں سے کون صاحب یہ جھوٹ بولنے کی جنت دیکھتے ہیں کہ اس سے نہیں ہے — کہ امپیرِ عظیم کے اللہ کو ہٹا کر ڈیو کر لیں گے اور کُتبتِ خُدا حکومت میں جوہر افروز کیا جائے تو مسلمان کے نزدیک نہ حیثیت، نہ کوئی فرق بھی حائل نہیں ہوتا۔ لایست گمانات اگلا، ایک جوڑے خُدا نے دوسرے جوڑے خُدا کی جگہ سے ملے۔ اہل کی ہنگامی میں تھی وہی رہی، کوئی مسلمان اس کو آزادی کے خُدا سے تعبیر کر سکتا ہے؟ **إِنَّ اللَّهَ لَا يَفْتَحُوا الصِّقَّةَ وَالْجَنَّةَ** **وَلَا يَفْتَحُوا الصِّقَّةَ وَالْجَنَّةَ** **وَلَا يَفْتَحُوا الصِّقَّةَ وَالْجَنَّةَ**

یہ پھر کس چیز ہے جس کا حضور ہے کہ وہی ہے جس کی جگہ تھی ہے۔ ایک تھاک کو ٹکڑوں میں  
تھاک اس کی جگہ سے تو تھاک بنی نہیں؟

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی برصغیر جماعتیں اسلام کے نام سے کام کر رہی ہیں، لکن موقع اسلام کے سید پریم کے نظریات، متصادم کارناموں کو پرکھ جائے تو سب کی سب جنس کا سد نہیں لگے۔ خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی پیشروں یا قدیم طرز کے مذہبی رہنما، دونوں ہی اپنے نظریہ اور اپنی پالیسی کے لحاظ سے یکسں لگ کر رہ رہے ہیں۔ دونوں راہ حق سے ہٹ کر تادیبوں میں مبتلا ہے جس سے ہندوؤں اپنے اصل پرست کو چھڑ کر عوام میں پوجائی تیر چلا رہے ہیں۔ ایک گروہ کے دھرم پر ہندو کا بھروسہ ہے اور وہ بھگت ہے کہ ہندو امیر ملام کے پھل سے کچھ کھا سکتا ہے لاف نام نہات ہے۔ دوسرے گروہ کے سر پر انگریز کا بھوت مست ہے اور اگر بنی امیر ملام کے ہال سے کچھ کھائے تو نہایت کھڑا ہے۔ ان میں سے کسی کی نظر بھی مسلمان کی نظر نہیں، اور نہ چاہتے کہ اصل شیطان یہ ہے نہ وہ، اصل شیطان غیر اللہ کی عبادت ہے۔ اس سے نہات نہ پالی کر کچھ نہ پایا۔ شمس ہے تو اس کو شمس کے لیے نہو۔ جو تیر چلا ہے اس ہند کی طرف سبشت ہند کر رہا ہے۔ جس قدر قوت صرف کرنی ہے اسے لگ کر سفر پر صرف کر دو۔ اس کے سوا جس کام میں بھی تم اپنی ساری قوت کو لگے وہ وہی طرح پرانہ اور بدنام ہو کر رہیں گی جس طرح ان لوگوں کی ساری جہن کے سنسن قرآن فیصد کرتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَاكَ نُورًا مِّنْ نُورٍ فَتُخَيِّلُونَ لَكَ لُحُوجًا مِّنْ لَّهِ فَيَقُولُ أَوْ لَئِكَ آلُ أَبِي هَارٍ فَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ أَتَتْهُمْ وَأَنْتُمْ كَارِفُونَ فَيُتَنَبَّأُ لَهُمْ فِيهَا رَبُّهُمْ أَتَيْتُمُ اللَّهَ بِإِيمَانٍ فَمَنْ لَّكُمْ بِالْأَحْزَابِ وَقَدْ خَلَقْتُمْ أَفْعَالًا لَّهُمْ فَلَا يُغْنِي عَنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذُنُوبَكُمْ وَأَنْتُمْ كَارِفُونَ (الکہن - آیات ۱ تا ۱۰)

مغربی طرز کے پیشروں پر تو چنداں حیرت نہیں کہ ان بے چاروں کو قرآن کی ہمہ جہت نہیں لگ ہے، مگر حیرت اور حیرت ہے ان کے کلام پر جی کا راستہ دن کا مشن ہی قال اللہ وقال الرسول ہے۔ جو میں نہیں آتا کہ انہیں کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ قرآن کو کس نظر سے پڑھتے ہیں کہ ہزار بار پڑھنے کے بعد بھی انہیں اس فعل اللہ کی پالیسی کی طرف ہدایت نہیں ملتی جو مسلمان کے لیے اصول عمل پر مقرر کر دی گئی ہے۔ جن

منا کی کہ جس نے ایمان لایا وہ اسے رکھ لے، قرآن میں ہم کو ان کی فوجی اور مدنی اہمیت کا  
 بھی نشان ہیں۔ جی سادہ پر رہے ہیں، برکات انہوں نے دہلی میں آنا دوسرے کانفرنس منعقد  
 فرمائی اور ٹیپ ٹیپ کر تقریریں کیں، اُس موقع کے ساتھ کہیں اشارہ بھی قرآن میں  
 زیر بحث نہیں آتے۔ برطانیہ کی قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی پر نبی آتا ہے اور ایک  
 ہی صحت کی طرف اپنی قوم کو دعوت دیتا ہے، اِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَاللَّهُ مَعَكُمْ قِوَامًا  
 اِنَّا بِكُمْ عَلِيمٌ (فوجیوں کی سروسز میں ہر یا ادنیٰ مزدوم، یا کمبندہ، یا ہلکا، یا  
 نیل کی داری۔ خواہ وہ چابھیں، جلدی، جلی، یا میوے یا دھوویں۔ لواء، نظام، قوم  
 ہو یا آؤ، غصہ، درد، یا وہ ہوا، تنزل، سیاسی حیثیت سے، یا موعظ، ہر جگہ، ہر دور  
 میں، ہر قوم میں اللہ کی طرف سے اُسے راستے رہنماؤں سے انسان کے سامنے ایک ہی  
 دعوت پیش کی اور وہ یہ تھی کہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے، حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ میرے اور تمہارے درمیان کوئی  
 تعادل، کوئی اشتراک عمل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ تم میں اصل، اصول کو تسلیم نہیں  
 کرتے۔ كَفَرُوا مَا يَأْفِكُو كَفَرُوا يَتَنَسَوْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
 اَتَتْهُمْ اَخْبَارُ الَّذِيْنَ يَأْتِيهِمْ وَ حَقُّهُ اَلَّذِيْ سَخَّرَ لَهُ (یہ ۴) حضرت  
 موسیٰ نے فرعون کے پاس جا کر اَرْسِلْ بِرَبِّكَ يٰمُوسٰى اَرْسِلْ اٰیٰتِيْكَ لَعَلَّہٗ يَرْجِعُ  
 سَعۡیَہٗ (۱۰۴) اَرْسِلْ اٰیٰتِیْكَ لَعَلَّہٗ یَرْجِعُ سَعۡیَہٗ (۱۰۴) اَرْسِلْ اٰیٰتِیْكَ لَعَلَّہٗ یَرْجِعُ  
 اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلٰی اَنْ تَخْلُکَ وَ اَخٰدِیْکَ اِلٰی رَبِّکَ فَتَخْضَعِ الْعِلٰلَ (۱۰۵)  
 کہ دعوت دی، اور اسے لگا دیا کہ تو رب نہیں ہے، بلکہ رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو  
 پیدا کیا اور جس نے اسے مٹا دیا، اَلَّذِیْ اَخْلَقَ لَکَ اَنْفُسَکَ وَ خَلَقَ لَکَ مِثْلَکَ  
 خَلْقًا (۱۰۵)۔ حضرت جیسی نے، جی کی قوم رومیوں کی نظام، ہو چکی تھی، بنی  
 اسرائیل اور اُس پاس کی قوموں کو دین ابراہیم کے ساتھ، جنگ، آزادی کے جھنڈے

نے لے کر قوم کے درگاہ اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا اللہ کوئی خدا نہیں ہے۔

کی طرف رجوع دہی بلکہ اس چیز کی طرف رجوع دہی کہ حق اللہ زقن و ذر شکو  
 نفا غنہ ذر حد اجنہ کشتیو یسڈ دال عموس۔ وہاں ہر جگہ، کشتی  
 جو قزاقوں میں بین یکہ گئے ہیں، کسی اور دنیا کے نہیں، اسی دنیا کے ہیں جس میں ہم رہتے  
 ہیں، اسی سے ہی انہوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے ہم انسان ہیں۔ یہ نہیں کہا سکتا  
 کہ میں ملکوں اور قوموں میں انبیاء عظیم السلام آئے ان میں میرے سے کوئی سیاسی،  
 معاشی، تمدنی مسئلہ حل طلب تھا ہی نہیں جس کی طرف توجہ کی ضرورت تھی۔ یہی وجہ  
 یہ واقعہ ہے کہ اسلامی قسریہ کے ہر رہنما نے ہر ملک اور ہر زمانے میں تمام وقتی امور  
 مقامی مسائل کو نظر انداز کر کے اسی ایک مسئلہ کو آگے بڑھا اور اسی پر اپنا سارا دھرم و فرائض  
 کیا تو اس سے صرف یہی نتیجہ نکلا جاسکتا ہے کہ ان کے نزدیک، مسئلہ آتم السائل تھا  
 اور وہ اسی کے حل پر زندگی کے تمام مسائل کا حل موقوف رکھتے تھے۔

اب تاویہ کہہ دیجیے کہ اسلامی تحریک کے وہ رہنما جو خدا کی طرف سے آئے تھے،  
 سب کے سب عمل سیاست سے ناچھوٹے، نہ جانتے تھے کہ انسانی زندگی کے  
 مسائل میں کون سی چیز مقدم اور کون سی مؤخر ہونی چاہیئے، اور انہیں خبر نہ تھی  
 کہ آزادی کے لیے ہر وہ جدوجہد کس طرف کی جاتی ہے اور عملی مسائل کو حل کرنے کی  
 کیا تدبیریں ہیں۔ یا پھر یہ تسلیم کیجئے کہ اسی زندگی میں جو حضرات اسلام کے مآخذ سے  
 اہل مسلمانوں کے قاعدہ و رہنما بنے ہوئے ہیں وہ مجتہدین و فرائض تشریع پر کٹنا ہی محسوس کرتے ہیں،  
 بہر حال اسلامی قسریہ کے حزرہ کردہ نہیں سمجھتے اور نہیں جانتے کہ اس تحریک کو  
 چاہئے اس کے بڑھانے کا طریقہ کیا ہے۔

تمام مسلمانوں کو جان بوجھ چاہیئے کہ ہمیشہ ایک مسلم جامعہ ہونے کے بارے میں  
 اسی تحریک سے ہے جس کے رہبر رہنا انبیاء عظیم السلام تھے۔ ہر تحریک کی ایک خاص  
 نظام فکر اور ایک خاص طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام فکر اور طریق کار وہ ہے جو ہم  
 کو انبیاء عظیم السلام کی سیرتوں میں ملتا ہے۔ جو عوام کسی ملک اور کسی زمانہ میں ہوں،  
 اور بعد سے گزردہ مین و مین کے مسائل و مسائل خواہ کسی نوعیت کے ہوں، ان سے

یہ مقصد نصب نہیں وہی ہے جو انبیاء کا تھا، اور اس منزل تک پہنچنے کا راستہ وہی ہے جس پر انبیاء ہر زمانے میں چلتے رہے۔ اُولَئِكَ اَلْبَاقِيْنَ هَذٰی الْمَثَلُ قَبْلُكَ فَتَقْدَرُ۔ (الاحزاب: ۲۰-۲۱) ہمیں رسول کے سامنے معاملات کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے جس سے انہوں نے دیکھا۔ ہمارے یہ قدم وہی ہونا چاہیئے جو ان کا تھا۔ اور ہمدی اجتماعی پالیسی انہی خطوط پر قائم ہونی چاہیئے جس پر انہوں نے قائم کی تھی۔ اس مسئلہ کو سمجھ کر اگر ہم کسی دوسرے مسئلہ کا طرح اور طریقہ عمل اختیار کریں گے تو گمراہ ہو جائیں گے۔ یہ بات ہمارے تجربے و تجربے کے ہم آہنگی سے واضح ہے۔ دنیا پر نگاہ ڈالیں جس سے ایک قوم پرست، یا ایک جمہوریت پسند یا ایک اشتراکیت کو دیکھنا چاہے۔ وہ پیریں ان کے لیے مذہبی عقائد نظر میں دیکھتے ہیں۔ یہ اتنی پست ہیں کہ انسانی اعتبارات کی بھی منت نہیں۔ اگر ہم ان کے عقائد کو منکب اختیار کریں گے، انہیں کی زبان میں باتیں کریں گے، اور انہیں کشیدہ کے مقاصد پر رنڈیں لگے، جو پرہیزگاریت میں انہیں وقت و حکم جاری رکھیں گے۔ شیر اگر بکری کی سی بولے دے لگے اور بڑھانوں کی طرح گھاس پر ٹوٹ پڑے تو اس کے سنی یہ ہیں کہ جنگ کی بادشاہی سے وہ آپ ہی دست بردار ہو گیا۔ اب اس کی توقع کیجئے کہ جنگ کے لوگ اس کی رعایت تسلیم کریں گے و شیر کی بول چال دیکھتے، یہ تصور کی بنا پر قومی حکومت کے سطح پر، انگریزیت، اقلیت کے فوٹے، یہ تحفظات اور حقوق کی چیز پھر یہ انگریزی مملکت اور وہیں پست کے قتل و ملامت میں قومی مسئلہ کے تحت کی تدبیریں، اور دوسری طرف ہمارا اپنی وطن کے غم و اندھنہ اور پست نہروں کے غم و اندھنہ میں امپریالزم کی ملامت، یہ سب پاس سے لے کر بکری کی بولیاں ہیں۔ یہ بولیاں بول کر ہم خود ایک غلط حیثیت اختیار کرتے ہیں اور اپنی حیثیت اس قدر غلط طور پر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ دنیا میں بکری ہی سمجھے کہ ہم جو جاتی ہیں خدا نے ہمیں اس سے بہت اونچی نصب دیا ہے، ہمارا منصب ہے کہ ہم کھڑے

نہ رہی لوگ تھے جس کی شان و رتبان کی حق ہندس کی چارست کی پروری کرو۔

ہرگز تمام دہلی سے غیر متعلق حاکمیت شادی اور خدا کے بندوں پر خدا کے حوالگی کی عاقبت  
 باقی نہ رہنے دیں۔ یہ غیر کا منصب ہے ہر اس منصب کو اگر خدا کے لیے کس قسم کی نجات  
 شرط رکھ کر نہیں ہیں، بلکہ صرف شیر کا دل خدا کا ہے۔ وہ شیر نہیں ہے جو اگر غیر سے  
 میں بہت حد تک بکری کی طرح بننا سنے گئے، اسی شیر وہ بھی نہیں جو بکریوں کی کثرت تعداد کو دیکھ  
 کر یا بکریوں کی چہرہ دستی دیکھ کر اپنی شیریت بھول جاتے۔

(ترجمان القرآن، مئی ۱۹۴۰ء)

## اصلی مسلمانوں کے لیے ایک ہی راہِ عمل

پچھلے عرصے کے چلموں کو کہ اسلام تمام عالم انسانی کے لیے بنیادی اصول کا ایک پیغام اور عملِ اصلاح کا ایک انقلابی پروگرام ہے کہ آیا ہے۔ اس کا پیغام یہ ہے کہ تمام انسان مخصوص و شریک کی مالکیت تسلیم کریں حتیٰ کہ اس کے علم کے سوا ہر دوسرا حکم باطل ہو جاتے۔ اور اس کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں وہ ایک جتنا بنا کر اپنا پیغام اور اس بنیادی اصول کو محفوظ نہ کر کے یہیں برس کر دیں، یہاں تک کہ انھیں کی مختلف قومیں، ملتیں، اقوام اور نسلیں کی زبان، روحانی اور جسمانی حکومت خود اختیاری بائیکاٹ کر جائے اور ان کی سلطنت میں اُس کی رعیت پر صرف اُسی کا قانون نافذ رہی ہو۔ یہی پیغام اور یہی پروگرام انبیاءِ عظیمِ اسلام ابتدا سے لے کر آتے رہے ہیں۔ اسی ایک مقصد پر انہوں نے اسی نام سے جد کو مرکز کیا ہے۔ اور مسلمان، مجاہد کے وارث اور ان کے پیرو ہیں، ان کے لیے ہی اس کے سوا کوئی دوسرا مقصد ہے اور کوئی دوسری راہِ عمل۔ مسلمانوں کی قسمت سبھی جاتوں پر یکے کے برابر ہے۔ وہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو مسلم (یعنی مقبوسِ انبیاء) سمجھنے کے باوجود انہوں نے اس نصبِ العین اور اس راہِ عمل کو چھوڑ کر ایسے مقاصد اور طریقے اختیار کر لیے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق واسطہ ہی نہیں ہے۔

نئی اگوں کو چھوڑ کر وہ موسم کے علم سے بالکل ہی بے بہرہ ہیں، اُنجا ملک بچے کو قی  
سہائی، خواہ وہ کسی جامعہ سے تعلق رکھتا ہو، ایسا نہیں جا جس نے، اس احترام کو کٹھن کر  
احول حیثیت سے تسلیم نہ کیا ہو۔ سب ملتے ہیں کہ جاسٹس مسلمان کا عمل کام ہی ہے، اور  
اسی منزل کی طرف ایسا دھیمہ انتظام نے ہمدی رہنمائی کی ہے۔ لیکن جواب میں وہ مختلف  
ستوں سے دو مختلف آوازیں آتی ہیں۔

”آزادی پسند“ عہدہ اداؤں کے ہم خیال مسلمان اس راستہ پر آنے کی مشکلات میں  
بیان فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں اگر صرف مسلمان آباد ہوتے، یا مسلمانوں کی عاری کثرت  
ہوتی، جیسی مصر، ایران، عراق وغیرہ ملک میں ہے، تب تو ہمارے لیے آسان تھا کہ حکومت  
الہیہ کے لیے جدوجہد کرتے، اور اس صورت میں اس کے قائم ہونے کا امکان بھی تھا۔ مگر  
مشکل یہ ہے کہ یہاں ہم قلیل القعد ہیں، اکثریت غیر مسلم ہے، حکومت الہیہ کے نام  
سے کامل پر قادر رکھتی ہے، اور صرف مشترک وطنی حکومت ہی کے نصب العین ملک  
اس کی نظر رکھتی ہے۔ اور پانڈیری حکومت جیسی ہے جو میں اور غیر مسلم مسیوں کو  
ایک ساتھ بستے ہوئے ہے۔ خود مسلمانوں کی آبادی کا اکثر حصہ بھی اخلاقی و مذہبی  
حیثیت سے انتہائی منزل کی طرف میں ہے۔ لہذا اس وقت جو کہہ ہو سکتا ہے وہ یہی ہے  
کہ مشترک حکومت کے نصب العین کو قبول کر کے، غیر مسلموں کے ساتھ مل کر، اگر پوری انداز  
سے نصف حاصل کر لیتے۔ یہ معاملے ہونے کے بعد آزاد ہندوستان میں ہم اپنی قوتوں  
کو بھر جیتے کریں گے اور اپنے نصب العین کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے۔ اس کے سوا  
اور کوئی راستہ اس وقت قابل عمل نہیں ہے۔

دوسری طرف مسلم لیگ کے ہم خیال لوگ، اپنی شکایت کو ایک دوسرے رنگ  
میں بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم یہاں اقل قلیل القعد ہیں، پھر تیسری اور ماسٹ  
حیثیت سے ہمدی قوت بہت کم ہے، اور یہ بڑا ایک ایسی تنگ نظر اکثریت  
نے سیاسی اور ماسٹ قوتوں کے مقابل پر تسلط حاصل کر لیا ہے جو عموماً قوم کو ایک ملک  
قوم کو تسلیم حاصل کر سکتے اور پیٹ جھرنے کے ہر دوا سے سے فائدہ بٹاتی ہے، مگر



پاسی اغرض کے لیے صرف ہمارے مستقل قومی وجود سے انکار کر دیتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہم "ہندوستانی قوم" میں شامل ہو کر رہیں ایک ایسی جمہوری حکومت قائم ہو جائے جس میں سیاسی طاقت کے حصول کا ذریعہ صرف ووٹوں کی کثرت ہو۔ اس مقصد میں اس کے کامیاب ہوجانے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنی قومی شخصیت ہی کو سرے سے چھوڑ دیں، پھر جمہور کو صوبہ انڈیا کا خوب کہاں دیکھا جائے گا، لہذا اس پر دستِ اس کے سوا کوئی قابلِ عمل صورت نہیں ہے کہ جس طرح دیا گیا سب قومیں اپنی تنظیم کیا کرتی ہیں اسی طرح ہم بھی اپنی تنظیم کریں، اور دنیا میں جس طرح سیاسی طوائف لڑتی جاتی ہے اُسی طرح ہم بھی لڑ کر سب سے پہلے ان طاقتوں میں جہاں مسلمانوں کی کثرت ہے، اُسی جمہوری دستہ کے مطابق جو انگریزی تصور جمہوریت کے تحت بننا ہے، اپنی حکومت قائم کر لیں۔ بعد میں جب اختیار دستِ ہمارے ہاتھ میں آجائے گے تو ہم مسلمانوں کی تنظیم اور اس کی اصلاح و تمدنی طاقت کو دستِ کر کے دفترِ مذہب حکومت جمہوریہ کو حکومتِ الہیہ میں تبدیل کر دیں گے، اور اللہ کے پاؤں پر پڑنا ہی ہندوستان کی بادیاغت کے لیے بھی بہتر جہد کرے رہیں گے۔

بظہرِ دونوں فریقوں کے خیالات میں بڑا فتنہ مسموم ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ بعدِ دسویں کے مسلمان میدانِ کراچی دو گروہوں میں جھگڑ گئے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جی شکیستہ کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں ان میں قطعا کوئی فتنہ نہیں ہے، بلکہ وہ جی باغ کہ حکومتِ الہیہ کے راستے میں انہیں اس نوعیت کی مشکلات نظر آتی ہیں، اس کو لامرِ یاج ٹھوس ہے کہ انہوں نے اسلامی تحریک کے مزاج اور اس کے طریقِ کار (Technique) کو سرے سے سمجھا ہی نہیں۔ نیکو و گہرائی میں جاننے کی ضرورت نہیں، اگر اس تحریک کی تاریخ ہم سے سامنے ہو تو ہادیِ اعظمی میں ان خیالات کی فصلی نمایاں ہو جاتی ہے۔

دنیا میں جہاں کہیں جی کوئی رسول آیا ہے، اکیلا ہی آیا ہے۔ اعلیٰ اور اکثریت کا کیا سوال، یہاں سرے سے کوئی مسلمان قوم موجود ہی نہ تھی۔ ایک نئی قوم، بلکہ ایک

فی دینا کی حیرت انگیز تفسیر کے ساتھ رسول پر دعویٰ سے کراٹھتا ہے کہ میں زمین پر خدا کی پہلی امت  
 قائم کر سکتا ہوں۔ چنانچہ پہلے ہی اُس کے ماتہ ہو جاتے ہیں اور یہ اُن کے میں ملک سے  
 بھی کم قیمت، حکومت جیہ کے لیے جہد جہد کرتی ہے۔ اکثریت کا سند اس کے ساتھ ہو  
 کچھ سوکھتا ہے، اس کے مقابل میں ہندوستانی کی غیر مسلم اکثریت کے اس قہر و تسلط  
 کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں ہے جس کا فائدہ کرتے کرتے ہندوئے مسلم قوم پر صاف  
 بھائیوں کے انصاف و شک سے ہر سنے ہارے ہیں۔ وہ فزوں کی خدمت، منڈیوں کے بھاری  
 ہندو شریک ہندوں کے مساحت کا کیا ذکر وہیں مانتے ہیںے کا حق میں اس تفسیر کو نہیں  
 دیا جاتا تھا۔ پھر حکومت، خواہ وہ کل بویا فیر علی، جس پختہ علم و مشق و قہر میں اُن کو لائی تھی اُس  
 کو کسی صورت میں بھی ہندوستان کے اُن انگریز فرمانرواؤں کے برتاؤ سے قشیل نہیں دی جا  
 سکتی تھی کے علم و دھماکا ہوتا ہوا ہے۔ آزادی پسندہ بھائی مانتے ہیں دیکھتے ہیں۔ پھر  
 یہ بھی کچھ غرضی نہ تھا کہ پیر حال رسول اللہ صاحب رسول حکومت غلبہ قائم کرنے میں کامیاب  
 ہو ہی گئے ہوں۔ ہر دہادہ اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اُن کو مادہ اُن کے ساتھیوں  
 کو قتل کروایا گیا ہے، اور خدائی کے صورت میں میں نے اپنی مانت میں اس تحریک کو  
 قلع قمع کر کے چھوڑا ہے۔ گھاس کے ہار جو جو گ اللہ پائی جان و سنے تھے، اندھن کے  
 نزدیک کہنے کا نام میں یہی تھا، انہوں نے آفری مانتیں ایک اس مقصد کے لیے کام کیا  
 اندھ کسی ایک نے ہی اکثریت کا یہ حکومت کا رنگ دیکھ کر، یا وفق و ستای مشکلات کا خیال  
 کر کے دوسرے راستوں کی طرف اپنی التفات منک نہ کیا۔

پس یہ کہ باطلی نقطہ ہے کہ اس تحریک کو اٹھانے اور چلنے کے لیے خارج  
 میں کسی مانتیں اور اہول میں کسی سازگاری کی ضرورت ہے۔ جس مانتیں اندھ میں سازگار  
 اہول کو گ ڈھونڈتے ہیں وہ کبھی فراہم ہوتا ہے، خواہ ہم ہر گاہ۔ دراصل خارج میں  
 ہیں بلکہ مسلمان کے اپنے باطن میں ایمان کی ضرورت ہے۔ اس طبی شہادت کی ضرورت  
 ہے کہ میں مقصد حق ہے، اور اس حزم کی ضرورت ہے کہ میں جتنا اندھ مرنا اسی مقصد کے  
 لیے ہے۔ یہ ایمان، یہ شہادت، یہ حزم موجود ہر قوم میں بھر میں ایک ایک انسان یا ملین

کہنے کے لیے کافی ہے کہ میں زمین پر خدا کی بدشاہت تمام کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کی پشت پر کسی نعمت حقیقت یا کسی حکومت خود اختیار کی گئے وال اکثریت کی تقاضا کوئی حاجت نہیں۔ وہ اس سرے کی کوئی حاجت ہے کہ اس کا ملک پہلے بیرونی قوم کے تسلط سے آزاد ہو جائے۔ بیرونی قوم کیا، انگلش کی قوم کیا، اللہ کے سوا اور مردوں کی حاکمیت تسلیم کرنے والے سب انسان اس کے لیے یکساں ہیں۔ سب کی اُس سے اداس کی سب سے کساں دشمنی ہے۔

حرفہ صریح علیہ السلام سے مدعوں نے جو کہہ رہا تھا، اُس سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ خدا کا حضور ہے اور اُس کی ہی قوم ہے۔

یہ کہ وہ بہت ہے جو ہادی انسان میں ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے قرآن کا کچھ کر بڑھا ہے۔ لیکن خدا نے یہ گہری نظر سے دیکھا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ میں جو حاکمیت کی شکلات کو یہ رنگ اپنی راہ میں خالی پاس ہے جس سے وہ اصل ایک قوم کی شکلات ہیں نہ کہ ایک قوم کی۔ جہاں ایک قوم اپنی زندگی، اور اپنی قومی اطرائی کے لیے جدوجہد کر رہی ہو وہاں تو جانشین اسی قسم کے مسائل پیش جرتے ہیں۔ اُس کے لیے ان حوالہ میں بڑی بہت جوتی ہے کہ جس ملک میں وہ آباد ہے وہاں اس کی تعداد کتنی ہے؟ اس میں تنظیم ہے یا نہیں؟ اس کی تنظیمی حالت کیسی ہے؟ اس کی سماجی حالت کیسی ہے؟ اس کے اوپر ایک چھوٹا بوجھ ہے یا وہ پتھر ہے؟ انہی حوالہ کے جوہر پر اس کا مستقبل مختصر ہوتا ہے۔ اور اسی حوالہ کے لحاظ سے اس کو اپنی پالیسی متعین کرنی پڑتی ہے کہ ایک معمولی قسم کی جو کسی خاص قوم کی اطرائی سے وابستہ نہ ہو بلکہ انسانی زندگی کی قطع نظر کے لیے وہ ایک حرف ہے کہ کشتی اس کے ساتھ ہیں سوالات میں سے کوئی سوال بھی نہیں ہوتا۔ اس کے مسائل کی نوعیت بالکل مدد مری ہوتی ہے اُس کا خیال وہ ناکامی کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ اس کے حملے جانتے خود معقول ہیں یا نہیں؟ انسانی زندگی کے مسائل کو کہاں تک حل کرتے ہیں؟ وہ بالعموم نظم و ضبط انسانی کو کس حد تک اپن کرتے ہیں؟ اور اس کی طرف و طرف دیکھنے والے خود اس کی پیروی میں کتنے غلط اور گھٹنے صاف اور صاف ہیں؟



کہ کے اگر یزید کا اسی نام مری جیسے وہ جو ہے کہ جہاں وہ قوموں کے درمیان موقت  
ہوتی ہے وہیں میں خود فرضی کی مخالفت ہوا کرتی ہے اور وہ اس وقت تک قائم  
رہتی ہے جب تک خود فرضی اس کی تصفیٰ ہو۔ اور جہاں ان کے درمیان کشمکش و  
مخالفت ہوتی ہے وہاں دونوں کو صرف اپنی قوی طاقت، اپنی تعلیم، اپنے مادی وسائل  
اپنی تعداد اور اپنے مذہب، جنگی پروردگار، سکنا پڑتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ قوم کو  
جمہور میں جاتی ہے اور وہ طاقتور ہو رہا ہے جس کی ذاتی ہے جو فرضی کے مقابل میں پیش  
ڈنک، مذہب، پیشہ، جمیع امور فرضی کیوں مغلوب ہو گئے؟ تو ایسا مذہب، مذہب  
وہ اس قدر فرضی ہے کہ وہ اپنا پڑا، اسی ہے کہ مقابلہ ایک قوم اور دوسری قوم کا تھا۔  
دونوں طرف تو میں تھیں۔ لہذا جس کی قومیت، تعداد، طاقت و وسائل اور تنظیم میں  
بڑھی ہوئی تھی اس نے کمزور کر دیا۔ کوئی فرق بھی خاص انسانیت کی بنیاد پر ایسا اصول  
نے کرنا تھا تاکہ طاقتور فرق کے منافق کو اپیل کرتا اور اس کے خلاف خود دشمنوں میں  
ہے اس کو دوست بنتے ہیں۔

۱۔ ہوتی ہے ایک قوم کی حیثیت۔ اب خود کیجیے کوئی حقیقت یہ کہ مسلمانوں کی  
حیثیت اس دنیا میں اس بعد کی دنیا میں یہی ہے کہ کیا ہم میں اس لائل کا ریح اور بڑی  
تعداد کو بنایا ہوا ایک سلگرو (Sulgru) ہیں جس کی قومیت دنیا کی تمام قومیتوں کی  
طرح ناقابلِ تیغ ہو؟ کیا ہمارے مقاصد کی نوعیت بھی اپنی قومی مقاصد کی سی  
ہے جو دوسری قوموں کی طرح ناقابلِ فیملی ہو؟ کیا ہمارے مقاصد اسی قسم  
کے ہیں مقاصد ہیں جو مقاصد ہوں ایک قوم کی تعداد، تنظیم اور وسائل ہیں یہ مقاصد ہوتا  
ہے؟ کیا وہ اسلامی حکومت جس کا ہم نام یا کر نہیں ہیں یکتہی (National State)  
ہے جس کے قیام کی بنیاد ایک قوم کی کثرت، تعداد ہونا کرتی ہے؟ کیا قیام تعداد ہونے  
کی صورت میں ہماری حیثیت واقعی ایک قومی حیثیت (National Minority) کی رہ  
جاتی ہے جس کے لیے اکثریت کے ساتھ ہم ہر گز ہر نہ یا ہم اپنی افراد یہاں کے  
تصفیٰ کی تدبیریں اختیار کرنے کے ہوا کرتی اور ملکہ کار نہیں ہوتا؟ کیا حقیقت میں دنیا کے

دوسری قوم کی طرح ہم سے ہے۔ جی اُڑادی گا یہی غنیم ہے کہ ہیں غیر قوم کی حکومت کے  
 نہایت حاصل ہو جائے، اور کیا اپنی قومی حکومت یا اپنے اہل دلوں کی حکومت قائم ہو جائے  
 ہم سے متعلقہ کے لیے جی غرضی ہے؟

اگر واقعی یہی غرضی ہے تو یہ شبہ نہ سبب کہ یہی ہے جو مسلمانوں کی  
 قطعہ و حشر اس وقت کہ یہی ہیں۔ غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ مل کر اُڑادی کی بددعہ  
 جی یہی، بظاہر حکومت اسلامی ریاستوں کا مہاراجہ کرہندو امپیریلزم کا مقابلہ بھی یہی  
 فتح میں اور سرکاری خدمتوں میں اور انتخابی مجلس میں اپنی ناقص کامیابی یہی،  
 مسلم ریاستوں کی حمایت بھی یہی، تفسیر کلمہ کا مطالبہ بھی یہی، خاکساروں کی فری تنہیم بھی یہی،  
 اور وہ مسلم قوام پرستی بھی یہی جس کی بددعہ حق و عدل سے قطع نظر کر کے ہر اُس نام سے  
 کہہ سکتے ہیں پڑا ہوا ہے جو مسلمان قوم یا مسلمان شخص کو حاصل ہوتا ہو۔ وطن و سب  
 کہ یہی ہے کہ تو قومیت کا اُتار بھی ہے، قومیں یہی کہہ سکتی ہیں، ایک قوم جو کسی  
 اصول کی ممبر وہ نہیں بلکہ اصل اپنی قومی پیروی کی خواہش مند ہو، ان کے ہر کچھ اور اُڑادی  
 تدبیریں اختیار کر سکتی ہے، جتنی ہی سب چیزوں کے ساتھ کہ کوئی اسے غیر یہی ہے تو وہ  
 ہمدی و خوش فہمی ہے کہ یہ حیثیت اختیار کرنے کے بعد بھی ہم اس زمین پر حکومت اور  
 قائم کر سکیں گے، اور اگر اس حیثیت میں یہ خوب کئی شے تفسیر چری ہیں سکتے

اور اصل ایک کلمہ یہ نہیں بلکہ دوسری دنیا پر چھ بانٹنے کی قوت اگر ہے تو وہ صرف  
 ایک ہی اصولی ترکیب میں ہے جو انسان کی حیثیت انسان غلط کرتے ہو اور اس کے سامنے  
 خود اس کی اپنی نفع کے فطری اصول پیش کرتے ہو۔ قومیت کے برعکس یہی ترکیب ایک  
 تبلیغی طاقت ہوتی ہے۔ قومیت کے اصول انسانوں کے تعصب، قومی یا قوموں کے  
 طبع پر بند کرتی چیز ہیں اُس کا سہارا نہیں ہو سکتی۔ وہ ہر وقت، ہر جگہ خود کو قائم کر سکتی  
 جاتی ہے۔ اس کی طاقت کا انحصار اپنے پیروؤں کی تعداد یا ان کے دماغ پر نہیں جتنے ایک  
 ابدادی اس کا شہنشاہ کے لیے کافی ہے۔ ہر وہ خود اپنے اصول کی طاقت سے آگے  
 بڑھتی ہے۔ اپنے دشمنوں میں سے دست بردار کرتی ہے۔ سب قوموں میں سے



ہر سی، ہندو مت خارج کرتے ہوئے ہیں۔ ہندی مسیحیوں کے اصل جملہ بات ہے۔ مسلم ملک،  
 اور، فلک، جمیت اسلام لے آئے انفرس، سب کی اس وقت تک کہ تمام انسانوں میں  
 اصل کی طرح ہو کر اپنے کے حق میں رہیں۔ نہ ہم قوی تھیں ہی۔ آبادی کے لیے مناسب  
 رہے مسلمان کا انھیں ہے، وہ ہندوؤں سے ہندوؤں کی قوی جگہ ہے۔ مگر انہیں سے  
 و قیادت کی بنیاد پر ہدی ڈال ہے، ان کی باتوں سے ہندوؤں کے لیے سب سے پہلے نا اہل  
 مسلمانوں کو اپنے پیٹھے میں، د آئینہ کی حیثیت سے اپنے گھر کی میں خود سب سے  
 د اکثریت کی بنیاد پر اپنی قوی حکومت میں منظور ہے۔ ہندوؤں کے لیے تو وہ ایک  
 ہے اور نہ، ہے کہ ان کے ہندو مت کے سرگرمی کے علوم دہیں، ہندوؤں کی حکومت  
 غیر ہندو مت اور حکومت اس کی اصل کی قائم ہو کر ان کے خود ہی ہے۔ اس کے بعد ہم  
 انگریزوں میں بڑے، ہندوؤں کو بھائی، ہادی اور ہوم قادی کے مسلمان، سب کے لیے  
 پیش کریں گے۔ جس کے بعد کرے گا ہمارا حق ہے۔ انہیں اس سے انکار کرے گا  
 اس سے ہادی ڈال ہے۔ ان کے لیے اس کی فائز کتنی ہے اور ہادی کتنی۔

یہ پیشہ اختیار کرنے کے لیے اس کی ترکیب کر کے کر لینے کے لیے ہر ہادی ہے کہ ہم اپنے  
 شخصی اور قوی مفاد و اعراض کی بھول جاتیں، تمام تقبالت سے باخبر ہوجائیں اور ہر  
 بھولتی چیزوں سے غور و خیر میں سے ہندو مت کو دیکھ کر ان کے فتنے ہے۔ اگر ہم ہندو مت  
 کا مقصد ہوگا تو قریب ہر ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہادی دعوے  
 کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہادی دعوے  
 ہیں کہ ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہادی دعوے  
 ہر ہادی، ہادی ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہر ہندو مت کے لیے ہادی دعوے  
 دیکھیں مسلمان میں ان سے مسلمانوں کو کچھ معافی ہر ہادی دعوے، تو کوئی حق ہی ہوگا جو  
 اس کے ہادی یہ ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی  
 اپنی قائم کرے ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی  
 میں مسلمانوں کی فائز کریں تو ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی ہر ہادی



اسلام کی فرقہ وارانہ تمام گتھیں اٹھیں۔ اگر ہم تناسبِ بادی کے لحاظ سے تقسیم ملک کا مطالبہ کریں تو غیر مسلموں کو ہم میں اور خود اپنے آپ میں سورہ سے کوئی فرق ہی محسوس نہ ہوگا کہ وہ اپنے مقام چھوڑ کر ہمدی و صحت پر ایک کھنکھلی کوئی ضرورت سمجھیں۔ اگر ہم غیر مسلموں کی اصول پر مشترک وطن کو مسند قائم کرنے میں حائل ہیں تو ہندو سے اس فعل میں ہمدی و صحت میں ایسا مزاج خائف ہوگا کہ ہماری صداقت کیا حقیقت، صحت عقل تک مشتبہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس واسطے پر پھنسنے کے بجائے ہمیں یہ سب کچھ چھوڑنا ہوگا۔ بلاشبہ ہمیں اس سے بہت نقصان پہنچے گا۔ مگر ایسے نقصانات اٹھانے بغیر اس کی تو ایک دیکھی چلی ہے وہی سکتی ہے۔ ہر کچھ ہوتا ہے جاسے دو۔ میتنا میخ کے قول کے مطابق تجربہ جاتا ہے تو کرنا بھی چھوڑنے کے بجائے تیار ہو جاؤ تب ہی خدا کی بادشاہت زمین پر قائم ہو سکے گی۔

(ترجمان القرآن - جلد ۱۰، ۱۹۷۰ء)

## اسلام کی راہ راست اور اس سے انحراف کی راہیں

مسافروں میں سے جو لوگ پاکستان کے نصب عین پر اپنی نظر جاتے ہوئے ہیں، اور جو انگریزی حکومت سے ہمدونستان کی آزادی پر اپنی نامہ پیدائش کا افسانہ لکھتے ہیں، اور جو ان دونوں کے درمیان قطع راہیں تلاش کر رہے ہیں، ان سب کے اندر ایک چیز کے مشترک نظر آتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اسوہ کے اصل نصب عین کی طرف براہ راست چل کر آنا، سب لوگ سمجھتے ہیں، مطلقاً ایک ہی راستہ ہے، اور ان کو اس راستہ میں مائل نظر آتا ہے اور اس کو اس سے دیکھ کر وہ اپنی یاد میں جانب مڑ جاتے ہیں تاکہ پھر کے راستوں سے نکل جائیں۔ حالانکہ میں حق وجہ بصیرت، سمجھتا ہوں کہ اسوہ نصب عین تک کسی پیر کے راستے سے بہت غیر ممکن ہے۔ اس کی طرف اگر پیش قدمی کی جا سکتی ہے تو براہ راست ہی کی جا سکتی ہے، اور جو مطلقاً اس راستہ میں نظر آتی ہیں وہ ناقابلِ حیرت نہیں ہیں، بشرطیکہ ان کو صحیح طور سے سمجھنے اور دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے فقرے میں جو اصل دھڑکیں ہیں، ان کے ساتھ ہی میں اس کا تجزیہ کر کے ایک ایک جزو پر غور کروں گا۔

۱۔ اصل اسوہ نصب عین کی ہے؛

- ۴۔ اس کی غرض میں تھی کہ یہ عداوتہ کو مٹا دے۔
- ۵۔ اس عداوتہ میں وہ مصلحت نظر آتی ہیں وہ کیا ہیں؟
- ۶۔ ان مصلحت کو دیکھ کر پھر کے راستہ کو ان کو سے اختیار کیا ہے یا نہیں؟
- ۷۔ ان مصلحت کے استعمل میں غلط کیا ہے اور ان مصلحتوں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے؟
- ۸۔ مصلحت کے حقیقی مفید کیا ہے اور وہ کس طرح نفع دے سکتی ہیں؟
- ۹۔ یہ مصلحت ہیں جو ہر جگہ ان مصلحتوں میں غصہ و بغض سے کھل کر ملتی ہیں۔

### اسلامی منصب الیمن

پھر اس کا جواب لڑائی میں ہے جو کہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔  
 لَمْ يَكُنْ لَكَ اَوْلِيٌّ كَتَبْتُكَ بِمَا كُنْتَ تَكْتُبُ  
 لَمْ يَكُنْ لَكَ اَوْلِيٌّ كَتَبْتُكَ بِمَا كُنْتَ تَكْتُبُ  
 (التوبہ - آیت ۳۰)

”وہی ہے زمین و آسمان میں لے اپنے رسول کو ہدایت دے دینے والی  
 کہ جس طرح وہاں کہ اس کو پوری جتنی دینی ہدایت کہہ سکو وہی ہدایت  
 کو کتاب ہی نام کر رہا ہے۔“

اس آیت میں آنحضرتؐ کی ہدایت سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح  
 طریقہ ہے۔ نہ انفرادی برتاؤ، نہ انسانی نظام، نہ سماجی کی ترکیب، نہ سماجی معاملات،  
 نہ نظام، نہ سیاسی حکومت، نہ بین الاقوامی تعلقات، نہ غرض زندگی کے تمام پہلوؤں  
 میں انسان زندگی کے لیے صحیح روایت کیا بن چکا ہے۔ یہ چیز اللہ کے اپنے رسول کو بتا  
 کر بھیجا ہے۔

کہہ دے یہ چیز خدا اللہ کا رسول کے کرایا ہے وہ دینیت حق ہے۔ دین کے معنی  
 احکامات کے ہیں۔ مکیش اور مذہب کے لیے جو دین کا لفظ استعمال کرتا ہے یہ اس  
 کا اصل مفہوم نہیں ہے بلکہ اس کو دین سے مراد ہے کچھ ہیں کہ اس میں بھی انسان فیصلہ







اعطاعت اس ایک بڑے قانون کے ماتحت ہر ملنے تمام اطاعتیں بشکل اعطاعت کے تابع ہوں۔ ان سب کو ٹنکھنڈ (Tinkhund) کہتے ہیں ایک اللہ ہی کا قانون ہے اور اس بڑی اعطاعت سے اس منابضہ قانون کی حد سے باہر کوئی اعطاعت باقی نہیں ہے۔ یہ رسول کا حق ہے اور رسول یا اس مشن کو پہنچانے پر واجب ہے، خواہ اللہ کو ملے جائے اس پر کتنی ہی تک جوں پر جاتیں۔ ترک کرنے والے کو یہی ہر سبب ہوگا۔ جو اپنی انفرادی ذات یا جمعی زندگی میں اللہ کی اعطاعت کے ساتھ دوسری مستقل اعطاعت (یعنی خدائی اعطاعت سے زیادہ) اطاعتیں شریک کرتے ہیں۔ جہاں تک اللہ کے قانون فیض (Law of Mercy) کا تعلق ہے، ہر انسان فرماؤ گا کہ اس کی اعطاعت کو رد ہے کہ اس کے بغیر جو اس کے لیے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ مگر جہاں تک انسان کے دائرۂ اختیار کا تعلق ہے، اس دائرے میں بعض انسان تو بالکل ہی غیر اللہ کے تابع ہیں جہتے ہیں اور بعض انسان اپنی زندگی کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے کسی حصہ میں خدا کے نیچے ہر نئے قانون اخلاقی و شریعت کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی دوسرے حصے میں اپنے خیر و دوسروں کی اعطاعت پر جوتے ہیں۔ اسی چیز کا نام اللہ کی اعطاعت کے ساتھ دوسری اعطاعت کو شریک کرنا ہے، اور جو لوگ شرک کی ان مختلف صورتوں میں مبتلا ہیں ان کو یہ بات ناگوار چلتی ہے کہ اپنی فطری اعطاعت کی طرح اپنی اختیاری اعطاعت و بندگی کو بھی بالیقینہ اللہ کے لیے خاص کر دیں۔ خواہ نادانی کے سبب سے یا اعتساف کو زور دینے کے سبب سے، ہر عمل و شرک پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول پر یہ فرض ملتا تھا کہ یہ سب دلوں کی اعطاعت کے بعد اپنے ملن کو پورا کرے۔

#### ۴۔ اس منصب العین تک پہنچنے کا سیدھا راستہ

یہ ہے اسلامی منصب العین۔ اور اس منصب العین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لیے ماہر اعطاعت وہی ہے جو اللہ کے رسول نے اختیار کی، یعنی یہ کہ لوگوں کو اللہ کا اور وہی حق کی طرف رجوع دے دے۔ ہر جو لوگ اس منصب کو قبول کر کے اپنی بندگی و

الاحصاء کہ اللہ کے لیے خاص کر دیں، دوسری اقساموں کی اللہ کی احصاء کے ساتھ شریک کرنا چھوڑیں، اس قدر کہ قانون کو اپنے زندگی کا قانون بنالیں، جو ایک ضرورہ مقابلیہ ہے۔ پھر یہی نام اُن اقلوں، معمولاتی و ساختہ جو اس کے احکام میں ہیں، دین حق کو قائم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرے، یہاں تک کہ اللہ کے سوا دوسری اقسامیں جو اُن اقلوں کے بل پر قائم ہیں اُن سب کا اندوٹ لے لیتے اور پر سے نظام الاحصاء ہٹا دیں، اُنہی کو "اُتھرنی" اور "دین حق" غالب آجائے۔

اس راہ راست کا ہر نچر قابلِ فخر ہے۔

پہلا نچر یہ ہے کہ انسانوں کو باجموع اللہ کی مالکیت و اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لے اور اس کے نیچے ہر نئے قانون کو اپنی زندگی کا قانون بنانے کی دعوت دی جائے۔ یہ دعوت عام ہوئی چاہیے، ہر دفعہ جاری رہنی چاہیے، اور اس کے ساتھ دوسری غیر متعلق باتوں کی آمیزش نہ ہونی چاہیے۔ قومی اور شعروں اور ملکوں کے باہمی جھگڑے خود اپنے آپ سے ہی اور سیاسی مفادات کی بخش، غیر الہی نظام میں سے ایک کدھر سے پرخرج دیتا، یہ کسی ایسے نظام فاسد کی خود منہ مناد صورت کر لے، یا کسی نظام فاسد میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش کرنا، یہ سب چیزیں نہ صرف یہ کہ "اُتھرنی" اور "دین حق" کے ساتھ میل نہیں کھاتیں بلکہ مزید طور پر اُن کے معانی اور اس کے لیے معززت دیاں ہیں۔ پس جب کسی شخص کو دعوت حق کی خدمت انہم دینی ہو تو اُسے اپنی تمام جھگڑاؤں اور بحثوں سے الگ کر دینا چاہیے اور اپنی دعوت کے ساتھ کسی دوسرے غیر متعلق اندھے مولے نیچے کو قاتل نہ کرنا چاہیے۔

دوسرا نچر یہ ہے کہ جمہوریت اُن لوگوں کا بننا جسے ہم اس وقت کہہ کر اللہ کے بقول کہیں، جو زندگی و احصاء کوئی عارضہ اللہ کے لیے خاص کر دیں، جو دوسری اقساموں کو اللہ کی احصاء کے ساتھ ذاتی شریک کرنا چھوڑیں اور حقیقت میں اللہ کے قانون کو اپنا قانون زندگی بنالیں۔ سب سے دوسرے لوگ جو اس طرز خیال یا اس طرز زندگی کے معنی معززت ہوں، یہ اس سے بھڑکی لگتے ہوں، تو وہ مجاہدہ کرنے والے جگہ کے پیلو یا مسی،





### ۳۔ مشکلات

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی عقلی مستقل سیاسی جماعتیں ہیں۔  
 قریب قریب سب کا دعویٰ یہی ہے کہ ہمارا نصب العین مولیٰ نصب العین ہی ہے۔  
 مگر ان سب نے اُس داورِ مست کو چھوڑ دیا ہے جس کی تشریح ابھی یس نے بیان کی ہے۔  
 وہ "تو انہدی" اور "دین من" کی خاص سہائیز و عروت نام دیتی ہیں، اور اُس پادری کی تشیل  
 کرتی ہیں جس کی قیادت و رکنیت صرف اُن لوگوں تک محدود ہو جاتی ہیں جن کی  
 افادیت کو اللہ کے لیے خاص کرتے ہوں۔ اور وہ غیر متفق مفاد کو چھوڑ کر صرف اُس  
 ایک مفاد کو اپنی کوششوں کا بدت بناتی ہیں جس کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے۔ راہِ راست  
 کبھی تخیل، جزو سے یہ سب جماعتیں غفلت ہیں۔

اس انحراف نے حقیقت جماعتوں کے مسلک میں کیا کیا حدتیں اختیار کی ہیں یہاں  
 کی تفصیل تو میں بعد میں بیان کروں گا۔ پہلے یہاں انحراف کا سبب بتا دینا چاہتا ہوں۔  
 اس کا سبب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اصل اسلامی نصب العین کی طرف براہِ راست چشتی کی

---

(غیر حاشیہ) تو اگر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اسلام کی حکومت اور کفر کی حکومت دونوں یکساں ہیں۔  
 اور اگر آپ دوسری بات کہتے ہیں تو براہِ کرم اچھی طرح غور کر کے بتائیے کہ حکومتِ اسلام اور حکومتِ  
 کفر کے درمیان کیا فرق کیا ہے اور ایک کے رفق اور دوسرے کے باطل ہونے کی وجہ آپ  
 کس طرح کریں گے بلاشبہ ان باتوں پر غور کیا گیا ہوتا تو سمجھ میں خود یہ بات آجاتی کہ حکومتِ  
 اسلامی کا بنیادی نظریہ اسلام کے عقیدہ و قواعد و رسالت سے گہرا تعلق رکھتا ہے اور یہ پسینہ  
 خونی نہیں ہے بلکہ اساسی اہمیت رکھتی ہے۔ اللہ کی راہ میں مائیکسٹ غیر اللہ کا انکار اور  
 اللہ اللہ کے اثبات ہی میں مائیکسٹ اللہ کا استہوار شامل ہے اور یہ بنیاد ہے اسلامی  
 حکومت کی۔



## ۴۔ انحراف کی راہیں

بھی تھی شکوک ہیں جن کو اس راہ میں غافل دیکھ کر لوگ دین میں اور بائیں رخ پر  
راستہ گزرنے والے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جزئیات کے اعتبار سے قصہ دو گن کھربت  
اور عملی طریقوں میں جو اختلاف ہیں ان کو نظر انداز کر کے بڑی دراصلی تقسیم اگر کی جائے تو یہ  
مردہ میں مل جاتا ہے تقسیم ہو جاتا ہے۔

ایک دہ گروہ جو کہتا ہے کہ پہلے میں ہندوستان کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ بروقت  
کر کے اس ملک کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرانا چاہیے تاکہ یہاں ایک مشترک جمہوری  
اسٹیٹ قائم ہو جائے۔ یہ مرحلے جو جانے کے بعد ہم تہہ سیکہ اس اسٹیٹ کو اسلامی  
اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کے لیے کوشش کریں گے۔

دوسرے گروہ جن کا خیال ہے کہ پہلے انگریزی اقتدار کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر  
بہمیں مستقل ہندو اکثریت کے مسئلہ کا سد باب کرنا چاہیے، اور اسی تدبیر کر لی جائے کہ  
اس ملک میں ایک جمہوری اسٹیٹ کے بجائے دو اسٹیٹ قائم ہوں۔ ایک ہندو اسٹیٹ  
جن میں مسلم اکثریت کی وجہ سے اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے وہ دوسرا ہندو اسٹیٹ  
جن میں ہندو اکثریت کی وجہ سے اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ میں جائے گروہوں سے زیادہ  
جو آئینی تحفظات ممکن ہیں ان کے ذریعہ سے مسلمانوں کی پوزیشن محفوظ ہو جائے۔ یہ مرحلہ  
میں ہو جائے کہ بعد ہم مسلم اکثریت واسطہ اسٹیٹ کو بتدریج اسلامی اسٹیٹ میں  
تبدیل کریں گے اور پھر ہندو اکثریت واسطہ اسٹیٹ میں تیز و واضح کی کوشش  
کریں گے۔

تیسرا گروہ جو موجودہ صحت میں وحدت عام اور ایک مقبول پارٹی کی تشکیل کا خیال  
بنانے کے لیے اسلام کو ایک دوسرے سانچے میں ڈھانا چاہتا ہے، تاکہ وہ ان لوگوں کے  
پے قابل تر ہو جائے جو اسلامی عقائد اور جملات، وہ مقام شریعت کی بندشوں سے  
گھبراتے ہیں۔ اس گروہ نے اگرچہ کئی مستقل جماعتی صورت اختیار نہیں کی ہے، مگر بے شمار

ہے کہ اس فن خیل کے لوگ ایک اچھی خاص تعداد میں پیدا ہو گئے ہیں انسان کی تحریر میں  
بہت عادت جینی سے گزر رہی ہیں۔

## ۵۔ منحرف راستوں کی غلطی

اس میں ان میں سے ایک ایک گروہ کے طریقہ پر ایک ایک تنقید کر کے بتاؤں گا  
کہ ان طریقوں میں غلطی کیا ہے۔ ان میں سے سوا ایک غلطی کے سوا باقی سب غلطیاں  
کس طرح کی ہیں۔ اور ان چیز کے راستوں سے اصل اسلامی نصب العین تک پہنچنا  
غیر ممکن وقوع کی بات ہے۔

۱۔ آزادانی ہند کو مقدم رکھنے والے

یہ گروہ زیادہ تر علماء و مذہبی زیارات کے لوگوں پر مشتمل ہے اور باجموعہ اس گروہ کے  
لوگوں کے گروہ کی بہت زیادہ مذہبی ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے افکار پر چھک سب سے  
زیادہ انہوں سے ہے۔ ان حضرات سے مذکورہ بالا مشکلات سے حوصلہ نہ ہو کر یہ خیال قائم کر لیا  
کہ جو جو مصلحتیں ہیں اصل اسلامی نصب العین کی طرف براہِ راست پیش قدمی نہیں کی جا سکتی  
اس لیے انہوں نے اپنی کوششوں کا مقصد یہ بنایا کہ ہندوستان انگریزی اقتدار سے آزاد  
ہو جائے۔ مقصود یہ جاننے سے واقف رہا کہ اصل غلطی اسلام کی براہِ راست کے تین  
اجزاء میں سے پہلے کی ہے، ان کا ساتھ ہر جہز میں دوس سے مختلف ہے،

۱) دعوت کے باب میں اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی ایک واحد تعالٰی  
تسلیم کرنے کی طرف بلایا جائے۔ مگر یہ ہندوستان کے ہستندوں کی اس طرف توجہ ہے کہ تم  
خدا ایک الگ ہے۔ یہ غیر اپنی اقتدارِ اعلیٰ کی ہی نہیں کرتے بلکہ صرف انگریزی اقتدارِ اعلیٰ کی  
نفع کرتے ہیں۔ اور یہی اقتدارِ اعلیٰ کا ثبوت بھی نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ ہندو مذہب  
کی خود اختیار کردہ جہزِ اعلیٰ کا ثبوت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شرک ہر سبکی صفت  
سے انگریزی اقتدارِ اعلیٰ اور جہزِ اعلیٰ کا ثبوت نہیں ہے۔ ہندو لوگوں کی دعوت  
مراشر سوا کی جگہ صاحب اسلام دعوت ہے۔

ہن کے نزدیک انگریزی اقتدار کے مقابل میں جبرِ داخلی اور اختیارِ اندرونی انگریزی اثریت کے مقابل میں ہندوستانیوں کی قانون سازی قابلِ ترمیم ہے۔ تاکہ اس کی نقطہ نظر سے دونوں یکساں بن سکیں۔ یکساں اثر اور یکساں نصیب و نصیبیت ہیں۔

پھر اگر برآمد ہندوستانی کے درمیان قومی و وطنی عداوت و تعصب کی آگ بجھانے میں حصہ لیتے ہیں۔ تاکہ اسلام کی دعوت عام کے راستہ میں بے رکاوٹ ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انگریز اور ہندو مستقل دونوں انسان ہیں۔ وہ دونوں کو یکساں اپنی دعوت کا مطلب بنانا ہے۔ اس کا جھگڑا انگریز سے اس بات پر نہیں ہے کہ وہ ایک ملک کا باشندہ ہو کہ وہ سرے ملک پر حکومت کیوں کرتا ہے۔ بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ خود کی حاکمیت اور اس کے قانون کی اطاعت کیوں نہیں تسلیم کرتا۔ اس مسئلہ اس بات پر اس کا جھگڑا ہندوستانی سے بھی ہے۔ وہ دونوں کو ایک ہی بات کی طرف متوجہ ہے۔ ایک کھادی ہی کو دوسرے سے بڑا اس کی حیثیت کے معنی بنتے۔ کیونکہ اگر وہ ہندوستانی اور انگریز کے داخلی دعوئی جھگڑے میں ایک کا رخ اور دوسرے کا مخالف بن جائے تو انگریز کے دل کا صفحہ اس کی دعوت کے لیے بند ہو جائے گا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف اسلام کے داعی بنتے ہیں اور دوسری طرف اس داخلی اور قومی جھگڑے میں فرقی بھی بنتے ہیں تو اصل اسلام کے مفاد کو ہندوستانیت کے مفاد پر قربان کرتے ہیں۔

ہن تمام بنیادی غلطیوں کے ساتھ یہ حضرات کبھی کبھی اسلام کی تبلیغ بھی فرمایا کرتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر ایک قوم دوسری قوم پر ظلم کرے یا اس کے حقوق تلف کرے تو اس قوم مظلوم قوم کی حیثیت نہ کرے گا۔ بلکہ حقیقت اس کا مطلب یہ ہے کہ قومیت اور وطنیت کی بنیاد ہندو قوموں تو ہمیں جو نزاع ہوگی، اسلام اس میں کوئی حصہ نہ دے گا۔ نہ ظالم کو دعوت کرے گا، نہ اس سے کہ وہ خود قوم کا دے گا، بلکہ اس لیے کہ وہ ظالم ہے۔ اس کا ہی طرح وہ مظلوم کی تائید بھی اس حیثیت سے کہ وہ خود قوم سے ملحق نہ کہتے بلکہ مظلوم سے کہ مظلوم ہے۔ (تقریر)

مگر یہی تبلیغ کسی توڑ میں ہو سکتی۔ ایک سادہ سے دو بالکل مختلف افادوں میں کراہد ایک  
نہاں سے دو قطعی متضاد باتیں سماعت کر کے آخر کون متاثر ہو سکتا ہے؟

(۲) تشکیل جماعت کے باب میں یہ حضرت اس سے بھی زیادہ فطیلت ہیں۔ اول تو کثرت  
کی وصیت دہل جانے کی وجہ سے خود ہی جماعت کی ترکیب اور اجوائے ترکیب کے متعلق  
ان کا نقطہ نظر بدل گیا ہے۔ پھر مسلمان قوم کے تخیل سے پریشان خیالی کے یہ ایک اور  
وجہ بھی پیدا کر دی ہے۔ ان اسباب سے یہ ہر قسم کے رعب و یاس ندری اٹھنے لگتے کر پھرتے ہیں۔  
بعد ان آدمیوں کے اقوال و افعال میں ایک وقت جیسوں قسم کی مستحباتوں کا گہرہ جوتا ہے۔  
ایک متحد المواجه فلسفہ کی حمایت کے لیے آپ انھیں تو لا محالہ آپ اپنی بالی کیسے  
اپنی آدمیوں کا انتخاب کریں گے جو کیسویں کے ساتھ اس خاص نظریہ کے متبع ہوں۔ بحکام  
اس کے ایک منوط اور غیر معنی مزاج رکھنے والے نظریہ کو اسے کر جب آپ انھیں لگے  
تو آپ کا سبب انتخاب اکثر ان تیرہ سے اٹار ہو جائے گا جو متحد المواجه نظریہ کے لیے ناگزیر  
ہیں۔ کچھ متفق ہوئی جیسے ایک مجلس میں شریک ہونے کا موقع ملتا جہاں ہندوستان  
کی ایک بہت بڑی ذمہ دار جمیعت کی مقامی شاخ کو منظم کرنے پر گفتگو ہو رہی تھی۔ کچھ دیر  
کی بحث و تمحیص کے بعد جو باقاعدہ رپائی وہ یہ تھی کہ رکنیت کے فائدہ میں کرایے جاتیں اور پندرہ  
دن کے اندر دیا نہ سے زیادہ ممبر بھرتی کر کے ارکان کا ایک جتنہ نام کر لیا جائے جس میں جتنی  
کا انتخاب ہو جائے۔ یہیے اس جمیعت کی شاخ منظم ہو گئی۔ اس طرح جماعت جماعت کے  
ٹوٹی صحن رکنیت کے فائدوں پر دستخط کر کے اور آئندہ سالہ نہیں ہو کر کے ان جماعتوں میں  
داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر انہی آدمیوں کے درمیان سے عقوبت ہو کر وہ لوگ برسر کار آتے ہیں  
جو کام دہشتی و سربراہ کاری کرتا ہے۔ اسی لیے ہی لوگوں کی متفقہ خواہشات کا پھیلنا  
بستی اور بگڑتی ہیں۔ کیا کوئی شخص توقع کر سکتا ہے کہ جماعتی تشکیل کے اس طریقہ سے کبھی اسلامی  
نصیب زمین کی طرف بھی کوئی خوش ندری کی جا سکتی ہے؟

(۳) اسی طرح تیسرے جگہ میں بھی بنی کا طریقہ اسلام کی باور راست سے ہٹا ہوا ہے۔  
جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اسلام براہ راست غیر اسلامی نظام اجماعت پر عمل کرتا ہے۔

اس کا تعلق ہے کہ تمام ممالک کو مائیکسٹریٹ کے قیام و ثبات پر مرکوز کر دیا جائے۔  
 لیکن اس کے برعکس یہ لوگ اپنی سی وید کلائم پر مبنی نظام اطاعت کی تخریب اور مائیکسٹریٹ  
 حوام کے قیام کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ یہ مریخ اخراجات ہے موائے مستقیم ہے۔ اس اخراجات  
 پر جب اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ برطانوی نظام اطاعت اسلامی نصیبین  
 کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے، ہم تنہا اس رکاوٹ کو دودھ نہیں کر سکتے، اس لیے  
 پہلے دوسرے کی مدد سے اس کو دودھ کریں، پھر اصل منزل مقصد کی طرف بڑھنے کے لیے راستہ  
 نشان پر ہونے لگے۔ مگر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ راستہ نشان کیجے ہو جائے گا وہاں ہر بات ہے  
 کہ ایک نظام اطاعت یا دین کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسرے نظام اطاعت یا دین کی قائم نہیں  
 کیا جاسکتا جب تک کہ نفس انسانی میں پہلے نظام کی تخریب، دوسرے نظام کی تعمیر  
 کا خیال اور ارادہ کمال و درجہ قوت کے ساتھ مستحکم نہ کر دیا جائے۔ اگر ہندوستان کے موجودہ  
 اگر یہی نظام اطاعت کی جگہ آپ جمہوری نظام اطاعت قائم کرنا چاہیں تو یہ انتہا پرورد  
 اسی طرح ممکن ہے کہ آپ ہندوستان کے دوں میں مائیکسٹریٹ کے بجائے خود  
 اپنی مائیکسٹریٹ کے برحق ہونے کا قائل اور مؤلف ملک بن جائے گا عزم پوری شدت  
 کے ساتھ پیدا کر دیں۔ برعکس اس کے اگر آپ ہندوستان میں ہی نظام اطاعت قائم  
 کرنا چاہیں تو یہ انقلاب بنیں اس کے ممکن نہیں ہے کہ حوام اس کو خود اپنی مائیکسٹریٹ  
 دست بردار ہوئے اور غیر اللہ کی مائیکسٹریٹ کا انکار کر سنے پر گوارہ کریں اور اللہ کے ملک  
 ملک ہونے کا عقیدہ ان کے دلوں میں اتنی قوت کے ساتھ بٹھائیں کہ وہ اس کی مائیکسٹریٹ  
 کے آگے برضا و رغبت سر خم کر دیں۔ اب سوال یہ ہے کہ میں لوگوں کا آخری مقصد اپنی نظام  
 اطاعت کا قیام ہے یا کس طرح مائیکسٹریٹ ہو، وہ اس اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے  
 ذریعہ کے طور پر یہ تدبیر اختیار کر سکتے ہیں کہ حوام اس کے دل میں خود اپنی مائیکسٹریٹ کا عقیدہ  
 اور اللہ اتنی قوت کے ساتھ بٹھائیں کہ اس کے دلوں سے وہیں انگریز کی مضبوطی ہوئی ہوئی  
 انگریزوں کا دین جمہور کی جڑیں زمین میں جگہ پڑیں، جہاں حاکمہ ملوک کے دلوں میں اپنی  
 مائیکسٹریٹ کا عقیدہ اور عزم اتنی قوت کے ساتھ جم گیا ہو کہ وہ لوگوں کو خدا و نبیوں کے آگے







یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پہلے گمراہ کی طرح اس گمراہ کا راستہ بھی راہِ راست کے تیوں اجزا سے مختلف ہے۔

(۱) پہلے دعوت کو ایسے۔ ان کے مقلد اور پیروں کی تقریریں، ان کی غلط فہمیاں کی غلط فہمیاں، ان کے کارکنوں کی باتیں، ان کے اہلِ قلم کی تحریریں، سب کی سب اس امر کی ضمانت دیتی ہیں کہ یہ دعوت اصل میں ایک قوم پرستانہ دعوت ہے یا اس کی پھر اسلام کے نصب العین کی طرف ہیں۔ بلکہ اس طرح ہے کہ یہ دعوت صرف تہذیب پر مرکوز ہے۔ اسی کی طرف ہیں اپنے ذہنی مفاد کی حفاظت کر رہے۔ گویا میں مسرور آزادی پسندوں نے انگریزوں کو اپنا قومی حریف بنالیا ہے، اسی طرح انہوں نے ہندوؤں کو اپنا قومی حریف بنالیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ لڑائی آزادی پسند، حضرت ایک سطح پر کھڑے ہیں۔ یہی چیز ہے ان کی بنیاد۔ ان کی مدد کو اسلام کے لیے اہلِ زیادہ معزیتا دیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تو دین اور مافیہ حدود کے نام پر لڑتے ہیں، اگر یہ اپنی قومی اور ذہنی لڑائی میں ہمارا اسلام اور مسلمان نام لیتے ہیں جس کی وجہ سے اسلام خواہ مخواہ ایک فرقہ بن گیا ہے اور غیر مسلم تو ہیں اس کو اپنا سیاسی اور مذہبی حریف بن گئے گی ہیں۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف اپنے آپ کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے قابل نہیں بنایا ہے بلکہ اسلام کی شرافت کے راستے میں اتنی بڑی مصلحت پیدا کر دی ہے کہ اگر دوسرے مسلمان بھی کام میں آجائیں تو غیر مسلموں کے دلوں کو اسلام کے لیے متغیر پائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ اس قوم پرستانہ دعوت کے ساتھ لوگ کبھی بھی اسلام کی خوبیاں اور اس کے اصول کی تفصیل سمجھ سکیں گے۔ یہاں کیا کرتے ہیں۔ مگر اہلِ قوم پرستی کے نہیں منظر میں یہ چیز ایک اصولی دعوت کے بجائے صرف ایک قومی تقاضا ہے کہ ہائی ہے۔ اہلِ مزید براں دعوتِ اسلام کے ساتھ جن دوسری باتوں کی یہ آمیزش کرتے ہیں وہ بالکل اس دعوت کی ضد ہیں۔ ایک طرف اسلامی نظامِ حکومت کی تبلیغ اور دوسری طرف ان مسلمانوں کی باتوں اور حکمتوں کی حمایت جن کا نظام بالکل غیر اسلامی ہے،

ایک طرف اسلامی نظام میں شریعت کی تشریح اور دوسری طرف خود اپنی قوم کے مفاد و فلاح کی تائید و حمایت، ایک طرف انسانی قانون و عدلیہ کا اصول و بطلان اور دوسری طرف خود قانون و عدلیہ میں اپنے حق کا مطالبہ، ایک طرف حاکمیت دہش علیین کا قیود و اثبات اور دوسری طرف حاکمیت جمہور کے اصول پر خود اپنی قومی حکومت کے قیام کی فکر، ایک طرف انسانیت کی نسل، قومی اور وطنی تقسیم کا ابطال اور دوسری طرف بروقت قوم کا شہدادہ خود قیامت کے اصول پر دوسری قوموں سے ہمدردی و کشمکش، ایک طرف بے غرضانہ حق پرستی اور دوسری طرف شب و روز اپنے دنیوی مفاد کا زور و قائم، ایک طرف اسلامی تہذیب و تمدن پر خود تازہ دھارے کی حفاظت کے لیے پُر شدہ نام بندی اور دوسری طرف اُسی تہذیب و تمدن کے باغیوں اور قاتلوں کی سرکاری و پیشوائی، یہ دونوں چیزیں آخر کس طرح ایک ساتھ نبھ سکتی ہیں؟ منطقی سے بودی و ہر رنگ متین دستگیری ایسی شخصہ باتوں سے دیا نہ گب اثر قبول کیا ہے کہ کُج ان سے اسلام کا جھنڈا زمین میں گرا جائے کی امید کی جاتی ہے؟

(۷۲) اب دیکھیے کہ یہ اپنی جماعتی تشکیل کس وضع تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کا قیام و بقاء یہ ہے کہ یہ ان سب لوگوں کو جو اندرون سے پیدائش مسلمان قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی جماعت کی رکنیت کا جواز دیتے ہیں اور جو اس کو قبول کرے اُسے ابتدائی رکن بناتے ہیں۔ پھر انہی ابتدائی ارکان کے مدد و ترغیب سے ذمہ دار لایا کی اور جہد و جہاد منتخب ہوتے ہیں اور انہی کی کثرت و رشتہ سے تمام معاملات انجام دیا جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ صرف قومی تنظیم ہی کے لیے محدود ہو سکتا ہے اور اس طریقہ سے جو نظام بنتے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا کہ ایک قوم کی خواہشات جیسی کچھ بھی ہوں ان کے حصول کی کوشش کرے۔ یہی ایک اصولی طور پر، تو اس کو چلانے کے لیے یہ طریق جماعت سازی و صورت بہ لکڑیہ سوز ہے۔ ایک قوم کے تمام افراد کو جس دھڑے کو وہ مسلمین ہیں، جیتی سنی ہیں مسلمان فرض کر لینا اور یہ امید رکھ کر ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا، پہلی مدد فیاد ہی ملے گی۔ یہاں جو عظیم جس کو

مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ اس کا حلال یہ ہے کہ اس کے ۹۹ فی ہزار افراد کو مسلم کا علم رکھتے ہیں۔  
 روح اور باطل کی تیز سے کشیدگی، ذہن کا عقل نقطہ نظر دور ہونی کو ہوتے اسوم کے مطابق  
 تبدیل ہوتا ہے۔ باپ سے بیٹا بد بیٹے سے پوتے کو یہ مسلمان کا نام بتا چلا رہا ہے  
 اس لیے یہ مسلمان ہیں۔ وہ انہوں نے حق کو حق کہاں کر اسے قبول کیا ہے۔ ذہن کو باطل  
 جان کر اسے ترک کیا ہے۔ ان کی کثرت راستے کے ہاتھ میں باگیں دے کر اگر کوئی شخص  
 یہ امید رکھتا ہے کہ گاڑی اسوم کے رستے پر چھٹک تو اس کی خوش قسمتی قابلِ رد ہے۔

(۳) اس کے بعد اس عریقہ کا جائزہ لیجیے جس سے یہ بزمِ خود اسویٰ نصب نہیں  
 تک پہنچنے کی امید رکھتے ہیں۔ بن کی تجویز ہے کہ پہلے اسی جمہوری دستور کے مطابق  
 جو اگر بڑی حکومت یہاں نافذ کرنا چاہتی ہے۔ مسلم اکثریت کے ممبروں میں مسلمانوں کی  
 اپنی حکومت قائم ہو جائے، پھر کشمکش کی جگہ لی کو یہ قومی حکومت اسلامی نظام  
 حکومت میں تبدیل ہو جائے۔ لیکن یہ ویسی ہی غلطی ہے جیسی اتحادی ہند کو

ملہ اس موقع پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مسلم لیگ کے کسی رہبر و پیشوا ایک کے ذمہ دہیمنوں میں سے  
 کسی کی تحریر میں نہ ایک ہی بات واضح نہیں کی گئی کہ اس کا نظریہ مع نظر پاکستان میں اسویٰ نظام حکومت قائم  
 کرنا ہے۔ مگر اس کے ان کی طرف سے بدعت و بد نظریہ میں پورا اظہار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان  
 کے چلنے نظر ایک ہی جمہوری حکومت ہے جس میں وہی غیر مسلم قومی ہی حتمہ نہ ہوں مگر اکثریت کے  
 حق کی بنا پر مسلمانوں کا حق غالب ہو۔ جتنا دیکھیں اس وقت کے لیے خود اتنی بات کافی ہے کہ ہندو  
 اکثریت کے خلاف وہ وہی بدعت و بد نظریہ میں چل رہے ہیں۔ ان کا یہ کہ حکومت قرآن پاکستان  
 میں ہی ویسی ہی جیسا ہندوستان میں ہوگا۔ ان کا اس نصب میں پر جب یہ طریق کیا گیا کہ مسلمانوں کی  
 گوارہ حکومت اسویٰ نظام کے غیر مسلموں کی گوارہ حکومت کے قیام کی یہی قابلِ تزیہ ہیں۔ جس سے  
 زیادہ قابلِ منت ہے کہ وہ ہندوستان میں اس کے خلاف اس کی جواب دہیہ بدعت و بد نظریہ پاکستان کی حق کی منت و فر  
 میرا نہ ہو جس میں اس کی کوئی ذمہ دہیہ منت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا شروع کیا کہ مسلم اکثریت کو جب یہ اختیار  
 حاصل ہو گا تو اسے تمام نظام حکومت بے شکل کر دینگے۔ یہ وہی ہے کہ اس وقت تک کہ اس کی منت و فر  
 جب یہ مسلمانوں کا کیا تھا۔ (وہید)

مقدم لکھنے والے صحرائے کر رہے ہیں۔ اس کی تجویز پہلے ہی محترفات میں بیحد ہی محترفات  
 ان کی تجویز پر ہی رہی۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صدر میں مالکیت  
 جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار مالکیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو  
 سکتا ہے۔ جیسی مسلم اکثریت اس خوفناک پاکستان میں ہے، ویسی ہی ایک محدود حیثیت  
 سے بہت زیادہ بردہ مست اکثریت افغانستان، ایران، عراق، ترکی اور مصر میں موجود ہے۔  
 اور وہاں اس کو نہ پاکستان میں ملے جس کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہ کیسے وہاں  
 مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت نہیں کے قیام میں مددگار ہے یا برکتی نظر  
 آتا ہے یا مددگار، ہونا تو درکنار، میں یہ چھتا ہوں، کیا آپ وہاں حکومت بھی کی تیاری کر کے  
 یہاں بھی یا بعد یعنی سے کم کوئی سرزنش کرنے کی امید کر سکتے ہیں؟ اگر آپ وہاں کے حالات سے  
 کچھ بھی واقف ہیں تو آپ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرأت کر سکیں گے۔  
 اور جب صورت حال یہ ہے تو آپ کو خود کو ہاتھ پیٹنے کہ آخر اسلامی انقلاب کے راستہ میں  
 مسلمانوں کو اس کی آزاد حکومتوں کے ساتھ راہ ہونے کا سبب کیا ہے۔ اس مسئلہ کو حقیقی تحقیق  
 آپ کریں گے جواب اس کے سوا کچھ نہیں ملے گا کہ دراصل اصطلاحات و فلسفہ مسلمان ہونا ان چیزوں سے  
 اور فلسفہ ریاضیات و فلسفہ ہنگامہ کا اسلامی ہونا بالکل یکساں دوسری چیز۔ جو لوگ حدیث و احادیث  
 کے اعتبار سے مسلم نہیں مگر صرف اصطلاحی و فلسفی حیثیت سے مسلمان ہوں ان کو اگر بیرونی  
 اثرات کے تحت سے کافی آزادی صوبہ بھی ہو جائے، اور اگر ان کے جمہور کو تقابلی پسند کے  
 مطابق نظام حکومت قائم کرے گا پورا اختیار بھی حاصل ہو، تب بھی حکومت اپنی دہد میں  
 نہیں مل سکتی۔ وہ سب ضروری مفاد کے پرستار ہوتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ان میں حق اور عدالت  
 کے لیے اپنے مفاد کو قربان کرنے کی طاقت نہیں ہوتی، بلکہ اس کے برعکس جب بھی ان  
 کی اغراض و دیر سے حق اور عدالت کا تصادم ہوتا ہے، وہ حق کو چھوڑ کر ہمیشہ اس طرف  
 جاتے ہیں جس طرف اس کی اغراض و دیر پوری ہوتی ہیں۔ جہاں ایسے لوگوں کی اکثریت ہو وہاں  
 کسی عید نہیں کی جاسکتی کہ عام انتخاب میں ان کے مفادوں سے وہاں میں غلبہ ہو جائے  
 جو پہلی بوقت پر حکومت کرنے والے ہوں۔ جمہوری انتخاب کی مثل بالکل ایسی ہے جیسے

دودھ کو بچ کر کھنکھاتا ہے۔ مگر دودھ نہ ہر وقت ہوتا ہے۔ جو کھنکھائے گا قحطی لاحق ہے۔ کدو، گندھ سے زیادہ نہ ہر وقت ہوگا۔۔۔ اسی طرح سوسائٹی اگر چلتی چلتی ہوئی ہوگی، کسی کے وہ فرد سے وہی رنگ غائب ہو کر برسرِ اقتدار آئیں گے جو اس سوسائٹی کی خواہش بعد نفس سے سیدِ جبریت حاصل کر سکیں گے۔ پس جو لوگ یہ لگن کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے حقوق بعدِ اکثریت کے تسلط سے زیادہ ہو جائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہو جائے تو اس طرح حکومت ابھی قائم ہو جائے گی۔ ان لوگوں کا خیال ہے۔۔۔ مگر اصل اس کے نتیجہ میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی۔ اس کا نام حکومتِ الہی نہ لکھا اس کا نام کو ذیل کرنا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ عوام کی حقوق وادائی ترمیم کر کے ان کے غصہ و نفرت کو تبدیل کر کے اعدائے نفسیات میں انتساب دیا جائے گا۔ ایک جمہوری نظام کو الہی حکومت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اخلاقی و نفسیاتی انتساب کے برپا کرنے میں کیا مسلمانوں کی کافرانہ حکومت کچھ بھی مددگار ہوگی؟ کیا وہ لوگ جو موجودہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کے مذہبی حاد سے اپیل کر کے اقتدار حاصل کر رہے ہیں ان کا یہاں جواب ملے گا۔ ان سے آپ یہ امید کر سکتے ہیں کہ وہ حکومت کا دعوہ یہ۔ اس کے وسائل و اداس کے اختیارات کسی سیاسی تحریک کی طاقت میں مرسل کریں گے جس کا مقصد عوام کی ذہنیت تبدیل کرنا اور انہیں حکومتِ الہی کے لیے تیار کرنا ہو؟ اس کا جواب عقل اور تجربہ دونوں کی مدد سے ہی مل سکتا ہے۔ لیکن اس کی مراد سمجھ کر لیں گے کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر عوام کے نفسیات میں تغیر واقع ہو گیا تو اس میں ہوتی سوسائٹی میں ان کا چارواغ نہ مل سکے گا۔ یہی نہیں اس سے زیادہ خوفناک حقیقت یہ ہے کہ ام کے مسلمان جو سننے کی دھڑ سے یہ لوگ کھنکھائی بہت زیادہ جھڑک رہے ہیں۔ بے بالی کے ساتھ یہی ہراس کشش کو کھینچ لے گا۔ ان کے غم کی پردہ پریشی کے لیے کافی ہوں گے۔ جب محمد رب سوا یہ ہے تو کیا ان شخصیات میں نہیں ہے جو اسلامی انتساب کا نصب العین بننے لگو کر ایسی جمہوری حکومت کے قیام

کی کوشش کرے جو ہر کافرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اس کے متضاد رہیں مثلاً  
بولیو

تقریباً دین کے مجوزین

اب تیسرے گردہ کر لیجیے۔ یہ لوگ مختلف قسم کی تجویزیں سوچا رہے ہیں۔ کوئی  
نیکر اسلامی کے ساتھ میر سولی انکار کا پوزنگ کر ایک سی۔ نو سو گوارہ بحون بنا چاہتا ہے۔  
کوئی اس خیال میں ہے کہ ہندوستان اسلام کا ایک نیا ایڈیشن نکالے۔ کوئی یہ چاہتا ہے  
کہ اسلام کے مجموعی نظام میں سے بعض اس کے سیاسی و سماجی اصولوں کو لے یا جلتے  
ان کی فیوڈر ایک ایسی سیاسی جماعت بنائی جتنے جس میں شامل ہونے کے لیے عقائد  
عہد امانت اور احکام شریعہ کی پابندی لازم نہ ہو۔ یہ سب لوگ اپنے نزدیک نیک حقیقی  
کے ساتھ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان طریقوں سے رفتہ رفتہ وہ مغرور و مدبر جیسے گا جو اسلام  
کے صحاح جیسوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ اور جب وہ بعض اسلام سے کسی حد تک ناؤں  
برہائی لگے تو پستے۔ سلام سے مانوس ہونے میں زیادہ دیر نہ لے گی۔

لیکن وہ سب غیبات خاتم ہیں۔ نہ اصولی حیثیت سے ان کو صحیح کہا جاسکتا ہے اور نہ  
عملی حیثیت سے ہی جس کی کوئی قدر قیمت ہے۔ میرے نزدیک ایسی تمام تجویزیں ضعیف  
دل اور ضعیف دماغ کا نتیجہ ہیں۔

اصولی حیثیت سے درحقیقت ہم سلام میں کسی تبدیلی کی وجہ سے کسی کی وجہ سے اور کسی ترمیم  
تشکیل پر یہ کہ مجاز ہی نہیں ہیں۔ ہم اسلام کے ملک نہیں ہیں، اس کے کھانچ نہیں ہیں،  
اُس کے شعاع نہیں ہیں۔ اسلام ہمارا مال نہیں ہے کہ دیکھتے ہیں جیسی طلب ہوا اس  
کے مطابق اپنے اس دل کو بنا کر زندگی میں لائیں۔ ہماری حیثیت صرف پروردگار کے ہے۔  
مالک نہ تھا، عہد امانت اور احکام کا یہ پونا مجموعہ جہیں دیکھتے تاکہ ہم خدا اس کی پیروی  
کریں یا اللہ و سروروں کے ساتھ پہنچائیں۔ اس مجموعہ میں کوئی ترمیم کرنے کا یا اس کی اصل  
صحت کو بدل کر اس کی کوئی اور صحت بنانے کا ہم کو ہرگز کوئی حق نہیں پہنچتا جس کو لینا ہے  
اُسے ہم سے مجموعہ کو لینا پڑے گا اللہ اسی صحت میں رہتا ہوگا جس میں مالک نے اسے



دیا ہے۔ اللہ جو اس کو اس بشیر مجبوری اللہ اس مقررہ صورت کے ساتھ دینا چاہے اس کی خوشامد کرنے اللہ اس کے کم و بیش پر ماضی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسلام تو ایک حکم ہے خالق کی طرف سے حقوق کی طرف۔ خالق کا ہم حقوق کی خوشامد کہ اللہ اس کو ماضی کرنا نہیں ہے۔ حقوق کو تو اس کا حکم، جیسا کہ وہ ہے، جو ان کا توں ماننا چاہئے گا۔ وہ نہ خود اپنا ہی کچھ بلانے لگی، خالق کا کچھ بھی نہ بلانے لگی۔ اسی لیے اللہ کی طرف سے اس کے جو رسول دنیا میں آئے انہوں نے ہم سے علم کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا اللہ اللہ کبریا کہ چاہو اس کو اللہ چاہو رد کر دو۔ بہر حال تباری خواہش کے مطابق اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا جائے گا۔ شکیب یہی ہندو یعنی رسول کے نائب ہونے کی حیثیت سے بھاری جی ہے۔

بہر ہنگامی غیر متحول جوینہ ہے کہ اسلام کے مجموعی نظام میں سے بعض افسس کے معاشی و سیاسی امور کو سہ لیا جائے اور انہی کی بنیاد پر ایک پختہ ایسی بنائی جائے جس میں مثال ہونے کے لیے توحید، اخلاقیات، قرآن، رسالت، کسی چیز پر بھی بیان لانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ عبادت کی سبائتھی اور احکام تحریر کی پابندی ضروری ہو کیا کوئی صاحب نظر تیری ایک لمحہ کے لیے بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ کسی اجتماعی نظم اور توحید محفل کو اس کے بنیادی فلسفے، اس کے نظام اخلاق اور اس کے تعمیر و حیرت کرنے والے عناصر سے الگ کر کے چھوڑا جاسکتا ہے؟ اللہ کی عاقبت کا تصور نکال دینے کے بعد اسلام کا سیاسی نظام آخر ہے کس چیز کا نام؟ اور اگر قرآن کو یا فرقہ فون اور مستند رسول اللہ کو رعیت (مندان) اور بادشاہ (اللہ) کے درمیان نزول احکام کا اور مستند و بیہ نہ مانا جائے، تو کیا اسلامی طرز کے اسٹیٹ کی تعمیر چاہی جاسکتی ہے؟ یا نیز وہ کون سا نظام تمدن و سیاست ہے جو کسی نظام اخلاق کا سہارا لے کر بغیر قائم ہو سکتا ہو؟ اور کیا اللہ کے سامنے انسان کی ذمہ داری و جواب دہی کا خیال نکال دینے کے بعد اس نظام تمدن و سیاست کے لیے کوئی اخلاقی سہارا باقی رہ جاتا ہے جس کا نقشہ اسلام نے پیش کیا ہے؟ کیا اس نظام کو آپ اللہ پرستانہ اخلاقیات کے بل پر ایک دین کے لیے بھی قائم کر سکتے ہیں؟ مزید برآں

وہ عام قسم کی مغربی سیرت اور جاہلی زندگی جو اس نظام تمدن و سیاست کے نیچے نکلا ہے، غلط، غلطہ، دغا، زکوۃ کے سوا اللہ کسی ذریعہ سے پیدا ہو سکتی ہے؛ اور وہ نہ ہو کہ یہ نظام عمل کہیں نکلتا ہے، ہم یہ غایب و بجا اظہار کر رہے کہ کوئی شخص جس شخص کا جس دیکھ کر کہنے لگے کہ کافر و کفر کے بغیر ان شاخوں ہی سے روخت قائم کریں۔

اصل حیثیت سے جی اس قسم کی تمام تجویزیں سرسری ہیں۔ اس سے اصل حقیقت کی پہچان کے بجائے خطرہ ہے کہ کہیں ہم خود ہی راستہ میں گم نہ ہو جائیں۔ قریم شدہ صورت میں جس نام بند اسلام کی تیسخ کی ہائے ل، ایک دفعہ ہی اصل سیار بن جائے گا، اور جو لوگ اس پر ایمان و کرجا صحت میں شریک ہوں گے، نہ صرف وہ خود اصل اسلام کی طرف رجوع کرنے سے انکار کریں گے، بلکہ وہ صحت پر صحت مسلمان بھی جنہوں نے اس سے کم دیش پر سود کیا، تمدن کے ساتھ لکڑی میں شریک ہو جائیں گے شدات (Compromises) پر جگہ مہم ہوتے ہیں ان میں جیسے ہی غلابی برتی ہے۔

## ۶۔ مشکلات کا جائزہ

اب میں ایک نظر ان مشکلات پر ڈالتی چاہیے جو سے مختلف روہ ہر گزہ مختلف کی راہیں اختیار کی جا رہی ہیں۔ کیا حقیقت میں وہ ایسی ہی مشکلات ہیں کہ ان کو حل نہیں کیا جا سکتا؟۔

”تکوہ بیان ہے کہ جسے کے یہ میں ناظرین کو پرمیک اتہ تکلیف دوں گا کہ یہ ہے ہٹ کر مضمون کے اس عقد پر نگہ ڈالیں یہاں میں نے ان مشکلات کی تشریح کی ہے۔ پہلی مشکل

پہلی مشکل کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام موت تمدنی، سیاسی، اور سماجی مسائل کا حل ہی پیش نہیں کرتا بلکہ مقامِ عہد و ملت اور خواہجہ مشہور حیر کا ایک مجموعہ ہی اس کے ساتھ دیتا ہے، اور اس کو قبول کر کے کے سنی انسان کی پوری زندگی تبدیل ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ یہ جیز اسلام کو اس طرح پیسنے نہیں دیتی جس طرح وہ سری خسر میں پھینتی ہیں۔ میکی

ہر شکل بنظر جتنی زبردست نظر آتی ہے، باطنی آسانی ہی کو مزہ اور بے حقیقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اجتماعی فلسفہ یا اور مسلک بھی میاں نہیں ہے جو انسانی زندگی کے عملی مسائل کا جزو مل چکی ہو اور اس کے ساتھ اپنے کچھ اختلافات اور اپنی ایک مخصوص فہم نہ رکھتا ہو۔ چند امور باہر الطبیعت (Metaphysical Problems) ایسے ہیں جن کے متعلق سبھی ایمانی حیثیت سے ایک دیکھ دیکھ مانتے قائم کرنا ہر عمل ہر اس مسلک کے لیے ناگزیر ہے جو انسان کے لیے ایک دائرہ زندگی بنائے گا اور کم سے کم یہ سوالات کہ کائنات کا یہ نظام کس نوعیت کا ہے؟ اور اس نظام میں انسان کی کیا حیثیت ہے؟ اور انسان کی زندگی کا کیا کیا ہے؟ اور کتنا نہیں سب کچھ تو مٹی پر ہے اور مٹی خود کس کیلئے ہے؟ یہ مسائل انسانی زندگی کے بنیادی سوالات ہیں جن کا ایک قابل عمل حل (Workable Solution) پیش کیے بغیر کوئی بدینی، اخلاقی، تعلیمی اور تمدنی نظام بتایا ہی نہیں جاسکتا اور کس نظام کے بھی بعض مسائل پیہلوں کو کسے کر دینی کام نہیں کر سکتے جب تک کہ ساتھ ساتھ اس کے بنیادی نقطے یا بنیادی دیکھ اس کے اختلافات کو بھی قبول نہ کر لے۔ پس ایک اعتقادی نظام ہونا تنہا اسلام ہی کی کوئی نوعی خصوصیت نہیں ہے۔ اس حجت سے اگر اسلام کی راہ میں کوئی مشکل داخل ہے تو ایسی شکل ہر اجتماعی مسلک کی راہ میں حاقی ہے۔ ہر اجتماعی مسلک کی تاریخ ایک مذہب ہی ہے اور جو بھی اس کی پیروی اختیار کرتا ہے وہ حقیقت میں ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے، خواہ اپنی سارے روحی کی بنا پر وہ یہ کہنا اور جھٹکے کہ میں بدستور اپنے پہلے مذہب پر ہوں۔

میں ایک سیدھی سی مثال سے اس نکتہ کی مزید توضیح کروں گا۔ یہ کہیزم آپ کے ماننے ہے۔ سی کو مثال میں لے لیجئے۔ اگر اسلام میں ایسا طبیعی نظریہ ہے اپنے مسلک کی بنیاد کرتا ہے کہ خدا ہے تو کہیزم اس نظریہ سے چلتا ہے کہ خدا نہیں ہے، ماکہلزم اس کے بعد چلتا ہے کہ خدا ہے۔ اگر اسلام یہ نقطہ نظر اختیار کرتا ہے کہ یہ دنیا خدا کی سلطنت ہے اور انسان یہاں اس کو تابع اور ہے تو کہیزم یہ نقطہ نظر اختیار کرتا ہے کہ یہ دنیا ایک خدائی تسلط ہے اور انسان یہاں مختلف اور مختار (Independent) ہے۔ اگر اسلام یہ

پیوستہ ہے کہ انسان کو یہاں کام کرنے کے لیے خدا کی ہدایت دے گا ہے اور وہ وحی کے  
 نعرہ سے آتی ہے تو کیونرم یہ پیوستہ ہے کہ کوئی ہدایت دے گا نہیں اور کوئی وحی نہیں آتی۔  
 اگر اسلام اس تمام سے سوگ کا آغاز کرتا ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جس  
 میں امنوں کو جو زندگی کے چرے کا نئے کا صاحب دینا ہے، تو کیونرم اس معام  
 سے چلتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی زندگی ہے اور بعد میں کوئی زندگی ہے نہ صاحب نہ کتاب۔  
 دیکھیے یہ دونوں کیسں جہاں عجیب نظر آتے ہیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی جو یہ بات پرہ  
 ہے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ مگر کسی سائنسیک ثبوت کے بغیر عقلی استدلال اور مستنبی  
 شہادت کی بنا پر یہ ہے کہ وہ لوگ جو ایک کیونرم نیت سے، آئن کیونرم کے نقطہ نظر  
 کو قبول کر سکتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ اگر انہی دو بنسبیاں میں پریت سے وہ لوگ جو آج  
 مسلم نہیں ہیں، اہل اسلام کا نقطہ نظر کیوں قبول نہیں کر سکتے؟

اسی طرح ایک ہادی پر ایمان لانے کا معاملہ بھی دونوں میں مشترک ہے۔ اگر مسلم  
 ہونے کے لیے مسند رسول اللہ پر ایمان لانا پڑتا ہے تو کیونرم بھی تو فرما دے کہ پر ایمان  
 لانا ہی ہے۔ پھر اگر ایک شخص جو ایک مذہب کی تعلیم دے گا، تو کسی کی تعلیم کو دیکھ کر اس  
 کو اپنا مذہب تسلیم کر سکتا ہے، تو آخر کون سی چیز مان ہے کہ ایک شخص جو ایک مذہب کو  
 آج عقیدہ رسول اللہ کی زندگی، ان کی تعلیمات اور حق کے لئے سے کو دیکھ کر ان کو اپنا مذہب تسلیم  
 کرے؟

یہاں ہی صاف جماعتی ضابطہ (Party Discipline) کا بھی ہے۔ مگر اسلام میں لوگوں  
 کو جو اس کی جماعت میں شامل ہوں، اپنے کچھ ضوابط کا پابند بنانا ہے تو کیا کیونرم پارٹی  
 میں لوگوں کو جو اس کی جماعت میں شامل ہیں، کسی ضابطہ اور کسی قاعدے میں نہیں جکڑاؤ؟  
 پھر جب بہت سے انسان کیونرم کے اصولوں پر ایمان لانے کے بعد کیونرم پارٹی کے  
 ضوابط کی پابندی قبول کر رہے ہیں تو آخر اسلام ہی کے جماعتی ضوابط میں کونسا ہوتا چلنا  
 ہوتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے اصولوں کو خارج کران پر ایمان لانے کے لیے تیار ہوں گے تو  
 کوہ ہوا اپنی صورت دکھا کر بھاگے گا؟

اس مثال سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام میں مذہبی رہنما کی ذمہ داری کا اعتقاد یا  
 اتھارٹی (Infallible Leadership) کے مفہوم پر مشتمل قرون کے آخری صبیح تاہون پر نہ کہ اعتقاد و شرط و لازم ہوتا ہے۔ اور نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ضوابط  
 کی پابندی فرض ہونا، ہرگز کرنا ایسی چیز نہیں ہے جو اس کے پھیلنے اور غیر مسلموں کے اس سے  
 کی طرف کھینچ کر لے جانے میں متبادلا ہو۔ مابعد الطبیعی اعتقاد و مفہوم اور جماعتی ضوابط و دوسرے  
 مسئلوں میں بھی موجود ہیں، اور جو انسان ان مسئلوں میں اپنی زندگی کے مسائل کا حل اپنی  
 سمجھ کے مطابق صحیح دیکھتا ہے وہ ان کے عقائد اور ضوابط و مفہوم کو قبول کرتے ہی ہیں۔  
 پھر کوئی وجہ نہیں کہ اگر اسلام ان کے سامنے تمام مسائل زندگی کا بہترین حل پیش کرے اور  
 ان کی اپنی فروع و عبادت کو درست کر دے اور ان کے سامنے وہ دوسرے عقائد اور ضوابط کی  
 شرط و صحت اسلام ہی کے معاملہ میں ان کے لیے غیر معمولی رکاوٹ ثابت ہو۔ رکاوٹ اگر  
 ہے تو فی الواقع صحت اسی حد تک ہے کہ لوگوں کے لیے بالعموم اس سے پڑانے سے کہ  
 چھوڑ کر کوئی دوسرا مسلک اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن جو کسی ایک بھی دنیا میں جیتتی  
 ہے اسے بہر حال اس رکاوٹ سے سابقہ پیش آتا ہی ہے اور جو لوگ کسی تحریک پر ایمان  
 دیتے ہیں وہ بہر حال اس رکاوٹ کو جو رکے ہی گئے قدم بڑھاتے ہیں۔ اس کو سامنے  
 کھڑا دیکھ کر راستہ گھڑانے کی کوشش صرف وہی شخص کرے گا جو یقیناً چھایا ہی میں  
 عادی نہیں ہے یا بہت بہت اذکار ادا ہے۔

اسلام کے حق میں اس رکاوٹ کو جس چیز نے طویل تر رکھا ہوتا ہے وہ ہدیٰ یہ  
 جادو جادو روح مذہبی ہے جسے تمام اہل اسلام سمجھا جاتا ہے۔

اس بے نفع مذہبی عقیدے کا چھوٹی سی انتہی ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد و مفہوم  
 ایک مذہب (Religion) کے ارشادات (Dogmas) بنا کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ تاکہ  
 وہ ایک مطلق عقیدہ جماعہ و نظام تمدن کی منطقی بنیاد ہیں۔ اور اسی طرح اس کی عبادت  
 میں پابندی ہے تاکہ وہ ایک ہی گئی ہیں۔ حالانکہ ان مذہبی اور اعتقادی بنیادوں کو مضبوط  
 مستحکم کرنے کے وسائل ہیں جن پر اسلام نے اپنا نظام اجتماعی تعمیر کیا ہے۔ اس عمل کو حریف

کا نتیجہ ہے کہ لوگوں کی بوجھ میں کسی طرح یہ بات نہیں آتی کہ اگر ایک سیاسی، سماجی، مذہبی، اقتصادی مسئلہ کو چھاننے کے لیے بن عقائد اللہ ابن عبادات کی خدمت ہی کیا ہے۔

دوسرا بنیادی نقض اس مسخ شدہ ہیئت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک ہندو شاستر بنا کر رکھا گیا ہے۔ اس میں صدیوں سے اجتہاد و کھوارہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کے بجائے محض جبر و کدورت کی ایک تاریکی کا دھارنہ بن گیا ہے۔ اور اسلام کی تعلیم دینے والی درس گاہیں اس قدر بڑے کے لحاظ سے ان میں تبدیلی ہو گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اجنبی لوگ اس چیز کو دیکھ کر زیادہ سے زیادہ تاریکی فراق کی بنا پر، ظاہر شدہ شناسی تو کر سکتے ہیں، مگر یہ توقع ان سے نہیں کی جاسکتی کہ وہ حال کی تہذیب و تمدن کی تعمیر کے لیے اس سے ہایت و رہنمائی حاصل کرنے کی خدمت محسوس کریں گے۔

تیسرا بنیادی نقض اس میں یہ ہے کہ عزت و کرامت کی نہایت بڑی تعداد کے غیر مخصوص لوگوں، اور ان کے بڑے بڑے مظاہرین، اور دین و داری دیکھنے کی بنا پر اس میں صد سے بڑھ گئی ہے، اور غیر دین کی تعلیم تو کیا کرے گی اس کی اپنی اپنی تفسیر کا باعث بن رہی ہے۔ اس غلط ہیئت کے طبع و تمدن کی زندگی دیکھ کر اللہ ابن کی باتیں سن کر کوئی اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ انسان کی ادبی شعور و خیران کا دار کیا اپنی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر ہے جس پر ہر لوگ اتنا زور دیتے ہیں؟

اسلام کے دلالت میں یہ بہت بڑی رکاوٹ ہے مگر یہ اسلام کا قصور نہیں بلکہ اپنا قصور ہے اللہ ہمارے فرض ہے کہ اپنے اس نظام تعلیم کو جس میں سنے دین کے تصور کو آنا غلط اور شریعت کے علم کو اس قدر بڑھا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک زندہ تحریک کو اس حد تک بلی پر تو نہیں اٹھ سکتی۔ ہیں اس کے عقائد کو معقول و نامعقول کے ساتھ پیش کرنا ہوا۔ پھر عقائد کے ساتھ عبادات کا اور عبادات کے ساتھ زندگی کے قوانین کا منطقی ربط خارج کرنا پڑے گا۔ پھر ان قوانین کو زندگی کے تمام عملی مسائل پر منطبق کر کے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جتنی انسانی ضروریات ہیں ان سب کا حل ان قوانین میں موجود ہے۔ تب

کبیں لوگ اس نظام کو ایک معمول نظام کی حیثیت سے نہ لیں گے، اور جب وہ ایسے جیسے  
 گئے تو قول بھی کہ سفر پر آمادہ ہوں گے۔ یہ تعمیری کام ہو گا کہ صحت منصف ہے اس سے  
 اس صحت سے بھی بڑا اگر لوگ بنے رہتے آئیں طریقوں کی طرف دھڑکتے ہیں، مگر یہ  
 میں سوچتا ہوں کہ اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے راستہ بنانے کی ذمہ داری ہر مل میں اٹھانی  
 ہی پڑے گی۔ جس نے کسی کوئی تصدیق میں نظر رکھا ہے اسے یہ صحت اٹھانی پڑی ہے، اور  
 اگر توجہ نہ دے مقصد میں صحت میں تو میں اس کام کے لیے تیار ہونا چاہتا ہوں۔  
 دوسری شکل

اب دوسری شکل کو پیچھے، جن تعصبات کو اسلام کی راہ میں مائل بنایا جاتا ہے ان  
 کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:-

ایک قسم کا تعصب تو یہ ہے جو جن ہر شخص کے اندر اسی چیز کے خلاف ہوتا ہے جو  
 اس کے لیے نئی ہو، جس پر اس نے اپنے باپ دادا کو دیا ہو، جس سے وہ مانوس نہ ہو۔  
 یہ تعصب صرف تو یہ ہی اسلام کی راہ میں مائل نہیں ہے، پہلے بھی رکن تھا، اور جیسا کہ میں  
 اوپر اشارہ کر چکا ہوں، یہ صرف اسلام ہی کی راہ میں مائل نہیں ہے، نہ کہ کسی ایک کی راہ میں  
 مائل ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایسی رکاوٹ ہیں کہ جس کو وہ نہ کیا جاسکتا ہو۔ پہلے بھی کسی  
 رکاوٹ کے باوجود اسلام پیچھا ہے، وہ سب بھی چل سکتا ہے۔

دوسری قسم کا تعصب وہ ہے جو دراصل اسلام کے خلاف نہیں بلکہ مسلمانوں کے  
 خلاف پیدا ہوا ہے، اور مسلمانوں کے واسطے سے اسلام کی راہ میں مائل ہو گیا ہے۔ مسلمانوں  
 نے پہلی کئی صدیوں میں جو غیر اسلامی طریقے اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں اختیار کیے  
 اور اب بھی اپنے نفس کی راہ میں اور اجتماعی زندگی میں جو غیر اسلامی سیرت کا وہ اظہار کرتے ہیں  
 ہیں، وہ مادے تعصبات کی حیثیت سے اس کے جڑ کاٹتے ہوئے ہیں۔

اس واقعہ سے کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان کی اصل اسلامی حکومت نفس  
 اسلامی اخلاق اور حقیقی اسلامی تمدن کے قیام کے لیے لگتی رہی ہے، اور یہی نہیں بلکہ  
 زمانہ میں مسلمان بادشاہوں نے مسلمان امرائے مسلمان حکومت اسلامی کا وہاں کھڑے ہونے

نے مسلمان زندانوں اور قیودوں نے ان مسلمان عوام نے اپنے بتاؤ سے اسلام کا جو لہر  
پہل کیا ہے اور جو عبادت گاہیں اس ملک کے ہر مشنوں کو اسلام کا گرویدہ بنا سکا۔ بلکہ اس  
کے برعکس نفسانی اثرات کے لیے جو کشش ان کے اور غیر مسلم ممالک کے ریاکاروں کے  
دراز ملک پر پڑتی رہی اس نے اسلام کے ضعف مستقل تاریخی تعاقبات چھپا کر دیے۔

اس تاریخی پس منظر کے ساتھ اسلام کا جو لہر ان مسلمانوں میں سے اپنی انفرادی  
زندگی اور اجتماعی طریق زندگی سے پہلے کہ ہے جس نے بھی کچھ ایسا خوبصورت نہیں ہے کہ جس  
قسم کے نمونے کو دیکھ کر لوگ اس قوم کے حالت پر حیرت میں کی مانندگی اس شان سے کی  
جادی ہو، انفرادی زندگی میں ایک مسلم مسلمان ایک عام غیر مسلم سے آخر کی چیزیں برتر  
نظر آتے ہیں کہ اس برتری کے منبع کی جستجو کریں؛ اس کے بتاؤ میں، اس کے علاقے میں،  
اس کے ماحول میں کہاں کوئی خفیت ہی ملک بھی ایسی نمودار ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو  
کہ یہ شخص ذاتی ترادد دیکھ کر آدمیوں کی پیروی کرتا ہے؛ کیا ایک مسلمان زمیندار یا شریف  
اصطلاحی کمینوں کے مقابل میں اپنے فہم کے کسی غیر مسلم شریف یا زمیندار سے کہہ کہ کم  
نوریت برتا ہے؛ کیا ایک مسلمان بھجیا پیشہ وادی اپنے ہم پیشہ غیر مسلم سے کچھ زیادہ  
حد تک برتا ہے؛ کیا ایک مسلمان حاکم یا عہدہ دار اپنے خدما سے اس کے استعمال میں کسی غیر مسلم  
بھروسے کہ بہتر اخلاقی اصول کی پیروی کرتا ہے؛ کیا وہ فزوں کے مسلمان عازم رات دن  
اپنی تمام ذیلی طرحوں کی پیروی نہیں کرتا ہے جس میں کہ پیروی ان کے غیر مسلم ساتھی  
کرتے ہیں؛ کیا وہی باوجود تمام نظر قیود سے اپنی قوم کا تعصب وہی کمینہ چھوڑے  
غیر قوم والوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کرنا اور اپنی چھوٹی چھوٹی دیوبند افروغی کے  
پیچھے نہ مرنے جس کی شایستگی یہ غیر مسلموں سے کرتے ہیں، خود ان کا بھی ماحول کا  
مشغلہ نہیں ہے؛ ہر جب ایک غیر مسلم اسلام کے ان ماحول کی زندگی میں کہیں بھی کوئی  
وقت کا نشان نہیں پاتا، جب وہ انہیں بھی وہی سب کہہ کہتے دیکھتے ہیں جو خود کرتا  
ہے اور جب وہ انہیں بھی ابھی تمام کے لیے لڑتے جھگڑتے اور کشش کرتے دیکھتے  
ہے جس کے لیے وہ خود لڑتا جھگڑتا اور کشش کرتا ہے، تو آخر کوئی چیز اس کی کسی



مسئلہ کی طرف متوجہ کر سکتی ہے جس کی ناکامی یہ لوگ کہہ چکے ہیں، بلکہ جب ایک ہی شخصیت اور دنیا پرستی کے میدان میں وہ اور یہ برابر کے حریف ہیں تو اپنے حریفوں کے مسلک پر وہ کھٹے دل سے غور کر کے کی غرض سے ہی کیوں غور کر سکتا؟ ایک طوطا پہلے ہی کی تصہیت اور چرنج کی نفسانی کشمکش، کیا یہ دونوں چیزیں اس کے دل کے دونوں طرف پر نظر پڑھنے کے لیے کافی نہیں ہیں؟

انفرادی زندگی سے وسیع تر قومی دائرے میں مسلمان اس وقت تک محدود رہا ہے جس پر مصر میں جبکہ جسے اپنی حیثیت اجتماعی انسان سمجھ رہا ہے جس کو کیا ہے؟ اصول اسلام اور عقائد اسلام کا کہیں نام تک نہیں آتا، کسی غلبے، کسی اقتدار، کسی دین و بیعت میں آپ ایک فقرہ تک ایسا نہیں پاسکتے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ یہ لوگ اپنی افواج اور اپنے دنیوی مقاصد کے لیے ہیں بلکہ انسانوں کی فلاح کے لیے عالمگیر فلاحی اصول سے کراٹھے ہیں اور ان کی لڑائی محض اصول حق کی خاطر ہے۔ اس کے برعکس یہ دیکھیں گے کہ ان کے اور دوسری قوموں کے درمیان، علیٰ برابر کی قوم پرستانہ جنگ ہو رہی ہے، دونوں ایک سطح پر آ کر آئے ہیں، ایک ہی رتبے کی دنیوی افواج کے لیے کشمکش کر رہے ہیں، ایک ہی قسم کی پوٹیں (Tactics)، زبان، اصطلاحات اور اصولی نزع اختیار کر رہے ہیں، اور صدور و دماغ اور شرائط جنگی انہیں حیرتوں کے لیے ہے جو کسی کے لیے حیرتوں کا دماغ اور شرائط جنگی ہے۔ ہر کس طرح یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ جی لوگوں سے آپ دنیوی افواج کے لیے مساوی مرتبہ پر لڑ رہے ہیں، جس سے آپ واقف ہوا ہو جی ملی کا پڑنا اور تانہ رستہ رکھنے ہوں، جن کے ساتھ آپ کی سیاسی اور ماحولیاتی مصلحت کے لیے کشمکش برپا ہو، وہ آپ کی فلاح سے کسی اصولی تقریب کی دعوت پر اسی طرح کھٹے دل سے غور کر سکتے ہیں یا ہوں گے جس طرح دعا شراکت یا ڈیوکرسی یا کسی اور مسئلہ کی دعوت کے لیے تیار ہوتے ہیں؟

یہ تعقیبات اسلام کے لئے ہیں دوسری عظیم عقلی رکاوٹ ہیں، مگر ان کا مروجہ ہے کہ ہم اپنی تصہیت کی پیدائش کے سبب کراچی دیکھیں اور ہریانہ کی برآمدگی کو

بہانہ بنا کر اپنے مقصد کی طرف براہ راست پیش قدمی کرتے سے خود موٹیں، لیکن یہ عمل  
 علاج یہ ہے کہ ہم اپنے نفس وادی اور اجتماعی فروع عمل کو یہ ہیں اور اس طرح ہم تعصبات  
 کی بڑکائی کو اپنے مقصد کی طرف بڑھنے کے لیے سیدھا راستہ تیار کریں۔ جو لوگ  
 بعض سرسری نگاہ میں یہ دیکھ کر کہ اسلام کے قواعد ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی، تمام مذاہب  
 میں مختلف تعصبات پیچھے ہوتے ہیں، یہ فیصلہ صادر کر دیتے ہیں کہ اس حالت میں اسلام  
 ایک خاص اصولی تحریک کی حیثیت سے نہیں چل سکتا، وہ حامل واقعات کو غلط رنگ  
 میں دیکھتے اور غلط نتائج نکالتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اوپر نسبت کیا ہے، یہ تعصبات  
 اسلام اور اس کی میریت کے ہڑکٹے ہوئے نہیں ہیں، وہ جس سے ان قوموں کو ہندو مت  
 میں کم ہی سابقہ پیش آیا ہے، بلکہ اسلام کے ان غلط فہمیوں کی روش سے پیدا ہونے  
 ہیں جو مسلمانی ہونے کے باوجود غیر اسلامی طریقوں پر چلتے رہے اور غاصبانہ کام  
 کرنے کے بجائے اپنی ذہنی اور اخلاقی اور نفسانی خواہشات کے لیے کام کرتے رہے۔  
 لہذا یہی تعصبات کے تدارک کی ممکن صورت ہے کہ اسلام اپنی میریت، اپنے اعمال، اور  
 اپنی اجتماعی ہر وجہ سے اسلام کی صحیح فہم کیجیے، نہ یہ کہ تعصبات کی موجودگی کو اسی غلط  
 روش پر چلنے کے لیے جہت بنا دیے جس کی وجہ سے تعصبات پیدا ہوئے ہیں، انہوں  
 اگر یہ مان لیا جائے کہ قوی تعصبات کی موجودگی میں اسلام کا ایک خاص اصولی تحریک  
 کی حیثیت سے ہونا محال ہے، تو سوال یہ ہے کہ اسلامی مقصد کے بجائے مسلمانوں کی ذہنی  
 منافع کے لیے جو کلنگش آپ کے اور دوسری قوموں کے درمیان برپا ہے اور ان قوم پرستانہ  
 طریقوں کے جواب میں دیکھتے ہی قوم پرستانہ طریقے میں طرح آپ اختیار کر لے ہیں، کیا  
 اُس سے یہ تعصبات کبھی قیامت تک بھی مند ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر نہ کیجیے کہ  
 اس وقت کہہ خاص ماحول ایسا ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک خاص اصولی تحریک  
 کی حیثیت سے نہیں چل سکتا، بلکہ یوں فرمائیے کہ آئندہ بھی ہمیشہ ایسا ہی حالات  
 موجود رہیں گے اور اگلی اسلام آپ ہی کا وہ قربانی رہا تو وہ ہمیشہ بنی اسرائیل کی  
 طرح بعض آپ کا قوی مذہب بن کر رہے گا، کسی ایک عالمگیر وحدت میں نہ بن سکے گا۔

یہ انسانی لطرت کا اخلاص ہے کہ خود غرضی کے جواب میں خود غرضی اور قوم پرستی کے جواب میں قوم پرستی پیدا ہوتی ہے۔ سخاوت اس کے بے غرضانہ حق پرستی کے مقابلہ میں تمام تعصبات اور تمام مخالفانہ جذبات کو خود بخود خیر و نیکی کے دیتے ہیں اور ایک بے سہارے حق پرست کے آگے انسان حقیقت و وقت کے سوا اور کوئی چیز پیش کرنے پر قادر ہی نہیں رہتا۔ اگر مسلمان اپنی وہی حیثیت قائم رکھتے جو دراصل ان کی حق پرستی کے لیے دوسری ذریعہ سے نکلنے سے جملہ ان کے اور اصول حق کے بہتے اپنی اخلاقی ذاتی و فوری کو انہوں نے اپنی حدود کا بوجھ بنالیا۔ اس کے جواب میں اگر دوسروں کے اخلاقی تعصب نہ پیدا ہوتا تو تعصب کی بات حق۔ ان اصولوں کا آپ نام لیتے ہیں ان کی آپ خود پروردی نہیں کرتے بلکہ اس حد میں اپنی شخص اور اجتماعی زندگی میں ان کے خلاف عمل کرتے دیتے ہیں۔ جس تعصبی عمل کا آپ اظہار کرتے ہیں، آپ کی عملی حدود اس شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ آپ کے افراد انفرادی طور پر اور آپ کی پوری جماعت بحیثیت مجموعی اس کو پس پشت ڈال کر دوسرے مقام کے پہلے چلی جا رہی ہے۔ اس صورت میں اگر اپنے خیال نصب العین اور اپنے بعض ذہنی اموروں کے لیے آپ کی اپنی اموروں پر مار لگے ہو، اگر وہ اس اپیل میں آپ کو جھوٹا سمجھیں اس کا آپ کی تبلیغ کو بعض خود غرضانہ چیلنج جو کہ حقائق سے رو کر دیں تو اس میں حیرت کی بات ہی کون سی ہے؟

ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم مشرک کے ۱۲۱ شکایت پر تو ایمان نہیں دے سکتا۔ نہ

---

۱۹۶۱ء کے ۱۲۱ شکایتوں کا جواب جو مسلمانوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کے لیے خود غرضانہ  
 ۱۹۶۱ء میں پیش کیے گئے۔ ان شکایت کی اصل حرکت شرعی و مذہبی کتاب : (Pakistan Movement  
 Historic Documents) ص ۷۰-۷۱ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جو ناخاکہ بورڈ پبلشرز نے دیا  
 مسلم برادری ہے کہ اسی وقت تک مسلمانوں کو تحفظ دے سکتے تھے جب تک (۱۹۶۱ء ص ۷۰ پر)

مسلم لیگ یا مجلس اہل بیت یا جمیعت العلماء کے رہنما مسلمانوں میں کوئی ایسی چیز ہے جس پر کوئی باطل  
 نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی دیکھتا ہے تو وہ کہہ گا کہ اللہ پر لا سکتا ہے بشرطیکہ ایک جماعت ایسی  
 گمراہ کے لیے جیسے اہل بیت اور اسی پر مبنی ہو اس کے سامنے موجود ہو۔ مگر وہ ہے کہاں؟ کون  
 کی جماعت؟ آپ کے اہل بیت ایسی موجود ہے جس نے فی الواقع امت مسلمہ کو اپنا مسلک اور  
 خاص دین کے تمام گراہیں کو مسلمانوں کو لے کر دینے پر تیار ہوا ہے۔ لوگ اسلام کی دعوت اور اس  
 کے اصول و عقائد میں دیکھتے ہیں احسان کے معنی میں جاتے ہیں۔ مگر اس پر عمل کرنے والی  
 اور اس کے منصب اعلیٰ کے لیے کام کرنے والی سوسائٹی ان کو کہیں نہیں ملتی۔ پھر وہ جو اس  
 تو خیر کہاں جاتیں؟ کیا اس سوسائٹی میں شامل ہوں جو مدت دن دنیا ہی کے لیے ہے؟ جی ہاں  
 ہے اور انہی راستوں پر چلی جا رہی ہے جی پر غیر مسلم چلتے ہیں؟ آپ کی ایک جماعت شرعی  
 ہے اس لیے کہ اگرچہ ہندو پر انگریز کے بھائے ہندوستانی کا اقتدار قائم ہو۔ لیکن ہم ایک چیز  
 ایک شخص کو غیر مسلم چاقوں میں بھی لے جاتے ہیں۔ پھر وہ آپ کے پاس کیوں آئے؟ آپ  
 کی دوسری جماعت شرعی ہے اس لیے کہ ہندو کے متبادل میں نسلی مسلمانوں کے ذریعہ خدا  
 کا تسلط کیا جائے۔ یہ چیز اس کو خود اپنی قوم پرستی کی متعلق نظر آتی ہے۔ پھر وہ اپنی  
 قوم پرستی کو چھوڑ کر آپ کی قوم پرستی پر کیوں ایمان لائے؟ انسان کو غیر اللہ کے تسلط سے  
 آزاد کرانے والی جماعت آپ میں ہے کہاں کہ کوئی اس کے اصول و مضامین پر ایمان لائے اور  
 اس میں شامل ہونے کے لیے آگے بڑھے؟

تیسری مشکل

سب سے بڑی گنج جو ہم سے سوچنے والوں کے لیے ناقابل حل بن گئی  
 ہے یہ ہے کہ یہاں کہ لوگوں کی تعداد میں ایک ایسی قوم جتنی ہے جو نہ پوری مسلمان ہے

(بقیہ مضامین) انگریزی حکومت میں جتنی ہندوؤں کے یکساں حکومت بن جانے کی صورت میں  
 تعلق کی کام نہ آتے تھے اس لیے وہ خود مسلمانوں کے اپنی تعلق کے لیے بھی لڑنے کی  
 کوئی تعداد قیمت نہ تھی۔ (دہلی)

دیہی غیر مسلم۔ اسی قوم کے اہل میں یہاں موجود ہونے سے متعدد پیپہ مسلح پیدا ہو گئے ہیں جن کا کوئی مل و گوں کو نہیں رہتا اور اسی وجہ سے رہتا اور ان سب پر اگنہ عمل ہو رہا ہے۔ محل کے طور پر نہیں ان چند بڑی بڑی بلکھوں کی طرف اشارہ کریں گا جو اس مسئلہ متعلق نے پیدا کر دی ہیں۔

بعض لوگ فرقہ سلسلے سے وصل کا کارہن خط نہیں ہیں پڑ گئے ہیں کہ اہل رسول اسلام کے احیاء (Revival) کانٹیں بلکہ مسلمانوں کے احیاء کہہ ہے۔ یعنی یہ قوم جو مسلمان کے نام سے جاتی جاتی ہے، اس کو ایک زندہ اصطلاحیت و تقویم بتانا اور برسرِ عروج و فلاح متصف ہونا اور اسی کا نام اسلام کا احیاء ہے۔ یہ فرقہ نہیں بلکہ کہ مسلم قوم پرستی کی حد تک پہنچنے کے گئی ہے۔ جس طرح ٹوٹنے اور ٹکڑے ٹکڑے کیے مولیٰ ہندو قوم کے عروج کہہ جا جس طرح مسیحیوں کے لیے یہاں عروجی قوم اور ہندو کے لیے جس قوم کے عروج کا سوال ہے۔ اسی طرح ان مسلم قوم پرستوں کے لیے اہل محال ہیں مسلمان قوم کے عروج کہہ ہے جس میں یہ پیدا ہوتے ہیں اور جس کے ساتھ ان کی قومیں وابستہ ہیں۔ یہ اسلام کی خدمت میں کو بھٹے ہیں کہ مسلمانوں کی تعلیم، ترقی و ترقی سے کہ وہ تعلیم کیسے دے، ان کی مادی خوش حالی و خوش فہمی کی قسم کے ذرائع سے حاصل ہو، اور ان کی سیاسی و ملکی تعلیم و ترقی و ترقی پر اپنا دور صرف کیا جائے، اور ان کو ایک برآمدت قوم بنایا جائے۔ پھر جب یہ اپنا مقصد قرار دیا تو انہوں نے مساجد کی منظر سے دیکھنا شروع کیا کہ کون سی تدابیر اس مقصد تک پہنچنے میں مددگار ہو سکتی ہیں، اور جہت میں ہی ان کو دنیا میں ترقی و عروج کے لیے حیدر ملے نظر آئے اس کو بے تحاشہ انہوں نے استعمال کرنا شروع کر دیا، خواہ وہ اسلام سے ان کو کتنی ہی دُور سے جانتے والی ہوں۔ یہ ذہنیت نہرستید احمد علی کے وقت سے آج تک مسلمانوں کے اکثر و بیشتر رجحانوں کا رکن و اساس پر مستند ہے۔ اسلام کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہے مسلمانوں کے لیے حرج و مرج و باج و بھروسہ اس کی قید سے آزاد ہو کر مر رہا ہے۔

کچھ دوسرے لوگ اسلام اور مسلمان کو اس حیثیت سے آخذ قلم نہیں کرتے بلکہ ایک دوسری حیثیت سے اسلام کے متنب اور جوہر نسلی مسلمانوں کے دھم سے گمانہٹتے ہیں۔ وہ چاہتے تو اسلام ہی کا احیاء ہیں۔ مگر یہ کافیل یہ ہے کہ اسلام کا احیاء تو قلم سے ہی سب مسلمانوں کے مکمل مسلمان ہی جیسے پر جو اس وقت تو یہ نسل حیثیت سے مسلمان ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک یہ دوسرے کے مدد سے مسلمان ذہنی، اخلاقی اور عمل حیثیت سے تہذیب نہ برعائیں، تمام آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ اور یہ جو بڑے بڑے علماء و مشرور و کمال نظر آتی ہے اس سے یہ لوگ اصل مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دیتی کرتے کہ جہاں یہ اور اور ہر کے خنجر لایوں میں تھکن مننی متعصب کے نیچے اپنی توفیق ضائع کر رہے ہیں۔

کچھ اور لوگ ہیں جن کے سامنے اسلامی خصلت صمیم قریب قریب باطل و افح ہر جگہ ہے اور ان کی طرف بڑھنا بھی چاہتے ہیں، مگر یہ سوال ان کو بار بار پریشان کرتا ہے کہ اگر ہمارے کارفرما داغ اور لادین ہا تو سب کے سب اسلامی خصلت صمیم کے لیے جہاد چھوڑنے میں لگ جائیں تو فوراً موجودہ کافرانہ نظام تقدی و سیاست اور اس کے شکنجہ و خیریت میں چدی قوم کے سیاسی و معاشی مفاد کا کیا مشر ہو گا۔ اس سوال کی اہمیت اس کی نگاہ میں اتنی زیادہ ہے کہ اسے اپنے عزم و کوششوں کی گنجائش ہے کہ پہلے اس سوال کو حل کیا جائے اور اصل مسئلہ کی طرف توجہ اس وقت بڑھایا جائے جب کہ اپنی قوم کا کوئی مسئلہ پیش آئے اسے حل طلب ہوا ہو۔

لیکن یہ تمام باتیں غیر اسلامی حل و فکر اور غیر اسلامی ذہنیت کی پیداوار ہیں۔ اگر وہ مسلمان جو نے کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان میں سے کوئی ایسا ہی ہمارے لیے ایسا نہیں رہتی۔ ہمارے سامنے اصل سوال کسی قوم کے احیاء کا نہیں بلکہ سب اسلام کے احیاء کا ہے۔ قوم کے احیاء کا خیال دماغ سے نکلتے ہی تمام مسائل کا حل کی طرح اُڑ جاتے جو تربیت کی اصطلاحوں میں سرچھنے والے لوگوں کو پریشان کیا کرتے ہیں۔ جب ہم سب اسلام کے پیرو ہیں اور اس کو فروغ دینا ہمارا مقصد ہے تو جس کسی ایسے غلط فہمی کوئی دھمپی یا بھمپی نہیں ہو سکتی جو کسی غیر اسلامی نظام سے وابستہ ہو یا انہوں سے متصادم ہو۔ ہم اپنے دماغ کو اس کے لیے

سمجھنے کی کچھ ہی زحمت دے دیں گے۔ توی اجد کی بن تمام ذہیوں سے بھی ہذا کوئی تعلق نہ ہو گا جو غیر اسلامی اصول پر مبنی ہوں۔ ایک قوم اللہ کی کسری قوم کی ہا بھی کشش اور ایک قوم پر دوسری قوم کے تعلق کی کوششوں سے بھی ہم پر کسی تیزی کریں گے۔ ہم کو جو کہہ بھی دے پس ہر مل اسلامی نظام پر عمل سے اس کی تبلیغ واجب ہے۔ اللہ اس کو طواریں بنانے کی سعی و جہد سے بھی۔ مسلمانوں سے ہمارا تعلق صرف اسی حد تک ہو گا جس حد تک ان کا تعلق اسلام سے ہے۔ جو اپنی خواہش نفس اللہ پر غیر اللہ کی بندگی چھوڑ کر صرف اللہ کی بندگی میں آجاتے وہ ہمارا بھائی اور دین ہے۔ خواہ وہ نسل مسلمانوں میں سے آئے یا غیر مسلموں میں سے۔ ہم پیدا تھی مسلمانوں کو بھی اسی ملک کی طرف دعوت دیں گے اور غیر مسلموں کو بھی۔ ہمارے نزدیک اسلام کو اس نسل مسلمانوں کے واسطے سے بندھا ہوا ہے کہ یہ انھیں تو وہ بھی اُسکے اور یہ انھیں تو وہ بھی نہ اُسکے۔ اسلام ابن کے باپ دلو کی جاتا د نہیں ہے۔ یہ اس کے لیے جیسے اسی کے لیے سرے پر تیار ہوں تو ہم خوش ہوں ہمارا اللہ خوش۔ اللہ جس جہنم میں ان کا بھی چاہے ہا کہ گر جائیں۔ ہم اللہ کا کلمہ دوسرے مسلمانوں کے پاس نے چاہیں گے۔

ہم کہہ کہہ رہے ہیں جیسے ہی فرقہ عمل انبیاء و رسل کا تھا اور اسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا۔ قرآن میں جن کو اپنی کتاب کہا گیا ہے وہ آخر نسل مسلمان ہی تو تھے۔ خدا اللہ کا کہہ رہی اور کتاب اللہ آخرت سب کو ملنے تھے، اور جہاں اللہ اس کا حکم کر ہی بیروی بھی کرتے تھے۔ جتنے اسلام کی اصل مدد، یعنی جنگ و اطاعت کو اللہ کے لیے لکھیں کہ یہ ان اہل دین میں شرک نہ کرنا، یہ چیز ان میں سے نکل گئی تھی۔ سب دیکھیے، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نسل مسلمان قوم کے ایمان پر اپنی کوششوں کو مرکوز فرمایا تھا؟ نہیں۔ کیا آپ نے یہ جہد کر لیا تھا کہ جب تک یہ حالت کے حالات نہ نسل مسلمان نہ اصل مسلمان نہ بن جائیں گے قدم نہ لے کر نہ چلنا جاتے گا؟ یہ بھی نہیں۔ کیا آپ نے ان نسل مسلمانوں کے کوئی مسئلہ کو حل کرنے تک تمام مسلمانوں کی کوششوں کو حتمی نہ کیا تھا؟ یہ بھی نہیں۔ چر آپ نے کیا کیا؟ سب جانتے ہیں کہ آپ نے تمام معاملات اور تمام مسائل کے لیے نظر کر کے

• نسل مسلمانوں • اللہ غیر مشرکوں سب کو خاص شدہ کی زندگی کی طرف دعوت دی، جس نے اسے قبول کیا اللہ غیر مشرک کی زندگی کی علامت ترک کی یا اسے اپنے جتنے میں خالی کر لیا اللہ پھر ان لوگوں کو اسے کہ اپنی نظام الامت میں دین حق کو قائم کرنے کے لیے براہ راست تہذیب شروع کر دی یہاں تک کہ اس کو قائم کرنے کے لیے چھوڑا۔

تھیکسوی طرف سے ہے جس کی پیروی کو نہیں حق بخت ہوں، اسی کی پیروی خود کرنا چاہتا ہوں، اللہ اسی کا طرفہ ان سب لوگوں کو دیتا ہوں جن کا نسب یحییٰ بنی ہے۔

(قرآن مجید سورہ بقرہ - جلد ۱ ص ۱۵۴)



## اسلامی حکومت کی طرح قائم ہوتی ہے؟

اس مقالے میں مجھے اُس عمل (Process) کی تشبیہ کرنی ہے جس سے ایک فلسفہ تجربہ کے طور پر اسلامی حکومت وجود میں آتی ہے۔ آج کل میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی حکومت کا نام بڑے بڑے اطفال بنا رہا ہے۔ مختلف طبقوں سے اس تصور اور اس حصہ کا اظہار ہو رہا ہے مگر ایسے ایسے عجیبہ راستے اس منزل تک پہنچنے کے لیے تجویز کیے جا رہے ہیں جن سے میں ملک پہنچنا آسان ہی محال ہے جتنا سوٹر گار کے درمیان سے امریکہ تک پہنچنا۔ اس نام خیالی (Loom Thinking) کی تمام تر وجہ ہے کہ بعض سیاسی قاریں نئی مہاب کے کسی ایسی چیز کی خواہش تو پیدا ہو گئی ہے جس کا نام اسلامی حکومت ہو مگر غرض اس عمل (Scientific) طریقہ پر نہ تو یہ سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس حکومت کی وضاحت کیا ہے اور نہ یہ جاننے کی کوشش کی گئی کہ یہ قائم کیونکر ہوا کرتی ہے۔ ایسی حالت میں یہ غرض صرف محسوس ہوتا ہے کہ عمل طریقہ پر اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی جائے۔

نظام حکومت کا طبعی ارتقاء

بزرگ اجتماعات میں کہہ جی نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حکومت خود کسی نوعیت

کی ہر معنوی طریقہ سے نہیں بنا سکتا۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ کہیں وہ بن کر تیار ہو اور پھر دوسرے لاکر اس کو کسی جگہ جلایا جائے۔ اس کی مبداءاتش ہی ایک سوسائٹی کے اندر اس وقت، نفسیاتی، تمدنی اور تاریخی سبب کے متاثر سے طبعی طور پر ہوتی ہے۔ اس کے لیے کہ ابتدائی لوازم (Prerequisites) کو کچھ اجتماعی حرکات، کچھ فطری مستقیات ہوتے ہیں جن کے فراہم ہونے اور نہ ہونے سے وہ وجود میں آتی ہے۔ جس طرح شخص میں آپ دیکھتے ہیں کہ قیہر ہمیشہ مقدمات (Prerequisites) کی ترتیب ہی سے برآمد ہوتا ہے، جس طرح امریکیا میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک کیلادی مرکب ہمیشہ کیلادی کشش رکھنے والے اجزاء کے مخصوص طریقہ پر بچنے ہی سے برآمد ہوتا ہے، اسی طرح اجتماعیات میں بھی یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ ایک حکومت صرف ان حالات کے اختصار کا نتیجہ ہوتی ہے جو کسی سوسائٹی میں ہم آہنگ ہوتے ہوں۔ چھ حکومت کی نوعیت کا تعین بھی بالظہار ان حالات کی کیفیت پر منحصر ہوتا ہے جو اس کی مبداءاتش کے متغیر ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ مقدمات کسی نوعیت کے ہوں اور ان کی ترتیب سے نتیجہ کچھ اور نکل آئے، کیلادی اجزاء کسی خاصیت کے ہوں اور ان کو ملائے سے مرکب کسی انداز میں مل جائے، دولت یوں کا لگا یا جائے اور شود و پا کردہ چل آئے کے دینے لگے، اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اسباب ایک خاص نوعیت کی حکومت کے فراہم ہوں، ان کے دل کلام کرنے کا دھنگ بھی اسی نوعیت کی حکومت کے نشوونما پانے کے لیے مناسب ہو، مگر ارتقائی مراحل سے گزر کر جب وہ تکمیل کے قریب پہنچے تو انہی اسباب اور اسی عمل کے نتیجہ میں بالکل ایک دوسری ہی نوعیت کی حکومت ہی جاتے۔

یہ ان شے کیجیے کہ میں یہاں جبریت (Determinism) کو دخل دے رہا ہوں اور انسانی ارادہ و اختیار کی نفی کر رہا ہوں۔ جہتہ حکومت کی نوعیت متغیر کہ نہیں افراد و جماعتوں کے ارادہ و عمل کا بہت بڑا حصہ ہے، مگر دراصل میں یہ ثابت کر رہا ہوں کہ جس نوعیت کا بھی نظام حکومت پیدا کرنا مقصود ہو، اسی کے مزاج اور اسی کی فطرت کے مناسب اسباب فراہم کرنا اور اسی کی طرف سے جاننے والا طریقہ عمل اختیار کرنا بہر حال

ناگزیر ہے۔ اُس کے لیے نزدیکی ہے کہ ویسی ہی تسلیم اُٹھے، اُسی قسم کے انفرادی  
 گیر کمزور ہوں، اُسی طرح کا اجتماعی افق بنے، اُسی طرح کی لیڈ شپ ہو، اور اُسی کیفیت  
 کا اجتماعی عمل ہو جس کا تصور اُس خاص نظام حکومت کی ذمیت فطرۃ کرتا ہے جسے  
 ہم بنا چاہتے ہیں۔ یہ سارے، اسباب و عوامل جب ہم جوتے ہیں اور جب ایک  
 طرحی متحدہ یک جہد جہد کرنے سے اُن کے اندر اتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُن  
 کی تعداد کی ہوتی سوسائٹی میں کسی دوسری ذمیت کے نظام حکومت کا جین و خور ہو جاتا  
 ہے تب تب ایک طبعی نتیجہ کے طور پر وہ خاص نظام حکومت ابھرتا ہے جس کے لیے اُن  
 طاقت و اسباب نے جہد کی ہو۔ بالکل اُسی طرح جس طرح کہ ایک بیج سے جب  
 مدد و تغذیہ ملتا ہے، اور اپنے زور میں بڑھتا چلا جاتا ہے تو نشو و نما کی ایک خاص مد  
 پیدا ہوتی ہے اس میں وہی چل اُسے شروع ہو جاتے ہیں جن کے لیے اُس کی فطری طاقت  
 زور دہی تھی۔ اس حقیقت پر جب آپ غور کریں گے تو یہ تسلیم کرنے میں ذرا  
 تامل نہ ہو گا کہ جہاں قریب، لیڈ شپ، انفرادی سیرت، اجتماعی فلاح، اور حکومت ملی  
 ہر ایک چیز ایک ذمیت کا نفل ہم حکومت پیدا کرنے کے لیے عرصوں و مناسب  
 ہو، اور اُمید یہ کی جائے کہ اُن کے نتیجہ میں بالکل ہی ایک دوسری ذمیت کا نظام  
 پیدا ہو گا، وہاں ہے شعری، عام خیالی اور فنی کاری کے سوا کوئی چیز کام نہیں کر  
 رہی ہے۔

### اصولی حکومت

اب میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ حکومت جس کو ہم اسلامی حکومت کہتے ہیں، اُس  
 کی ذمیت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی خصوصیت جو اسلامی حکومت کو قائم دوسری  
 حکومتوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ قومیت کا عنصر اس میں قسماً ناہید ہے۔  
 بجز ایک اصولی حکومت ہے۔ انگریزی میں اس کو (Ideological State) کہتے ہیں  
 کون گاہ۔ یہ اصولی حکومت وہ چیز ہے جس سے دنیا ہمیشہ نا آشنا رہی ہے اور  
 آج تک نا آشنا ہے۔ قدیم زمانہ میں لوگ صرف خاندانوں یا طبقوں کی حکومت سے

واقعہ تھا۔ بعد میں نسل اندر قومی حکومتوں سے واقف ہوئے۔ محض ایک اصولی حکومت! اسی بنیاد پر کہ جو اس اصول کو قبول کیے وہ بلائیو قریست اسٹیٹ کو چھٹے میں جڑواہ ہوا وہ نیا کے ملک وہیں میں کہیں نہ ساسکی۔ سیاست سے جس تخیل کا بہت ہی دھندہ سائنس دیا، مگر اس کو وہ مکمل نظام فکر نہ لی سکا جس کی بنیاد پر کوئی اسٹیٹ تعمیر ہوتا۔ انتہا بہ فرائض میں اصولی حکومت کے تخیل کی ایک اور اسی جھلک انسان کی نظر کے سامنے آئی مگر نیشنلزم کی آہ کی میں گم ہو گئی۔ اشتراکیت نے اس تخیل کا غصا چرچا کیا، حتیٰ کہ ایک حکومت بھی اس کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی کوشش کی، اور اس کی وجہ سے دنیا کی بھوسہ تخیل کہ کچھ آئے گا تھا، مگر اس کی رگہ پھوٹ بھی اتر کر جڑ میں ختم ہو گیا۔ ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں صرف اسلام ہی وہ مسلک ہے جو قریست کے ہر شاخہ سے پاک کر کے حکومت کا ایک نظام خاص آیتیا و جی کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے اور تمام انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ اس آیتیا و جی کو قبول کر کے غرق قومی حکومت بنائیں۔

یہ پھر چونکہ مرانی ہے، اور گرد و پیش کی تمام دنیا اس کے خلاف چل رہی ہے اس لیے نہ صرف غیر مسلم بلکہ خود مسلمان بھی اس کو اس کے مجملہ مضمرات (Implications) کو سمجھنے سے قاصر ہو رہے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر میں رہیدہ ہوئے ہیں، مگر جن کے اجتماعی تصورات تمام تربیت کی تاریخ اور یہاں ہی کے سیاسیات اور علوم عمرانی (Social Sciences) سمجھنے میں، ان کے دہن کی گرفت میں یہ تصور کسی قدر نہیں آتا۔ بیرونی ہند کے وہ ملک جن کی بیشتر آبادی مسلمان اور سیاسی حیثیت سے گناہ ہے، وہاں اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں جب تمام حکومت آئی تو ان کو حکومت کا کوئی نقشہ قومی حکومت (National State) کے حوالہ سے دیا گیا اور وہ اسلام کے علم دشمن

ہے، اس کی بنیاد نفرت پر تھی اس لیے کشمیر، سی سے خود اپنی قوم کے لوگوں پر ظلم و ستم کرنے لگے اور اس قدر بے رحمی سے قتل عام کیا گیا کہ چھٹیزادہ جو کہ کے قہقہہ دت پڑ گئے، اس کے بعد اس کا شیعہ نیشنلزم کی لہر پھیل گیا۔ (جدید)



برقوی اجمیت (National Minority) اپنی انفرادیت ملحوظ کرنا چاہتی ہے،  
 عازتوں اور تعلیم و انتظامی امور میں اس کا حق محفوظ ہو، اپنے نمائندے یہ قدم نہیں اٹھاتوں  
 میں ایک قوم کی حیثیت سے یہ شریک کیے جائیں، دینی و ملک من القوم میناص۔  
 یہ سب باتیں کرتے ہوئے یہ لوگ امت، جامعہ، قس، اہلیت، یر، اخصاص، امراء  
 اسی قسم کے دوسرے الفاظ مسی صلاحت سے لے کر بولتے ہیں، اگر اسلامی فکر  
 کے اعتبار سے یہ سب ان کے لیے مذہب، قوم پرستی کی اصطلاحوں کے مترادف ہیں  
 جو خوش قسمتی سے پرانے دین سے میں گھڑے گھڑائے لی گئے اور غیر اسلامی رنگ کے لیے  
 اسلامی رنگ کے خلاف کام دینے لگے۔

محول حکومت کی نوعیت اہم جو میں تو اہم کو یہ بات بگنے میں دہ برابر ہی وقف  
 پیش مننے گی کہ اس کی خاموشی کے لیے یہ مسئلہ نہ ہو، یہ اعزاز، شریک، یہ عمل پر کارفرما نقطہ  
 نماز لا بی کام میں دس ملکا کا کہ تعمیر کے انجا ہلکے ہلکے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ  
 اس کا ہر جن ایک تیشہ ہے جس سے محول حکومت کی ہڈ لگت جاتی ہے۔ محولی حکومت  
 کے تیش کی تو بنیادی یہ ہے کہ ہر دس ملکنے تو میں اور تو میں نہیں صرف ہر دس میں۔ ہم  
 ان کے سامنے ایک محول اس حیثیت سے پیش کرتے ہیں کہ اسی پر ترقی کا نظام اور حکومت  
 کا ڈھانچہ تعمیر کرنے میں ان کی نفع ہے اور جو اس کو قبول کرے وہ اس نظام کو چاہے میں  
 برابر کا حصہ دار ہے۔ خود یکے، اس خیال کے کہ وہ شخص کس طرح اٹھ سکتا ہے جس کے  
 مبالغہ، زبان، داخل و خارج، ہر چیز پر قومیت اور قوم پرستی کا اعتبار لگا ہوا ہو۔  
 اس نے تو کسین تر انسانیت کو اپیل کرنے کا دروازہ خود ہی بند کر دیا، پہلے ہی قدم پر  
 اپنی پوزیشن کو آپ غلط کہہ کے رکھ دیا۔ قوم پرستی کے تعصب میں جو قومیں اندھی ہو  
 رہی ہیں، جی کے وطنی جھگڑوں کی ساری بنیادی قوم پرستی اور لوی ریاستیں ہیں، ان  
 کو انسانیت کے نام پر پکارنے اور انسانی نفع کے اصول کی طرف بلانے کا آخری کوسا  
 ڈھنگ ہے کہ ہم خود اپنے قوی حقوق کے جھگڑے اور قوی اجمیت کے مطالبہ سے  
 اس دھوکے کا بتا کریں کہ اس طرح اپنی اصل بات قبول کرتے ہیں کہ تہہ بہ تہی سے ملکی

کر دینے کی تحریک خود ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنے سے مسترد و ج کی جا سکتی ہے :

### خلافتِ اربعہ

اسلامی حکومت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پوری عمارت خدا کی حاکمیت کے تصور پر قائم کی گئی ہے۔ اس کا بنیادی نقشہ شریعہ ہے کہ ملک خدا کا ہے۔ وہی اس کا حاکم ہے۔ کسی شخص یا خاندان یا طبقہ یا قوم کو جبکہ پوری انسانیت کو بھی حاکمیت (Sovereignty) کے حقوق حاصل نہیں ہیں۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق صرف خدا کے لیے خاص ہے۔ حکومت کی یہی شکل اس کے سوا کوئی نہیں کہ انسان خدا کے خلیفہ کی حیثیت سے کام کرے، اور یہ حیثیت صحیح طور پر صرف دو صورتوں سے قائم ہو سکتی ہے : یا تو کسی انسان کے پاس براہِ راست خدا کی طرف سے قانون اور حکومت آیا ہو، یا وہ اس شخص کی پوری اختیاریہ کے جس کے پاس خدا کی طرف سے قانون اور حکومت آیا ہے۔ اس خدایت کے کام میں تمام لوگ شریک ہیں گے جو اس قانون پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کر کے پرتیار ہوں۔ یہ کام اس احساس کے ساتھ چلایا جائے گا کہ ہم سب ہمیشہ جمعی، اور ہم میں سے ہر ایک فرد آزاد خدا کے سامنے جواب دہ ہے اس خدا کے سامنے جو ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز کو جاننے والا ہے، جس کے علم سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی، اور جس کی گرفت سے ہم ہرگز بھی نہیں چھوٹ سکتے۔ خلافت کی ذمہ داری جو اس سے سپرد کی گئی ہے، یہ اس لیے نہیں ہے کہ ہم لوگوں پر اپنا حکم چلائیں، ان کو اپنا غلام بنائیں، ان کے سراپنے آگے جھکوائیں، ان سے ٹیکس وصول کر کے اپنے عمل تعمیر کریں، حالانکہ اختیارات سے کام لے کر اپنے پیش، اپنی نفس پرستی اور اپنی کبریا کی کاسمان کریں، بلکہ یہ سارا بار ہم پر اس لیے ڈالا گیا ہے کہ ہم خدا کے قانونِ ہدٰی کو اس کے بندوں پر جاری کریں۔ اس قانون کی پابندی





منابہ سے اس مسئلہ حل کے پابند ہوں جو ان کے لیے مستقل طور پر بنادیا گیا ہے، جن کی تمام  
 سی وجہ کا ضعف مقصد خدا کی رضا ہو، جن پر شخص کو قوی اخراج کی زندگی اور ہوا دوس  
 کی غلطی مستند نہ ہو، جو تنگ نظری و تعصب سے پاک ہوں، جو مل اور حکومت کے  
 نشہ میں بدست ہو جائے والے نہ ہوں، جو دوسرے کے حریص اور اقتدار کے بھوکے  
 نہ ہوں، جن کی سیرتوں میں یہ طاقت ہو کہ جب زمین کے خزانے مل کے دست قدرت  
 میں آئیں تو وہ سچے امانت دار ثابت ہوں، جب بستیوں کی حکومت ان کے  
 ہاتھ میں آئے تو وہ راتوں کی فیند سے خردم ہو جائیں اور لوگ ان کی مخالفت میں اپنی  
 جان، مال، آبرو، ہر چیز کی طرف سے بے خوف رہیں، جب وہ خارج کی حیثیت  
 سے کسی ملک میں داخل ہوں تو لوگوں کو ان سے قتل و غارتگری، ظلم و ستم اور  
 ہمدردی و شہوت رانی کا کوئی اثر نہ ہو، بلکہ ان کے ہر سپاہی کو مضبوط ملک کے  
 باشندے سے اپنی جان و مال اور اپنی محنتوں کی مصروفیت کا محافظ بنائیں، جن کی دعا کہ  
 میں اتنا دینی سیاست میں اس مدد کی ہو کہ ان کی راستی، انصاف پسندی، اصول  
 اخذ کی پابندی اور جہد و جان پر تمام دنیا میں اکتا دیکھا جائے۔ اس قسم کے اندر صرف اسی  
 قسم کے لوگوں سے اس کی حکومت بن سکتی ہے۔ اور یہی لوگ اس کو چاہتے ہیں۔ وہ ہے  
 ملحد پرست، افادی بنیت (Utilitarian Mentality) دیکھنے والے لوگ، جو  
 دنیوی فائدہ اور شخصی یا قومی مصمتوں کی خاطر ہمیشہ ایک نیا اصول بناتے ہوں، جن کے  
 پیش نظر نہ ہو، نہ اخراج، بلکہ جن کی مدد کی گشتوں کا مرکز و محور امدادی پالیسیوں  
 کا صرف دنیوی فائدہ و انصاف ہی کا خیال ہو، وہ ایسی حکومت بناتے یا چاہنے کے  
 قابل نہیں ہوں گے، ان کو اس حکومت کے دائرے میں موجود چھٹا ہی ایک حاکمیت میں  
 دیکھ کر ہر مدد کاظم کہتا ہے۔

### اسلامی انتداب کی سبیل

اس کی حکومت کی اس اوجیت کو ذہن میں رکھ کر غور کیجیے کہ اس منزل تک پہنچنے کی  
 کیا سبیل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں بتا رہا ہوں، اس سوانحی میں جس قسم

کے فکری، اخلاقی، تمدنی اسباب و محرکات فراہم ہوتے ہیں، ان کے تعامل سے اسی قسم کی حکومت وجود میں آتی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک حکومت اپنی ابتدائی کوپل سے سنے کر پورا وقت بننے بننے حکومتوں کی حیثیت سے نظر و نظر پاسے مگر بار آدی کے مرحلے پر پہنچ کر یکایک نام کے پل دینے لگے۔ وہ حقیقت اسلامی حکومت کسی مجوزے کا شکل میں حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے پیدا ہونے کے لیے ناگزیر ہے کہ ابتداریں ایک ایسی تحریک اٹھے جس کی بنیاد میں وہ نظریہ حیات، وہ منصوبہ زندگی، وہ سیاسی افق، وہ میراث و کردار ہو جو اسلام کے مراجع سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس کے لیڈر اور کاریگر صرف وہی وہ نہ ہوں جو اس خاص طرز کی انسانیت کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے مستعد ہوں۔ پھر وہ اپنی جدوجہد سے سوشلسٹی میں اسی ذہنیت اساسی اصلاحی زور کو پھیلنے کی کوشش کریں۔ پھر اسی بنیاد پر تعظیم و تربیت کا ایک نیا نظام اٹھے جو اس مخصوص مائتہب کے اولیٰ تدارک سے اس سے مسلم سائنسٹ، مسلم فلسفی، مسلم مؤرخ، مسلم ماہرینِ سیاسیات و معاشیات، مسلم ماہرینِ قانون، مسلم ماہرینِ سیاست، غرض ہر شعبہ علم و فن میں ایسے آدمی پیدا ہوں جو اپنی نظر و فکر کے اعتبار سے مسلم ہوں، جس میں یہ تاجیت ہو کہ فکر و نظریات کا ایک پورا نظام اور عملی زندگی کا ایک مکمل ماکہ اسلامی اصول و پرچار کے سب کر سکیں اور جس میں آتی طاقت ہو کہ دنیا کے ناخدا تاس اندر فکر کے مقبول میں اپنی عقلی و ذہنی ریاست (Intellectual Leadership) کا سکہ چاڑھیں۔ اس دماغی پس منظر کے ساتھ یہ تحریک مثلاً اس خطہ نظام زندگی کے خلافت جدوجہد کرے جو اگر دعوت میں پھیلا ہوا ہے۔ اس جدوجہد میں اس کے علمبردار صحبتیں اٹھائیں جنہیں حاصل کر، قریب تیاں سے کما کر لیا اور جانیں دے کر اپنے غرض و مادہ اپنے ارشے کی مضبوطی کا ثبوت دیں۔ آناشوں کی بعض میں تپائے جائیں اور ایسا معیار بن کر لیں جس کو ہر پکنے والا طرز سے جانچ کر بے کھوٹ کمال لپیڈ (Finest Standard) منہی

پائے۔ اپنی ڈرائی کے دوران میں اپنے ہر قول، فعل، ہر فعل سے، ہی اس مخصوص آئینہ یا جوج کا  
 منظرہ کریں جس کے عبرت و رہنمائی ہوئے ہیں۔ اور ان کی ہر بات سے عیاں ہو کہ ایسے  
 بے لطف، بے غرض، درست بار، پاک صیوت، ایثار، شہید، با اصول، خدا ترس و رگ  
 انسانیت کی نوح کے لیے جس امر کی حکومت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اس  
 میں غرور، شان کے لیے مدد ملے ہوگا۔ اس طرح کی جتنی جہد سے سماجی کے وہ  
 تمام عناصر جن کی فطرت میں کچھ بھی نیک اور راستی موجود ہے اس تحریک میں کچھ آئیں  
 گے، بہت سیرت و گون اور ادنیٰ دوسرے طریقوں پر چسپے واؤں کے اثرات اس  
 کے مقابلہ میں دبتے چلے جائیں گے، عوام کی ذہنیت میں ایک انقلاب رونما ہوگا،  
 اجتماعی زندگی میں اس مخصوص نظام حکومت کی پیاس پیدا ہو جائے گی، اور اس میں  
 ہوتی سماجی میں کسی دوسرے طرز کے نظام کا چہن شکل بر جائے گا۔ آخر ایک ایسی  
 تدبیر خیر کے طور پر یہی نظام حکومت قائم ہو جائے گا جس کے لیے ہر پڑین  
 نیک لگتی ہو۔ اور جو ہی کہ وہ نظام قائم ہوگا، اس کو چھوٹنے کے لیے ابتدائی ہل کا دھکا  
 سے لے کر قدم، اور نظام حکم ہر دور کے مناسب لگ پڑنے سے اس نظام کو تسلیم و  
 تربیت کی حد تک موجود ہوں گے جس کا ذکر ابھی نہیں کر چکا ہوں۔

یہ ہے اس انقلاب کے لہجہ اور اس حکومت کی پیدائش کا دعویٰ طریقہ جس کو  
 اسلامی انقلاب اور سماجی حکومت کہا جاتا ہے۔ دینا کے انقلاب کی تاریخ آپ کے  
 سامنے ہے۔ آپ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ایک خاص نوعیت کا انقلاب  
 اسی نوعیت کی تشریک، اسی نوعیت کے لیڈر اور کارکن اسی نوعیت کا اجتماعی  
 شعور اور تمدنی و اخلاقی ماحول چاہتا ہے۔ انقلاب لڑنے کو وہی خاص اخلاقی و فرائضی  
 احساس و کار تہی و جدوجہد و اصرار اور خوشگوار جیسے ہیڈوں سے تیار کی۔ انقلاب دہی  
 صرف دیکھ کے انکار اور نفی اور ٹرائل کی لینڈ شپ اور ان ہزار ہا اشتراک کار کوئی ہی  
 کی بدولت رونما ہو سکتا تھا جس کی نہ گئیں اشتراکیت کے مانچے میں ڈھل چکی تھیں۔  
 جو جس کا نیشنل موٹو اس مخصوص اخلاقی، نفسیاتی اور تمدنی زمین ہی میں جو پکڑا سکتا ہو سکیں

نقٹے، گمراہ تھے، نیشے، اور بہت سے نظریوں کے نظریات اور ہندو کی میڈیٹیشن تیار کیا۔  
 اس طرح سے اسوی نقشب بھی مرن اسی صورت میں برپا ہو سکتا ہے جب کہ ایک عمومی  
 تقریب قرآنی نظریات و تصورات اور کئی سیرت و کردار کی بنیاد پر اٹھے اور اجتماعی زندگی  
 کی مدد دینی، اخلاقی، نفسیاتی اور تہذیبی زندگیوں کو طاقت اور جدوجہد سے جلا دے۔  
 یہ بات کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتی کہ تو پرستارہ فریضت کی کوئی تقریب جس کا پس منظر  
 ناقص حکم تعلیم ہو جس و مقصد ہمارے جن پایا جاتا ہے اور جس کی بنیاد اخلاقی اخلاقیات  
 (Utilitarian Morals) و مصلحت پرستی (Pragmatism) پر ہو، اس کا  
 انتساب تو کس طرح برپا سکتی ہے؟ اس اُس قسم کے مجرات پر یقین نہیں رکھتا جن پر فرض  
 کے سابق وزیر اعظم موسیٰ حیدر یقین رکھتے تھے۔ میں تو اس کا قائل ہوں کہ میں تدبیر کیا ہیگی  
 دیکھ ہی نتائج برآمد ہوں گے۔

### خام خیالیاں

ہمارے ہاں یہ سمجھا جا رہا ہے کہ میں مسلمانوں کی تعلیم ان کے تمام عقائد کی دہا  
 ہے: اسلامی حکومت، یا آزاد ہندوستان میں آزاد اسلام کے خصلت کی پہچان کی سیل  
 یا بھی جا رہی ہے کہ مسلمان قوم میں آزاد سے مرکب ہے وہ سب ایک مرکز پر جمع ہوں،  
 متحد ہوں، اور ایک مرکزی قیادت کی طاقت میں کام کریں۔ لیکن دراصل یہ تو پرستارہ  
 پر مرکب ہے۔ جو قوم میں اپنا بول بالا کرنے کے لیے جدوجہد کرنا چاہے گی وہ بھی طریقہ  
 اختیار کرے گی عوام ہندو قوم ہو، یا سکھ، یا جرنی، یا اٹالوی۔ قوم کے مفق میں ڈوبا  
 ہوا ایک لیڈر جو موقع و محل کے لحاظ سے مناسب چالیں چلنے میں بہرہ جو اود میں  
 حکم چوستے کی خاص تاجیت موجود ہو، ہر قوم کی سرزندگی کے لیے مفید ہوتا ہے، خواہ

لہذا میری طبیعت میں فرض کی فلسفہ سے ہندو چلے میں یز نے، جو اس وقت میرا علم تھے،  
 پذیر و تفسیر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اب فراموش ایک مجرہ ہی ہو سکتا ہے اور میں  
 جو وقت لگاتی ہوں؟ (دعیم)







اس کی اوپری شکل میں خلیفہ سی تبدیل پیدا کرنا چاہتا تھا اور اس میں بھی ناکام ہو گیا۔ اس وقت کا حال ہے جب کہ ایک شخص کی طاقت بہت کم کر سکتی تھی۔ اب میں یہ سمجھنے سے تھرہوں کہ قوی اسٹیٹ جمہوری طرز پر قائم ہو گا اور اس بنیادی اصول میں آخر کس طرح مددگار ہو سکتا ہے۔ جمہوری حکومت میں اقتدار اُن لوگوں کے ہاتھ میں آتا ہے جن کو دلوں کی پسندیدگی حاصل ہے۔ وہ دلوں میں اگر اسلامی ذہنیت اور اسلامی فکر نہیں ہے، اگر وہ مسیحی سیرت و کردار کے عاشق نہیں ہیں، اگر وہ اُس بے دھمک حال انسان بے پلک سمجھوں کہ ہوا داشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، جمہوری حکومت چھائی جاتی ہے، تو ان کے دلوں سے کبھی مسلمانانہ قسم کے دلی ختب ہو کر پائینٹ یا اسبل میں نہیں آ سکتے۔ اس ذریعہ سے تو اقتدار، جنی لوگوں کو یہ گمراہ مردم شمار کی کے رجسٹر میں چاہے مسلمان ہوں، مگر اپنے نظریات اور طریق کار کے اعتبار سے جن کو اسلام کی ہر اچھی دھڑی ہو۔ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار اُن کے معنی یہ ہیں کہ ہم اُسی مقام پر کھڑے ہیں جس پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ بلکہ اس سے بھی بدتر مقام پر کیونکہ وہ "قوی حکومت" جس پر اسلام کا ناقضی بیل لگا ہو گا، انطباق رشتہ روکنے میں اُس سے بھی زیادہ جری اور بے باک ہو گی جتنی غیر مسلم حکومت ہوتی ہے۔ غیر مسلم حکومت جن کامن پریٹیکل سزا دیتی ہے، وہ "مسلم قوی حکومت" ان کی سرچاسنی اور جلا وطنی کی صورت میں دے گی اور پھر بھی اس حکومت کے پینڈہ جیتے ہی فازی اور مرنے پر رحمہ اللہ علیہ ہی رہیں گے۔ پس یہ سمجھا تعلق غلط ہے کہ اس قسم کی "قوی حکومت" ایسی معنی میں بھی اسلامی انجیل حسب ذیل میں مددگار ہو سکتی ہے۔ اب صاف یہ ہے کہ اگر ہم کو اُس حکومت میں بھی اجتماعی زندگی کی بنیادیں بدھنے ہی کی کوشش کرنی پڑے گی، اور اگر ہم یہ کام حکومت کی امداد کے بغیر بلکہ اس کی حمایت کے باوجود اپنی قربانیوں ہی سے کرنا چکا، تو ہم آج ہی سے یہ راہ عمل کیوں نہ اختیار کریں؟ اُس نام نہاد "مسلم حکومت" کے انتظار میں اپنا وقت یا اُس کے قیام کی کوشش میں اپنی وقت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں جس کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے





میں ہم کو صحت ایک ہی جگہ سے صحت اور مکمل رہنمائی ملتی ہے اور وہ مسند نامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔ اس طرف ہمارے رجوع کرنے کی وجہ نئی حقیقت مندی ہی نہیں ہے بلکہ حاصل اس زمانہ کے نشیب و فراز معلوم کرنے کے لیے اسی طرف رجوع کرنے پر ہم مجبور ہیں۔ اسلامی تحریک کے تمام پیشقدموں سے صحت ایک نیا اصول اخذ شدہ مسلم ہی رہا ہے۔ لیکن اس کی زندگی میں ہم کو اس تحریک کی ابتدائی دعوت سے سکر اسلامی انشیت کے قیام تک سادہ پیر قیام کے بعد اس انشیت کی شکل و صورت، داخلی و خارجی پالیسی، اللہ تعالیٰ کی نیک حکمت کے نیک حکم ایک ایک مرحلے میں ایک ایک پہلو کی پوری تفصیلات اور نہایت مستند تفصیلات ملتی ہیں۔ لہذا میں اسی ماحول سے اس تحریک کے طریق کار کا ایک مختصر نقشہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام کی دعوت پر مامور ہوئے ہیں تو آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں بہت سے اخلاق، تمدنی، معاشی اور سیاسی مسائل حل طلب تھے۔ وہی مسائل انہی پر پیرایہ بھی موجود تھا۔ طبقاتی امتیاز نامت ہی تھے۔ ناجائز معاشی انتفاع (Economic Exploitation) بھی ہو رہا تھا اور اخلاقی فساد بھی پھیلے ہوئے تھے۔ خود آپ کے اپنے ملک میں بہت سے ایسے جمیع مسائل موجود تھے جو ایک یڈ کے معافی تدبیر کا منتظر تھے۔ مدنی نظم و انضام، اخلاقی پستی، فساد، طوائف، انحراف، اللہ کی اور خانہ جنگی میں مبتلا تھی، کویت سے لے کر مشرق اور جنوبی عرب کے تمام ماحول عداوتیں، عراق کے مذہبی غیر موافق سیاست، ایرانی تسلط میں تھے، شمال میں جہاز کی سرحدیں مدنی تسلط میں چکا تھا۔ خود ہمارے ہمدردی کے ساتھ دلدل کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے اور انہوں نے عربوں کی اپنی مدد غریب کے ہاں میں پھانسی لگا تھا۔ مغربی ماحول کے میں متبادل جہش کی حیثی حکومت موجود تھی جو چند ہی سال پہلے کہ ہر جہاز کی کرپشن تھی۔ اس کے ہم مذہب اور اس سے ایک گروہ معاشی و سیاسی تسبیح رکھنے والوں کا ایک جماعت خود ہمارے ہی کے سامنے تھی۔ ان کے مقام پر موجود تھا۔ سب کچھ تھا مگر میں یڈ کو اللہ نے رہنمائی کے لیے متوکیا تھا اس نے دنیا کے اور نیا لہنے لکے کے بہت سے مسائل میں سے کسی ایک مسئلہ کو

ہی جوہر ذکی، مجردیت اس چیز کی طرف دی کہ خدا کے ساتھ تمام الٰہوں کو چھوڑ دیا اور موت  
اس ایک ذکی بندگی قبول کرے۔

اس کی وجہ یہ دینی کہ اُس نہ ہنسی نہ گناہ میں دوسرے مسائل کوئی اہمیت دے سکتے تھے،  
یا کسی قوم کے اقلیتی ہی نہ تھے۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ آگے چل کر اُس نے ان سب مسئلوں  
کی طرف توجہ کی اور سب کی ایک ایک کی حل کیا۔ مگر اب یہاں سب کی طرف سے  
نظر ہیرا کر ہی ایک چیز پر تمام زور دیا کہ خدا کی وجہ سے حق کہ اس کی طرف کے نقطہ نظر  
سے انسان کی اخلاق و تمدنی زندگی میں جتنی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سب کی فیصلہ  
صفائوں کا پہنچان آپ کو خود مختار (Independent) اور غیر ذمہ دار (Responsible)  
سمجھنا، یا بنیادی آپ پر ان کے فلسفہ ہے، یا پھر یہ ہے کہ وہ انہی انسانی کے ساتھ کسی دوسرے  
کو صاحب امر تسلیم کرے، خواہ وہ دوسرا کوئی انسان ہو یا غیر انسانی۔ یہ چیز جب تک  
ہوش میں موجود ہے، اس کی فکر یہی کہ اس کے کوئی اور پرستی، صلح، انفرادی یا اجتماعی  
خواہشوں کو رد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ ایک طرف سے خرابی کو رد کیا جائے گا  
اور کسی دوسری طرف سے وہ سرنگھلے لے گی۔ لہذا اصول کا آغاز اگر ہو سکتا ہے تو یہ  
اسی چیز سے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو انسان کے خارج سے خود مختار کی ہوا کو نکالنا  
ہو سکتے ہیں اور اسے بنایا جانے کہ تو جس دنیا میں رہتا ہے وہ درحقیقت بے ہوشانہ کی حالت  
نہیں ہے، بلکہ انیالات اس کا ایک بادشاہ موجود ہے، اور اس کی بادشاہی نہ تیرے تسلیم  
کرنے کی محتاج ہے، نہ تیرے مشائے سے بحث سکتی ہے، نہ اس کے حدود و سلطنت  
سے عمل کر لیں یا سکتا ہے۔ میں اُس مسئلہ سے اُنل واقعہ کی موجودگی میں تیرا اور خدا کی کاظم  
ایک انتہائی خط نہیں ہے کہ اس کا نہیں ہے جس کا نقصان نہ تیرے ہی اوپر جائز ہوگا۔  
حق انہی حقیقت پسندی (Realism) کا تقاضا ہے کہ سیدھی طرح اُس کے علم  
کے آگے سر جھکا دے اور صلح بند ہی کرے۔ دوسری طرف اُس کو دائرہ کا، پہلو ہی  
دیکھنا چاہئے کہ جس پہلو کا تقاضا میں صرف ایک ہی بادشاہ، ایک ہی ملک اور ایک  
ہی مملکت کا ہے۔ کسی دوسرے کو نہ یہاں کھڑے کا حق ہے اور نہ واقعہ میں کسی کا

حکم جہت ہے۔ اس لیے تو اس کے سوا کسی کا بندہ نہیں۔ کسی کا حکم نہیں۔ کسی کے کئے سرے نہ  
 بھگا۔ یہاں کوئی ہزا تین نہیں ہے، دتین صرف ایک ہی کو زیادہ ہے۔ یہاں کوئی  
 ہزا ہلائی نہیں ہے، ہلائی نہ دی کی نہ دی اسی ایک کے لیے خاص ہے۔  
 یہاں کوئی ہزار لاکھ نہیں ہے، لاکھ ڈھپ ہٹکیر اسی ایک کا محتسب ہے۔ یہاں کوئی  
 قانون ساز (Law Giver) نہیں ہے، قانون اُسی کہے اللہ ہی قانون بنانے کا  
 حق دار و سدا ادا ہے۔ یہاں کوئی سرکار، کوئی آئین و آقا، کوئی ولی و کار مدار، کوئی رعایت  
 ٹخنے والا اور فرائض نہیں ہے۔ کسی کے پاس اقتدار کی ٹخیاں نہیں ہیں، کسی کو برتری  
 فوقیت حاصل نہیں ہے۔ زمین سے آسمان تک سب بندے ہی بندے ہیں۔ رب  
 اللہ معنی صرف ایک ہے۔ لہذا تو ہر فردی بہر ادا صحت، ہر پابندی سے انکار کر کے اور  
 اسی ایک کا حکم، میں اللہ یا جنو حکم بن جا۔ یہ تمام اصول صحت کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اسی  
 بنیاد پر انفرادی سیرت اور اجتماعی نظام کی پوری عبادت اور مرکز اور سرگوا ایک نئے نقشے  
 پر بنتی ہے اور عمارت سے ساری جو انسانی زندگی میں آدمی سے لے کر اب تک پیدا ہونے  
 اور اب سے قیامت تک پیدا ہوں گے، اسی بنیاد پر ایک نئے طریقے سے حل  
 ہوتے ہیں۔

نور علی شاہ حیدر دہلوی نے اس بنیاد پر صحت کی وحدت کو مزید کسی سائے تیار ہی اور بغیر  
 کسی تہید کا سدھائی کھرا و راستہ پیش کر دیا۔ انہوں نے اس وحدت کی مشنڈن تک  
 پہنچنے کے لیے کوئی بھی کام نہ اختیار کیا کہ پہلے کچھ سیاسی یا سوشل پروگرام کر کے  
 لوگوں میں اثر پیدا کیا جائے، پھر اس راہ سے کام لے کر کچھ مالکانہ اختیارات حاصل کیے  
 جائیں، پھر ان اختیارات سے کام لے کر فتنہ رفته لوگوں کو چھتے ہوئے اس عام ملک  
 کے آئین، یہ سب کچھ، کچھ نہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہیں ایک شخص اٹھا، اور چھتے ہی  
 اُس نے لا ایلہ الا اللہ کا اعلان کر دیا۔ اس سے کم کسی چیز پر ایک ٹکڑے جی  
 اس کی نظر ڈھیری۔ اس کی وجہ بعض چغیرانہ جرات اور جوش نہیں ہے۔ حامل رسائی  
 تحریک کا طریق کار ہی یہی ہے۔ وہ اثر دینے اور اعتماد مجدد کرنے کے ذرائع سے

پیدا کیا جلتے، اس اصول کے کام میں کچھ بھی مددگار نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہوا کسی دور جنس یا پرکھ لکھا تو دیتے رہے ہوں وہ اس بنیاد پر تعمیر ہو گیا کہ نہ میں آپ کے کسی کام میں آسکتے۔ اس کام میں تو وہی لوگ ضیاع ہو گئے ہیں جو آپ کی طرف اللہ تعالیٰ کی آواز سن کر ہی آئیں، اسی چیز میں ان کے لیے کشش ہو، اسی حقیقت کو وہ زندگی کی بنیاد بناتیں، اور اسی اساس پر وہ کام کرنے کے لیے نکلتیں۔ لہذا اسلامی قوانین کو چھاننے کے لیے جس خاص قسم کے قدر اور محنت عمل کی ضرورت ہے اس کا تقاضا ہی یہی ہے کہ کسی تہیہ کے بغیر کام کا آغاز اسی درجہ تو حید سے کیا جلتے۔

تو میدانِ تعمیر بعض یکساز ہی حقیقت نہیں ہے۔ جیسا کہ میں، بھی عرض کر چکا ہوں اس سے اجتماعی زندگی کا وہ پورا نظام برپا نہیں کی خود مختاری، یا غیر اللہ کی حاکمیت اور بیعت کی بنیاد پر رہنا ہو، جڑ بنیاد سے اکٹرا جاتا ہے اور ایک دوسری اساس پر نئی صحت تیار ہوتی ہے۔ آج دنیا آپ کے مرنے کو اللہ تعالیٰ لا الہ الا اللہ کی صدا بلند کرتے ہوئے اس لیے ٹھنڈے پڑے ہوئے یعنی ہے کہ وہ چاہنے والا ہوتا ہے کہ کیا پکار رہا ہوں، دیکھنے والوں کو اس میں کوئی معنی اور کوئی مقصد نظر آتا ہے، لیکن اگر یہ مسلم ہو جائے کہ اس اعلان کا مقصد یہ ہے، اللہ جل جلالہ کی طرف سے جو حکم اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ میرا کوئی بادشاہ یا فرمانروا نہیں ہے، کوئی حکومت میں تسلیم نہیں کرتا، کسی قانون کو نہیں مانا، کسی حد تک حد و انضباط (discipline) جس تک نہیں پہنچتے کسی کا حکم میرے لیے حکم میں ہے، کوئی مصلحت اور کوئی رسم مجھے تسلیم نہیں، کسی کے امتیازی حقوق، کسی کی ریاست، کسی کا اقتدار، کسی کے اختیارات میں نہیں آتا، ایک اللہ کے ہوا میں سب کا باپ اور سب سے بڑا ہو، تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس صدا کو بھی میں ٹھنڈے پڑے ہوئے برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ خود کسی سے ڈرتے ہیں یا نہ جانتے، دنیا خود آپ سے ڈرتی ہے آج کل۔ یہ آواز بلند کرتے ہی آپ کو رول اس میں کہ اگر بلا ایک زمین و آسمان آپ کے دیش ہو گئے ہیں اور ہر طرف آپ کے پیراں پیرا ہو گئے ہیں۔

اور دیکھ کر ہی غصہ سے ہیں۔

میری صحبت اس وقت چلی گئی جب مسٹر علی علیہ السلام نے آواز بلند کی۔ پچھلے دنوں نے جان کر پچھا تھا اور کھنڈے والے بھگتے تھے کہ کیا پکار رہا ہے۔ اس لیے میں جس پر جس پہلو سے بھی اس پار کی غریب پڑتی تھی وہ اس کو ہاتھ کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ پچھلے دنوں کو اپنی برہنیت و پاداشیت کا خطرہ اس میں نظر آیا۔ دھیموں کو اپنی ریاست کا، ساہوکاروں کو اپنی ساہوکاری کا، نسل پرستوں کو اپنے نسل افروزی (Race Propagation) کا، قوم پرستوں کو اپنی قومیت کا، اہلاد پرستوں کو اپنے بہبود کا، عیسائیوں کے لیے عیسائیوں کا، غرض ہر نسل کے پرستار کو اپنے نسل کے لڑنے کا خواہ اس ایک آواز میں محسوس ہوا، اس لیے آنگھٹو بیگٹو ڈائیڈ ٹی، وہ سب جو آپس میں ٹکراتے تھے، اس نئی لکڑی کیٹے لڑنے کے لیے ایک ہو گئے۔ اس حالت میں موت وہی دگ جو علی علیہ السلام کی طرف آئے تھے، ان کا نہیں صاف تھا، حقیقت کو بھگتے تسلیم کرنے کی استعداد رکھتے تھے، میں نے کہا کہ اتنی صاف پسنی ہو رہی تھی کہ جب ایک چیز کے حسن باقی میں کہ حق ہے تو اس کی غار آگ میں گوندے اور صاف سے کھینچنے کے لیے تیار ہو جاتیں۔ ایسے ہی لوگوں کی اس لکڑی کے لیے ضرورت تھی۔ وہ ایک ایک دو چار پھل کے آتے تھے، بے اور کھٹکشی بڑھتی رہی کسی کا دھڑکا، چوڑا، کسی کو گھروں میں سے نکال دیا۔ کسی کے عزیز، دوست، افسانہ، سب چھوڑ گئے۔ کسی پر ہار پڑی۔ کسی کو قید میں ڈال دیا۔ کسی کو تپتی ہوئی ریت پر گسیٹا لیا۔ کسی کی سر پر ڈال دیں اور گایوں سے قاضی کی گئی۔ کسی کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ کسی کا سر چالو یا لگا کسی کو صحت، مل، حکومت و ریاست، ادھر ہر ممکن چیز کا ہر حصے کو خسر دینے کی کوشش کی گئی۔ یہ سب بھی نہیں آئیں، ان کا آخر وہی تھا، ان کے بغیر اس کی حسیات و حاکم ہو سکتی تھی اور بدہرہ سکتی تھی۔

ان کا بدہرہ تھا کہ گھنیا قسم کے بھدی میرٹ اور نصیحت اراکہ رکھنے والے لوگ اس طرف آہی نہ سکتے تھے۔ جو بھی ان کی نسل آدم کا بہتری جوہر تھا جس کی اصل ضرورت

حق۔ کوئی دوسری صورت ہم کے اذیوں کو ناکام آد میں سے چھانٹ کر ملک نکل جانے کی  
اس کے ساتھ حق کی جو بھی آئے وہ اس میں سے گن گنت تھے۔

پھر جو گن گنت تھے ان کو اپنی کسی ذاتی غرض کے لیے یا کسی غافل یا قوی مقصد کے لیے  
نہیں بلکہ بعض حق و صداقت کے لیے صرف خواہ اس کی رعایا خاطر مصائب و آہم کا  
مقابلہ کرنا پڑا۔ اسی کے لیے وہ اپنے اسی کے لیے بڑے کرے اس کے لیے دنیا بھر کی  
جنگ لایوں کا تختہ مشق بنے۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ ان میں دلیج اسلامی مذہبیت پیدا ہوئی  
گئی جس کی ضرورت تھی۔ ان کے اندر خاص اسلامی ہیئت پیدا ہوئی۔ ان کی خصلت پرستی  
میں غور و آقا اہد بڑھا چلا گیا۔ مصائب کی اس زبردست تربیت گاہ میں کیفیت اسلامی  
کھلا رہی ہونا ایک طبعی امر تھا۔ جب کوئی شخص کسی مقصد کے لیے اختیار ہے اور اس کی  
داد میں کشمکش، جدوجہد، مصیبت، تکلیف، پریشانی، مدد، عقیدہ، فاقہ، بلا وطنی وغیرہ  
کے مرحلوں سے گزرتا ہے تو اس ذاتی تجربہ کی بدولت اس مقصد کی تمام کیفیات اس کے  
قلب و روح پر چھاتی ہیں اور اس کی پوری شخصیت اس مقصد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔  
اس مقصد کی تکمیل میں جو چیزیں تھیں ان کے لیے غاڑاں پر غرض کی گئی تاکہ نظر کی ہر گندگی کھر  
اسان کو دور ہو جائے۔ اپنے نفس، اعضاء پر ان کی نگاہ بھی ہے، جس کو وہ حاکم بن جائے  
پس اس کی حاکمیت کا بار اقرار کر کے وہ اپنے مقصد سے میں مضبوط ہو جائیں، جس  
کے حکم کے مطابق انہیں اب دنیا میں کام کرنا ہے اس کا علاوہ الغیب و الشہادۃ  
ہونا، اس کا معاملہ یوم السعید ہونا، اس کا قلعہ فوق حیا و ہونا پوری  
طرح ان کے ذہن لطیف پر جاسے۔ اور کسی حال میں بھی اس کی اطاعت کے سوا اور سرت  
کی اطاعت کا خیال نہ آئے۔

ایک طرف آئے عالمی کی طرف سے اس طرح آمد ہی تھی اور دوسری طرف یہی کشمکش  
کی جہ سے اسلامی تحریک کو پہل بھی رہی تھی۔ جب لوگ دیکھتے تھے کہ چند زبان پہنچے نہیں  
میں تو خود غم، ان کے اندر معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوتا تھا کہ آخر سارا عالم مر ہے کس  
لیے؟ اور جب انہیں معلوم ہوتا تھا کہ دن، اور زمین کسی چیز کے لیے بھی نہیں ہے، کوئی

اس کی ذاتی غرض نہیں ہے، یہ اللہ کے بندے صرف اس لیے پہنچے ہیں کہ ایک چیز کی صداقت پر شک پیدا ہوئی ہے، تو اسی کے دلوں میں کہہ دے آپ یہ جہنم پیدا کر دیتا تھا کہ اس چیز کو معلوم کریں، آخر میں کیا چیز ہے جس کے لیے یہ لوگ ایسے عذاب برداشت کر رہے ہیں، پھر جب انہیں معلوم ہوتا کہ وہ چیز ہے طاعون اللہ، اور اس سے لاشیٰ زندقہ میں اس نوعیت کا نقاب رونما ہوتا ہے، اور اس دعوت کو ملے گا ایسے لوگ اگلے میں جو اصل صداقت و حقیقت کی خاطر دنیا کے سارے فائدوں کو ٹھکرا رہے ہیں، اور جان، مال، اور دوسرے چیزیں قربان کر رہے ہیں، تو ان کی انہیں کھلی جاتی ہیں، ان کے دلوں پر تھوڑے پرشے برسے گئے، وہ جاگ بولتے تھے، اس پر نظر کے ساتھ یہاں ترک اہل حق نے پر جا کر کھینچی تھی یہ جہنم برحق کہ بھڑائی لوگوں کے جو کو ذوق و محبت کے بھڑائی اور پرستی کی حالت، یا افواہی دیوی کی جنت نے اللہ بنا رکھا تھا، مگر وہ اس تحریک کی طرف کھینچے چلے گئے، کوئی جہنم کہنا اور کوئی زیادہ دیر تک اس کشش کی مزاحمت کرنا نہ ہو، مگر یہ یا سریر ہود اللہ پسند ہے، اللہ تعالیٰ کو اس طرف کھینچا ہی پڑا۔

اس دکھائی میں تشریک کے لینے نے اپنی نفس زندقہ سے اپنی تحریک کے اصول پر اہل ہر اُس چیز کا جس کے لیے یہ تحریک، عملی تھی، پورا پورا مظاہرہ کیا، اس کی ہر بات، ہر فعل اور ہر حرکت سے اسلام کی مدد ملتی تھی اور آدمی کی جہنم میں لانا تھا کہ اسلام کے کہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی فیصلہ پسند بحث ہے جس کی تشریح کا یہیں موقع نہیں، مگر مختصر چیدانیاں باقی کا میں یہاں ذکر کروں گا۔

اُن کی یہی صورت خود بخود جہنم کی سب سے زیادہ علامت ہے، جس سے اللہ ان کے دل سے جہنم کو کہتے تھے، جب اسلام کی دعوت شروع ہوئی تو آنحضرتؐ اس سارا تہمتی کا دھواں بھڑکایا کہ ہم تو اپنی دعوت میں صرف یہ مانے اور تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لینے کے بعد کیا کام پہنچا سکتا تھا، جو کہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ اس کو یہاں اللہ ہی دونوں نے اس تشریک کے پیچھے ہر چند ماں میں لٹا دیا، آخر اللہ تعالیٰ یہاں لٹکا دیا کہ جب آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تبلیغ کے سلسلہ میں طائف تشریف لے گئے تو وہ شخص جو کبھی



چنانکہ اہل تہذیب کو ساری کے لیے ایک گمراہی میسر نہ ہو۔

قریش کے لوگوں نے حضرت علیؑ کو حید و علم کے واسطے چاند لائق سمجھ کر یہ کہہ کر ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔ عرب کی عیسوی ترین جماعت آپ کے ظلوں میں دھندل گئے۔ دولت کے پیر آپ کے قدموں میں لگیں گے۔ بشرطیکہ آپ سے کسی کیسے جدا ہوں۔ مگر شخص جو منہ کی غور کے لیے اٹھا۔ اس نے سب سب پہل کٹوں کو ٹکڑا دیا اور گایاں اور چہرے کاٹنے پر حاضر ہو گیا۔

قریش اور عرب کے کسے داروں نے کہا کہ محمدؐ ہم تہذیب سے ہیں کیسے اگر شخص اور تہذیبی باتیں کیسے نہیں جب کہ تہذیبی جس میں ہر وقت غم، غصہ، مصائب، کسی لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارے اور عرب سے زیادہ نیچے طبقہ کے لوگ ہیں ان کو تم نے اپنے گرد پیش کر لیا ہے۔ انہیں ہڈا تو ہم سے ہیں۔ مگر شخص جو منافق کی بد پر نیچ پر بار بار کھنے لگتا اس سے تھوڑی سی کی خاطر فریاد کو نہ ملنے سے غلام کر دیا۔

اپنی ترکیب کے سلسلے میں حضرت علیؑ حید و علم سے نہایت محکم رہے۔ آپ کو اپنے قریب اپنے غلامان کسی کے غلام کی طرح پرہیزگاروں کی جیسی چیز نے دنیا کو پیش کیا کہ آپ غلامان بہشت مندوں کی طرح کے پیدا ہوئے ہیں۔ اور اسی چیز نے آپ کی دعوت کی طرف ہر قوم کے غلامان کو کھینچا۔ اگر آپ اپنے غلامان کی فکر کرتے تو فرما دیتے کہ میں ان کو کچھ کیس دیکھتی ہوں۔ مگر قریشی عربوں کو کیا پڑی تھی کہ اس کام میں شریک ہوتے؟ اگر آپ عرب کی برتری کے لیے اٹھتے تو قریش کے ہاتھ دم کے طیش اور غلامان کے سنسنائی کو کیا غرض تھی کہ اس کام میں آپ کا ساتھ دیتے۔ بعد ازاں جس چیز نے سب کو کھینچا وہ خاص خدا پرستی تھی۔ ہر ذال غلامان لڑی، غنی غریب سے قتل بے لوث تھی۔

گنتے سے جب آپؐ کو میر سہ کرنی پڑی تو تمام باتیں جو دشمنوں نے آپ کے پاس کھول دی تھیں، ان کے سپرد کر کے نکلے کہ میرے بعد ہر ایک کی لاف اس کو کھل دیتا۔ کیا پر سب ایسے مرتد ہو جو کچھ خدا گنتا ہے، سکر پیتے ہیں۔ مگر خدا پرست سے پی جی

کے دشمن، اپنے فرائض کو پہچان کر اہل ایمان میں اپنی پینچنے کی طرح کی اور اس وقت کی  
جب کہ اس کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ وہ حقوق تاج میں کو دیکھ کر عرب کے لوگوں تک  
بہ گئے تھے کہ اس کے قتل سے کہ جب وہ دوسروں کے بعد اس کے قتل میں اس شخص کے  
خود کو بڑے شرف سے سمجھیں گے اور اس کے قتل سے کہ وہ یہ کہیں گے کہ تم اس سے  
وہ بڑے شرف و اہم فرشتہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قتل کا وہ سے رخصت ہوئے وقت  
میں اس شخص کے حقوق ادا نہ کیے کی ذمہ داری کو نہیں بھرتا؟ اس وقت میں کہ وہ خود کی  
بنا پر اس شخص کے گناہوں کے دل سے صریح رہے ہوں گے۔ جب نہیں کہہ دیں گناہ کی  
شکست کا حق سب میں ہے ایک جب یہ بھی ہو۔

۴۴ برس کی شدید ہندو جہد کے بعد حضرت آغا جہاد دین میں اسلام کا ایک چھوٹا سا  
امیٹ قائم کرنے کی فرمائش کی۔ اس وقت مصلحتی تھی سو کی تعداد میں ایسے آدمی فراہم کر چکے  
تھے جن میں سے ایک ایک اسلام کی چوری حریت پار اس قابل ہو چکا تھا کہ جس مشیخت میں  
میں نے کام کرنے کا موقع ملے، مسلمان کی مشیخت سے اس کے انجام دے سکے۔ اب یہ  
لوگ ایک نئی امیٹ کو چھنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ وہ قائم کر دیا گیا۔ دس برس تک  
ہولی اللہ علیہ وسلم نے اس امیٹ کی رہائی کی اور اس شخص کی مدد میں ہر شے حکومت  
کو ان کے سامنے ہر روز چھانے کی چوری مطلق این لوگوں کو کر دی۔ یہ فقہ اسلامی آئینہ ہو گیا کہ  
ایک بڑے تہذیبی ~~مصلحت~~ سے ترقی کے ایک نئے نظام کو جنم دینے کا  
مصلحت ہے جس میں اسلام کی انتظامی، تعلیمی، صحافتی، سماجی، معاشی، معاشی، مال، جنگی، چلیاؤ کی  
پاسی کا ایک ایک پہلو مدخل بنوا، ہر قسم کے زندگی کے لیے اصول بنوا، ان اصولوں کو  
عملی مصحف پر منطبق کیا گیا، اس میں ہر کام کرنے والے کو ان تعلیم اور تربیت اور عمل  
جو وہ چاہے جیسا کہ گتے، اور لوگوں نے اسلام کی حکمرانی کا یہ نفاذ پیش کیا ان کے عمل کی مشور  
مکت میں دینے سے ایک چھوٹے سے تجربہ کا مشیخت ہے اسے عرب کی مصلحت میں تبدیل  
ہو گیا، جو وہ لوگ اسلام کو اس کی عملی مصحف میں اور اس کے نتائج کو عموماً ملکی میں دیکھتے  
تھے ان لوگوں میں اس کے قتل ہو جاتے تھے کئی اور نفع مناسبت اس کا نام ہے اور فضائل





پڑا، ہر گھنٹہ میں مابہری پیدا ہونے میں کے اندر حقوق ذمہ داری کا احساس بتا رہا ہر صفت  
 تھا کہ جو عزم کی مزاحمت کرتے تھے ہر فرد کو جاکر کہہ دینے کی صفت میں وہ جانی تھی ان  
 کا اقبال خود کار کرتے تھے اور تھا کرتے تھے کہ مزاحمت کر انہیں گناہ سے پاک کر دیا جائے  
 تاکہ وہ چھوٹا نالی کی حیثیت سے خدا کی صاف ستھری نمائندگی میں ہوں۔ ان میں وہ ساری پیدا  
 ہونے پر غور کرنے کو نہیں دیتے تھے بلکہ اس مسئلہ کی خاطر جس پر وہ ایمان رکھتے تھے،  
 اپنے غریب پر رسیدہی جنگ میں ہاتھ اور پیر جو مالی قیمت، ہاتھ گناہ سدا کا سارا کار  
 سہ سدا کے سامنے رکھ دیتے۔ کیا ہستی مطلق اور اتھالی مذہبیت کا تہا ہر دست  
 تغیر معنی ڈالنے کے لئے سے ہر سکتا تھا، تاہم آپ کے سامنے موجود ہے۔ کہیں آپ  
 کو کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ تو اسے نہ مانتی ہو اس طرح کئی حد پر جملہ ناقص ہیں۔

در حقیقت، ایک جیب بے نام معلوم ہوتی ہے کہ جو میں کہتے ہیں تو لگتی ہے کہ  
 نور مہدی پیدا ہونے کے لئے اس میں سدا کا سدا ایک مسئلہ پر گید۔ اس سے ٹوٹ کر  
 حل نہیں کر سکتے اس لیے جیب، جیب تو جیبیں کہتے ہیں۔ وہاں کو اس کا اعلیٰ مراتب ہے۔  
 جب تک اس نئی آئیڈیالوجی پر زندگی کا نقشہ نہیں بنایا، لوگوں کی سر میں نہیں آتا تھا کہ  
 نرالی قسم کا ایڈر طور کیا جاتا تھا جب ہے۔ طرح طرح کے شہادت، دلی میں پیدا ہوتے تھے۔  
 کوئی کہتا ہندی ظاہر ہاتھ میں۔ کوئی کہتے تھے زبان کی ماری تو دیتا۔ کوئی کہتا کہ شخص  
 جنوں ہو گیا ہے۔ کوئی کہتے تھے ایک نرالی مادی (Materialist) کہہ دے کہ گویا اپنے  
 نزدیک سامنے نرالی کا حق اور کر دیتا۔ اس وقت خود غیر معمولی سمجھا جاتا تھا کہ کھیلنے  
 لوگ ہی ایمان دے جی کی نگاہ حقیقت میں اس نئے مسئلہ میں متبادل انداز کی صورت مانتے  
 دیکھ سکتی تھی۔ مگر جب اس مقدمہ پر ایک نکل نظام حقیقت بن گیا اور لوگوں نے اپنی نگاہوں  
 سے اس کام کو جھٹکے ہوئے دیکھ دیا اور اس کے نتائج اس کے سامنے چھانٹ گئے تب ہی کی  
 سمجھ میں آ گیا کہ چیز جی میں کوئی نہ کہ ہے نہ اللہ کا نیک بندہ وہ جو کہ علم سہرہ ہوا تھا  
 اس کے بعد وہ اس مسئلہ مادی کے لیے ہاؤں جاتے کہ کوئی مروجہ ہائی نہ رہیں کہ پیشانی  
 پر ہی دوا نکلیں نہیں اللہ کی نگاہ میں تو تھا اس کے لیے انھوں نے دیکھی حقیقت سے اللہ





ہدایت اس کی تہیہ کرتی ہے۔ اسی کا صحت مندرجہ تھا کہ زمین پر خدا کا قانون اسی کا حکم  
شرعی اسی طرح جاری ہو جس طرح تمام کائنات میں اُس کا قانونی طیس نافذ ہے۔ اسی منصف  
کے لیے نہ لوگوں کو تیار کر رہے تھے۔

• دیکھو کہ میں زمین پر صبح کراٹھ آیا ہوں۔ صبح کراٹھ نہیں ہو کر فرد  
چلا آئے کیا ہوں۔ میں اس سے کیا ہوں گا آدمی کو اس کے بہت سے اور بچے کو  
اس کا دل سے اور بہرہ کو اس کی اس سے ہمارے لوگوں۔ اور آدمی کے دل میں اس  
کے گھر کی کوئی ہونے لگے۔ ہو کر آئی آپ اس کو جسے دنیا میں عزت رکھتا ہے۔  
میرے ذات نہیں۔ اور ہو کر اپنی صلیب پر اٹھائے اور میرے پیچھے پہلے نہ  
میرے ذات نہیں۔ ہو کر اپنی جان پہنتا ہے اسے کوئی گاہ اور کوئی میرے  
سبب اپنی جان کو قربان کر دے پائے گا۔ (حق ۲۴: ۱۰-۲۹)

• ہو کر میرے پیچھے آنا ہے نہ اپنی خودی سے اس کے اسے اور  
اپنی صلیب اٹھائے اور میرے پیچھے چلے جائے۔ (حق ۲۴: ۱۱-۲۶)

• بھال کر بھال کر اس کے پیچھے چلے کرے گا اور پیچھے کو آپ۔ اور پیچھے  
اپنے مارے آپ کے خدمت کرنے ہر کرا نہیں روایا میں لگے۔ اور میرے تمام کے  
بائیں سب دائیں سے جانتے کریں گے۔ اگر تو اس کے بدشت کرے گا یہی  
نہایت پست ہے۔ (حق ۲۴: ۱۱-۲۷)

• دیکھو میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ چچ میں — آدمیوں کے  
خبردار ہوں کہ ان کو آپس میں جانوں کے واسطے کریں گے اور اپنے بدشت خانوں  
میں تہمت لگائے دیں گے اور تم میرے سبب جاگوں اور بادشاہوں کے

---

۱۔ اپنی صلیب پہنچا کر صلیب پر سرفہ صحت کے لیے تیار رہنا ہے جس طرح اللہ میں جانتے رہے  
میں جیسا کہ پہلے لکھا ہے (دقیق)

۲۔ اس سے مراد ہے خود ہی اپنی طرف سے ذاتی سے دست بردار ہو جائے۔ (دقیق)



ماتے ماحر کے باؤ گئے" (۱۵، ۱۶، ۱۷)

• اگر کوئی میر سے پاس آئے اور اپنے صاحب اہل اہل میری اور بھتیجی اور بہنوں کے پیچھے سے بھی دشمنی کر کے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اپنی صلیب نہ اٹھائے اور میر سے پیچھے نہ آئے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔  
 لیکن لوگو! میں یہ یاد رکھتا ہوں کہ جب وہ ایک رعب بنانا چاہتا ہے تو پہلے بیٹھ کر لوگوں کو صاحب دکر سے گرا یا میر سے پاس سے کھینچ کر لے کر آئے گا۔ ان سے پہلے نہیں۔  
 یہاں ہر کہ جب یہ وہاں گزیرا کہ اس کے تو سب دیکھنے والے یہ کہہ کر اس پر ہنسنا شروع کریں کہ اس شخص نے صورت شروع تو کی مگر تیار نہ کر سکا۔  
 تم میں سے جو کوئی چاہے کہ ترکہ کر کے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔

(تقریباً ۱۵، ۱۶، ۱۷)

یہ تمام آیات صاف و صاف کرتی ہیں کہ مسیح علیہ السلام صرف ایک عزم اور ہر ہر شخص کے لئے تھے بلکہ پورے نظام تمدن و مسیحیاست کو بدل دینا ان کے پیش نظر تھا جس میں دینی سلطنت، یہودی ریاست، نصیبوں اور فریسیوں کے اقتدار اور اولیٰ الہیہ تمام بندگیاں منسوخ ہونے لگیں تھیں۔ یہ جنگ کا خطرہ تھا۔ اسی لیے وہ لوگوں کو گھٹے انداز میں بتا رہے تھے کہ جو کام میں کرنے جا رہے ہیں وہ نہایت خطرناک ہے اور میر سے ساتھ آؤں گا یا نہیں جہاں تمام صورت کا تباد کر کے کے لئے تیار ہو۔

• شروع کا تباد کرنا بلکہ جو کوئی میر سے وابستہ گالی پر لگا پھر مانے دو سرا بھی اس کی طرف سے پھر سے۔ اور اگر کوئی تم پر ناس کر کے تیرا کارنا یا چاہے نہ چاہے بھی سے لے لینے دے اور جو کوئی تم کو ایک کوس پیگ میں سے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جاؤ۔ (متی ۱۵، ۲۹، ۳۰)

• جو کہ کوئی کہتا ہے میں اور روح کو قتل نہیں کر سکے ان سے رو رو

• دینی کی سخت مردہ کی جہت اور ان کے مذہب کا ان کی پر فرما کر دیا ہے۔ (تقریباً)

جہاں سے لے کر حدود اربعہ تک دونوں کو جہنم میں جاگ کر رکھتا ہے :

(سقی ۱۰: ۶۰)

”ہے واسطے زمین پر اہل جمعہ کہ جہاں بکڑا اور رگسٹا ہو سکتا ہے  
اور جس چو غیب لگاتے اور چراتے ہیں، مگر اپنے لیے آسمان پر اہل جمعہ کو“

(سقی ۱۹: ۲-۳۰)

”کوئی آدمی وہ ملکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔۔۔ تم خداوند معبودوں کی  
خدمت نہیں کر سکتے۔۔۔ اپنی جہاں کی فکر کرو کہ ہم کیا کھاتے ہیں۔ کیا ہمیں  
لگے، اور جہنم کی کوئی ہمیں لگے۔۔۔ ہمارے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں  
نہ کھاتے ہیں نہ کوٹھیں میں جمع کیسے ہیں پھر بھی بہار آسمان نہ پہاں کو کھاتا ہے۔  
کیا تم ان سے یہ اندازہ نہیں رکھتے، تم میں اس کا رویہ ہے جو ملک کے اپنی عمریں بیک  
گھڑی میں بڑھانے کے، اور ہر ملک کے لیے کیوں طے کرنے پر، جلی غریبوں کے غریبوں  
کو دیکھو کہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ غصہ کرتے ہیں، نہ ناخوش ہیں۔ پھر بھی نہیں  
نہتے کہتا ہیں کہ سٹیمیں بھی بدحواسی نہ ہو، نہ شریعت کے حق میں سے کسی کے  
خاندان پر شک ہے ہوئے، نہ سما۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آواز ہے اور  
حق تو میں جوئی جانتے گی یہی پر شک پہناتا ہے تو سے کم احتیاط، تم کو  
کھنڈ نہ پہناتے گا۔۔۔ تم پہلے اُس کی بدعت ہوتے اور اس کی رہنمائی  
کی توقع کرو تو یہ سب چیزیں بھی نہیں بل جانتیں گی۔“ (سقی ۲۴: ۱۹-۲۴)

”اگر تو نہیں بدلتے گا۔ دھونڈ تو تم پر لگے۔ دھونڈ لکھنا تو تو

تجارت واسطے کھڑا ہونے گا۔“ (سقی ۴: ۵)

”ام خدا میں سے کہ سیتہ دایم شے ہے، یہاں تک کہ جو یہ کی تعلیم دی تھی جو کہ  
اس خدا کی تعلیم کے آغاز میں لوگوں کو صبر، تحمل، شہادت اور توکل علی اللہ کی تعلیم دے رہے تھے  
بغیر کوئی چارہ ہی ہیں۔ جہاں ایک غلام تفتن سیاست پر دی طاقت کے ساتھ میں پر  
چھایا ہوا تمام وسائل و فنڈ ریسنگ اس کے قبضہ و اختیار میں ہوں، یہی ملک کوئی جانتے



۹۔ فقیر احمد فرشتی موسیٰ کی گزشتہ سہ ماہی میں۔ میں جو کچھ وہ فقیر بتائیں وہ سب کروا دیا تو لیکن ان کے سے کام نہ لیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کہتے نہیں۔ وہ میرے بھائی پر جو میں کا خانا مسئلہ ہے، باندھ کر لوگوں کے کندھوں پر رکھتے ہیں مگر آپ انہیں اپنی انگلی سے بھی جانا نہیں چاہتے۔ وہ اپنے سب کام لوگوں کے دکھانے کو کہتے ہیں۔ اپنے توبہ پذیر بناتے اور اپنی پشیمانی کے لئے چٹے کتے اور ضیاء قلوب میں صمد شمسین اور مہریت خاتون میں اعلیٰ نہ صرف کی گریں بلکہ ہزاروں میں سلام ادا دیوں سے زبانی کہنا پاسد کہتے ہیں۔

۱۰۔ سے ریا کار فقیر احمد فرشتی اور امیر احمد فرشتی کے گمان کی یادداشت لوگوں پر پسند کہتے ہیں مگر آپ انہیں جوتے ہوئے داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔

۱۱۔ سے ریا کار فقیر احمد فرشتی اور امیر احمد فرشتی کے ایک سہ ماہی کرنے کے لیے تری اور خشکی کا اندازہ کرتے ہوئے جب وہ امیر ہو چکے ہوتے ہیں اپنے سے دو گن جہنم کا فرزند بنا دیتے ہیں۔

۱۲۔ سے احمد سے ریا کار تانے والے امیر احمد فرشتی کے ہمارے اور امیر احمد فرشتی کے بھائی کے ہمارے۔

۱۳۔ سے ریا کار فقیر احمد فرشتی اور امیر احمد فرشتی کے امیر احمد فرشتی کے قبروں کے، امیر احمد فرشتی کے تو خود بھی سہ ماہی دیتی ہیں مگر امیر احمد فرشتی کے فریاد احمد فرشتی کے نجاست سے جبری ہیں۔ اسی طرح امیر احمد فرشتی کے دو لوگوں کو نجاست اور دکھائی دیتے ہوئے مگر اعلیٰ میں ریا کار کی وجہ سے دینی سے بھرے ہوئے ہیں۔ (صفحہ ۲۲ : ۲۰-۲۱)





کے رہنمائی مددگار میں کیا تھا۔ اگر کوئی شخص انجیل کی مذکورہ بالا آیات کا مقابلہ قرآن  
 مجید کی کئی مختلف اہد نامہ قیام مکہ کی احادیث سے کرے گا تو دونوں میں بڑی مماثلت  
 پائے گی۔

---

## ایک صالح جماعت کی ضرورت

دنیا میں اس وقت بڑے بڑے مانتے ہوئے چمڑا مل جاتی ہے۔ ہم میں جانتے کہ *اَمْشَرْنَا اُمَمَيْنِ فِي الدُّنْيَا اُمَّةً اَتَمَّتْ رِجَالُهَا يَحْكُمُونَ وَ اُمَّةً نَفَرَتْ رِجَالُهَا لَا يُحْكُمُونَ* اہل زمین کو جس کی کہ تواریخ کی سزا ہی ہے کہ ان کا یہ کیا گیا ہے یا اس قوم چمڑا کے بعد کوئی صالح چیز بھی بننے والی ہے۔ مگر ظاہر آگاہ سے آشنا عروس ہوتا ہے کہ فروع انسانی کی اصلاح اب تک جس تہذیب کے طبقہ میں کو حاصل رہی ہے، اس کی عمر بھی پرچل ہے، ان کے احسان کا نفاذ ناقص رہا ہے، اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آگیا ہے کہ ان کو اللہ ان کی اس جاتی تہذیب کو دنیا کے انتظام سے بے دخل کر دیا جائے۔ ان کو نہ میں سلام کرنے کا جتن کوشش دیا تھا، بل چکا۔ وہ اپنے تمام اوصاف اللہ اپنی تمام خوبیوں کا بدلہ دے گا۔ ان کے اللہ شاید اب کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہی ہے جو باہر ڈاؤن چلے۔ لہذا غالب گمان یہی ہے کہ مغرب وہ میدان سے ہٹائے جانے والے ہیں، اللہ یزید دست شکست و ریخت اسی لیے ہو رہی ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے تمام تجویز و تدبیریں ادا کر دیں۔ اس کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا میں پھر ایک

---

لے مشورہ دہریہ جگہ پر کلاوت جو اس وقت بدی فہم کے ساتھ چلی رہی تھی۔ (صحیح)



تلفظ کا نقد شروع ہو جس طرح آخری اسٹوئکسٹریک کے نقاد اور موجودہ باہمی تہذیب کی پیدائش کے درمیان گزر چکا ہے۔ اندیہ بھی ممکن ہے کہ اسی ٹوٹ پھوٹ کے بعد ان میں کسی نئی تعمیر کی مسرت نہ ہو۔

سردیہ دارا نامہ جمہوریت، قومی جنایت (سیٹنل سرٹرم) اور مشترکیت (کیرنزم) کی جو باتیں اس وقت نہیں میں متصادم ہیں یہ دراصل ایک ایک تہذیبیں نہیں ہیں کہ ان کے درمیان انتخاب، اور ان میں سے بہتر کے ہاتھ لگنے کا کوئی سرن ہو، حقیقت میں یہ ایک ہی تہذیب کی تین شاخیں ہیں۔ ایک ہی تعمیر کا نام، ایک ہی تعمیر کا نام، ایک ہی نفسیہ حیل، اور ایک ہی آس، اخلاق ہے جس پر یہ تینوں کی تعمیر ہوئی ہے۔ انسان کو یہ ان سمجھا، دنیا کو بے خدا فرض کر، عوام میں سے انسانی زنگ کا قانون، اور ان اخلاق کی زیادتی، اور مسحت اور غائبانہ پر گناہ، ان سب کی مشترک جڑ ہے۔ ان کے درمیان فرق صرف اس حیثیت سے ہے کہ اس باہمی تہذیب نے سب سے پہلے خود کی آزادی اور قوم کی انفرادیت کا راجہ دیا تھا جس سے قومی یا قومی کے ساتھ سردیہ دارا نامہ جمہوریت پیدا ہوئی اور ملت ہونے لگا۔ انسانیت کو تباہ و برباد کرتی ہے۔ پھر جب اس کے غم کو مستحکم انسانی معاشرہ کو پہنچ گئے تو اسی تہذیب نے انسانی اخلاق کو بے روح و خالی کر دیا۔ مگر بہت جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ یہ مدعی اصل مرض سے بھی بے بہرہ تھا۔ آج کل وہی تہذیب پھر ایک دوسری تجویز ماننے لگی جس کا نام فاشزم یا سٹنل سرٹرم ہے اور چند سال کے بکھرے نے ثابت کر دیا کہ اس امیختہ کا آخری بچہ مرنے لگتا ہے۔

اب دیکھ لیں اس تہذیب کو کتنا زیادہ انا نے کتنی عورت باقی نہیں رہا ہے جو آدمی کو جان بھر کر افسانہ بنانے کو مجبور کر کے اپنا کام شروع کرتی ہے اور اس کے اندر جو بے رحمی ہے کہ بدترین قسم کی زندگی ملک پروردہ پیداکرتی ہے جو آدمی کے حق میں نہایت ہلکے ہے۔ درحقیقت یہ پوری تہذیب اپنی تمام



کی شکل میں دیکھے جا رہے ہیں، یہ تنقیمی قاطعیتوں کے ثمرات جنہوں نے آج فارغ عمر  
 فوجوں کی مصروف اختیار کی ہے، یہ صنعتی ترقی کے پہلے جو آج محض جنگ کی نیابت تک  
 شکل میں نمودار ہو رہے ہیں، یہ وسائل نشر و اشاعت کا مکمل میں سے آج دنیا میں جموٹ  
 پھیلانے اور قوموں میں منافرت کے بیج بونے کا کام یا جا رہا ہے، یہ سب کچھ انسانی کھول توڑ  
 دینے اور اس کو اپنے آپ سے اور اپنی مددی قاطعیتوں اور صلاحیتوں سے دور کر دینے  
 کے لیے ہاتھ لگا رہا ہے، اور اس کا نظریاتی تجربہ ہی ہو سکتا ہے کہ نوبل انسانی دل شکستہ اور اس  
 ہو کر صدیوں کے لیے عید اور بے پریشی کی حالت میں مبتلا ہو جاتے۔

جیسا کہ اوپر بیان کر چکے ہیں انسانیت کی کس دہانہ تک انہماک سے اگر کوئی چیز پہنچا  
 سکتی ہے تو وہ صوف یکس طرح نظر انداز کر دیتا ہے اور جماعت کا زیریرادہ ہے۔  
 گردہ کو ناظر ہو سکتا ہے جس کے لیے آج کامیابی کا کوئی موقع ہو!

مشرکوں کا جاہلیت جس پر دنیا کی جیسے ہی قدیم جہنم ہیں قائم ہوئی تھی، اب اس  
 کے اصرار کا کوئی امکان نہیں۔ شرک کی جو بنیاد رکھ چکی ہے۔ جاہلی عوام پر چلتی ہے اس کا  
 تسلط اب باقی ہو، مگر ہم عقل رکھنے والے لوگ اب اس دہم میں مبتلا نہیں ہو سکتے، کائنات  
 کے نظام کو جیسے سے خدا چلا رہا ہے میں اور انسانی خور و حلاوت کا سرشتہ دینے والوں  
 یا دہم میں سے وابستہ ہے۔ علاوہ یہ کہ یہ حقیقت ہے کہ شرک کا نہ نظریہ سے انسانی زندگی  
 کے جیسے ہی ساقی حل نہیں ہوتے بلکہ جیسے ہی گیاں کچھ اور بڑھ جاتی ہیں۔ سب بڑی  
 مشکل میں ہے اس وقت دنیا کو پریشان کر رکھا ہے نوبل انسانی میں صحت کا نقصان  
 ہے۔ مگر شرک کی شکل کو حل نہیں کرتا، بلکہ دھندلکا ہوا کفن کے بدلے مزید طریق و تقسیم  
 کے سبب فراہم کرتا ہے۔ لہذا کسی مشرک کو منظر پر کے لیے آج دنیا میں برسرِ انداز ہے  
 لکھ کر گنتا نش نہیں ہے۔

ماہانہ جاہلیت دنیا میں کبھی کوئی طاقت نہ تھی مگر اب ملتی ہے۔ لڑنا اور کٹنا شیعہ اور  
 اپنے اندر ہمدردی کے نظریات، جہنم کو سرور اور جہنم کو پسند اور قرائے فکر کو  
 ایمان منیل کی چٹک میں مست کر دینے والے ہیں، ایسے اندہ اتنی جن ہی نہیں رکھنے کو ان

کے بل پر کوئی ایسی تہذیب پیدا ہو سکے جو زمین کا نظام پہنچا تو میں نے سنی ہمارا دنیا کی ہمت دہیڑی کے منصب جیل پر غارت ہو سکتی ہو۔ کوئی نہ ہی اس تہذیب میں مدوح پڑنے کے لیے جتنی چاہے کوشش کر دیکھے۔ یہ نظم و ضبط کبھی گیس، جیگ، ہونڈیا کے تمام سے آگے بڑھ کر ایک حد تک تکلیف کی تکلیف کا دل چاہے، وہ ایک دھنساں تہذیب کی تعمیر تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہذا مردہ مردہ مردہ دنیا کی قومیں تو ان نظم و ضبط کے پھر میں پڑی ہو سکتی ہیں مگر کسی مردہ اور پھرے والی قوم کے خیال کو یہ کبھی اپنی طرف نہیں کھینچ سکیں گے۔

ہر ہی جاہلیت کا تصور تو اس کا احساس کی پیداوار کا اب دنیا کا نیا کانی تہذیب ہر چکا ہے کہ مغرب نے اس سے دایوں ہونے والی ہے۔ انسان کا اپنے آپ کو جانور فرض کرنا، جانوروں کی زندگی سے متاثر ہونا، اور اس کا طبیعت اور عقل کے اصح کا قانون بننے سے انحراف، انہی نفاذ اور ترقیوں کو ضروریات، غیر انسانی اعتبارات اور مصالح کو اخلاق کا بعد قرار دینا، اور کسی فوق انسانی اقتدار یا اعلیٰ کو تسلیم نہ کرنا، جو کہ توحید پر اور کھانا مٹانے کا سہا پنی تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ پہلے ہیں۔ ان نظم و ضبط کی بدولت انسان کو جو کچھ ہے وہ ترقی و ترقی کی تعلیمات ہیں، رنگ و دھن کی برتری کے دھوکے ہیں، قوی یا ستروں کی بھاشی و سیاسی رقابتیں ہیں، تعمیریت اور استعمار اور معاشی لوٹ کے ہوتے ہیں، اور اس کے لیے کر بڑی بڑی ترسیل اور سفارتوں تک کا اپنے میں ملت میں ہر اخلاق قید سے آزاد ہو جانا ہے اور حسب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا ارتقا جانور میں کر کام کرنا اور دوسرے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا سا جگہ ہے روحانی طور کا سا سوکھ کرنا ہے۔ یہ نظریات اگر چہ بریت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جس میں المراد کو نظم اور کسبِ حرام اور فحش اور بے حیائی کی آزادی ملتی ہے۔ اور اگر اشتراکیت یا اجتماعییت پیدا کرتے ہیں تو ایسی جموں میں افراد کو بھیڑ کر برے کے گھنے کی طرح ایک دیکھنا ایک چھوٹی سی پارٹی کے حوالے کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ انہیں میں طرح چاہے ہنگے مردان کا حرجی چاہے بنا تھے۔ یہ چل چوڑی نظریات سے پیدا ہوئے ہیں، کسی انسانی عقلی کا تجربہ نہیں ہیں، مگر اس شہر خبیث کی عین نظرت کا تقاضا ہی ہے کہ اس

ہے۔ پہل پہل پھریں۔ لہذا جس طرح بے تکلفانہ اس سے کسی قسم کی نفرت نہیں ہو سکتی ہے  
اسی طرح آئندہ بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انسانیت کے جس مرد جوانی تصور اور کائنات کے اس  
موقع پرستانہ نظریے اور اصول کی اس شہرہ آفاق اور محض پرستانہ بیاد پر کوئی ایسا اجتماعی مسلک  
پیدا ہو سکے گا جو انسان کے لیے موجب نفع و صلاح ہو۔

ان سب نظریات کی ناکامی کے بعد یا اگر کسی نظریے سے نفرت کی امیدیں دھستہ کر سکتی  
ہیں تو صرف ایک ہی نظریہ ہی ہو سکتا ہے۔

جو انسان کو انسان قرار دے نہ کہ جانور، جو اپنی ذات کے ضمن میں انسان کی رائے کو بہتر  
نہائے جس کا تصور انسانیت مغربی مائتس کے تصور جوانی اور انسانیت کے پیدائشی گہوارے  
اور ہندو مت کے "جوتہ بناؤ" سے بلند تر ہو،

جو انسان کو حق پر مطلق اور شریعہ ہمارے لئے جگہ دے نہ کہ اس کے لئے جگہ دے اور اس کے لئے جگہ دے  
کتاب و قرآن سے اور اس کے لئے ذرہ و دروہا میں غیر اسے،

جو اخلاق کے ایک ایسے قابل عمل مذہب کا انسان کو پابند بنائے جس میں ایسی خواہشات  
کے مطابق رد و بدل کرنے کا حق اس کو نہ ہو،

جو مادی بنیادوں پر انسانیت کو تسلیم کرنے کے بجائے ایک ایسی خالق و روحانی بنیاد  
قرآن کو جس پر انسانیت متحد ہو سکتی ہو،

جو اجتماعی زندگی کے لیے ایسے اصول انسان کو دے جن پر فرد اور جماعتوں کے حقوق  
کے درمیان صلح اور گفت و شنود کا عمل قائم ہو سکے،

جو زندگی کے نفس پرستانہ مقصد سے بلند تر مقصد انفرادیت کے ساتھ پرستانہ  
میلوں سے بہتر میلان کو دے،

اور جن مبہم صورت کے ساتھ جو مادی و عقلی و معنوی برتتوں میں انسان کی  
مرصعہ ہی نہ کرے بلکہ صحیح و نہانی بھی کرے، مادی و اخلاقی و ہر دو حیثیتوں سے اسے  
ترقی کی طرف لے جائے۔

ایسا ایک نظریہ اسلام کے سوا دنیا میں اور کونسا ہے؟ لہذا یہ کہنا بالکل حق و مناسب ہے

کدب انسانیت مستقبل اسلام پر منحصر ہے۔ انسان کے اپنے بنائے ہوئے تمام نظریات و فاکم پر چلے ہیں۔ ان میں سے کسی کے لیے کامیابی کا سب کوئی موقع نہیں۔ انسانوں میں اب آخری مسدود بھی نہیں ہے کہ پھر کسی فلسفہ کی تعصیف، اور اس کی اندیش پر اپنی قسمت کی بازی لگ سکے۔ اس حالت میں صورتِ عام ایک ایسا نظریہ وضع ہے جس سے مسکنِ فطرت کی توقعات و جستجو کر سکتا ہے جس کے فوج انسانی کو دین ہی جاننے کا امکان ہے، اور جس کو پیروی اختیار کر کے انسان کی تباہی ٹل سکتی ہے۔

لیکن اس سے یہ نتیجہ نکلنا صحیح نہ ہو گا کہ دنیا میں مفتوح ہوئے کسی سے تیار نہیں ہے، اسلام کی فوجوں پر ایک مظلوم اس پر ایمان لانے کے لیے ایک دعوت نامہ شائع ہونے کی ویر ہے، پھر دیشیا، بدھ، افریقہ، امریکہ سب کھڑے ہوئے چلے جائیں گے۔ ایک تہذیب کے ستودہ اس طرح اپنا ملک نہیں بھڑکتا کہ لکھی اور نوح کا پید ہو گئی۔ اور دوسری تہذیب کا پیام بھی اس طرح واقع نہیں ہوتا کہ نوح پھیل پیدا ہوئی ہے اور لکھی منتر کے زندہ سے ایک طریقہ ان تصور بن کر اُبھرے۔ گئے والی تہذیب کے افکار، اصول طریقے، مہ تہذیب کے دوزخ کے دلوں اور ماضیوں پر معلوم و ادب ہمارے عقائد و معاشیات پر اپنا اثر جلتے رہتے ہیں۔ اس اثر کا استعمال خود بخود نہیں ہو جاتا، کرتے سے ہوتا ہے۔ اسی طرح گئے والی تہذیب کے جبر واد بھی فعال پذیر ہونے کے باوجود سماجی حال ملک و زمین پر قبضہ جلتے رہتے ہیں۔ وہ خود جبکہ چھوڑ کر نہیں ہٹ جاتے، بنائے سے ہٹتے ہیں۔ علیٰ بنی القیاس نئی تہذیب پر نئی مہارت بنانا بھی کوئی مکمل نہیں ہے کہ آپ ہر وقت سے پیشے ہیں اور خود ہی جلتے۔ اس کام کے لیے ایک زبردست تعمید کی، سہی اور حمیری کو ترکیب کی ضرورت ہے جو ایک طرف علم و فکر کا امت سے پرانی تہذیب کی جڑیں اکھاڑ دے اور دوسری طرف علوم و فنون و ادب کی نئی قسموں کی مہارت پر از سر نو مہارت کرے، حتیٰ کہ ذہنی دنیا پر اس طرح چھو جلتے کہ لوگ کسی کے طرز پر مہارت اور محسوس کرنا شروع کریں۔ ایک دھندلے آن پڑنے سائنس کو دھندلے جن میں انسانیت ڈھکارتی تھی، دوسری طرف لکھے سہنے تیار کرے جن میں نئے اخلاق اور نئی سیرلوں کے نئی ڈھلے گئیں۔ ایک طرف پڑنے لکھنا تمدن و

سیاست کو چند مثالیں اور مدد سہی طرف ایک پرانے نظام تمدن و سیاست اپنے اصولوں پر موقوف کر دے۔

ہیں دنیا کو کھانڈہ نصرت کے خطرے سے بچانے اور اسلام کی عظمت سے بہرہ ور کرنے کے لیے صرف اصلاح کا کافی نہیں ہے کہ جہاں میں نظریہ موجود ہے۔ یہ نظریہ کے ساتھ ایک عملی جامعیت کی بھی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ایسے لوگ ہونا چاہئیں جو اس نظریہ پر عمل درآمد کر سکیں۔ ان کو سب سے پہلے اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہوگا اور وہ صرف اسی طریقہ سے کیا جاسکتا ہے کہ وہ جس امتداد کو تسلیم کرتے ہیں اس کے خود تسلیم میں ہیں نہ پہلے پر ایمان لاتے ہیں اس کے بعد پابند ہوں، جیسا کہ ان کو یہ کہتے ہیں اس کا خود نمونہ بنیں، جیسا کہ فرض لکھتے ہیں اس کا عملی اصرار کریں، اور میں پھر کو حرام کہتے ہیں اسے خود چھوڑ دیں۔ اس کے بغیر تو ان کی حد اعتدال یہی مستقبل ہوگی، جبکہ کوئی ان کے آگے سر تسلیم خم کرے۔ پھر ان کو جس نامزد نظام جہد و نصرت و سیاست کے تحت موقوف بنادیتے کہ ان سے اس سے اس کے پیروں سے تعلق تو نہ ہوگا، ان تمام تعلقوں، نظروں، احساسوں اور امیدوں کو چھوڑنا ہوگا جس نظام سے وابستہ ہوں، اور رفتہ رفتہ ان تمام نقصانوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ہوگا جو نظام غالب کے خلاف جہد و نصرت کرنے کا لازمی نتیجہ ہے۔ پھر انہیں وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو ایک ناسد نظام کے تحت کوٹاٹنے اور ایک صحیح نظام قائم کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس انقلاب کی جہد و جدوجہد میں پناہ بھی قربان کرنا ہوگا، اپنے اوقات عزیز بھی قربان کرنے پڑیں گے، اپنے دل و دماغ اور جسم کی ساری قوتوں سے بھی کام لینا پڑے گا، اور قید اور جلا وطنی اور ضبط اعمال اور تباہی اہل و عیال کے خطرات بھی بھگنے ہوں گے، اور وقت پڑے تو جانیں بھی دینی پڑیں گی۔ ان مایوسوں سے گزرنے سے بیرون دنیا میں نہ کیوں کر انقلاب برپا ہے۔ راب جو سکتا ہے۔ ایک صحیح نظریہ کی پشت پر ایسے صادق ایمان و لوگوں کی جماعت جب تک نہ ہو، بعض نظریہ، خواہ وہ کتنی ہی جہد پائے جو، کتوں کے منہ سے مشتعل ہو کر دشمنوں میں سے کسی کو نہیں بچا سکتا۔ نظریہ کی کاپی بننے کے لیے خود اس کے اصولوں کی

حالت میں تھم رہی ہے۔ اُسی قدر اُن انسانوں کی سیرت، اُن کے عمل اور اُن کی قرآنی زندگی کی حالت بھی مزید سی ہے جس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہ امت کے طریقہ کی مدد سے، بیچا کی صورت میں، ہر م کی برائیت، سب اپنی جگہ ثابت رکھتے ہیں، مگر زمین اُٹلی جیست پسند ہے کہ جب تک کہ ان پہنچے مبر سے، اپنی صف سے، وہ نہ بچتے ہوئے پسینہ سے اس اپنی جان کشی سے اُس پر اپنا حق ثابت نہیں کر دیتا، وہ پہچانی ہوئی کھیتی اُٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

اگرچہ خصوصاً ایمان اور قربانی و جانفشانی بروہی کے قیام کے لیے ناگزیر ہے، خواہ وہ دین حق ہو یا دین باطل، مگر دین حق اُس سے بہت زیادہ اعلیٰ اور قربانی مانگتا ہے جو دین باطل کے قیام کے لیے درکار ہے۔ حق ایک ایسا باریک جیس صفت ہے جو لڑائی کھوٹ کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ وہ بعض سونا چاہتا ہے۔ اُن اثرات کی جٹی میں سے گر کر جب تک مدد کھوٹ میں نہ پائے اور نہ ہیاریار (Standard) کا گدن مل نہ سکے پہنچے ہم سے اُس کو ہزار میں گنے کی قدر دینی پسر نہیں کرتا، کیونکہ وہ حق ہے، باطل میں ہے کہ کھوٹے کھتے اور کھنچے کھنچے نے زیور چھاپا ہر سے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن بار بار کہتا ہے:

مَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفَعُوا مِيشِينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْغَلَابَةُ  
عَلَىٰ يَمِينِهِمُ الْغَلَبَةُ مِنَ الْمُظْلِمِينَ . (آل عمران - آیت ۸۹)  
و اللہ کا یہ طرح نہیں ہے کہ ایمان لانے والوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے  
جس پر تم لوگ اس وقت ہر دم میں اور منافق سب ٹھونڈا ہیں، وہ نہ لگے  
جب تک کھنچے کو کھنچے سے الگ نہ کرے۔

أَحَبُّ إِلَيْنَا أَنْ يَفْزَعُوا أَنْ يَفْزَعُوا لَنَا أَمَّا وَهُوَ  
لَا يُفْزَعُونَ وَكَفَدْنَا لَكُمُ الْيَقِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُفْزَعُوا لَكُمُ الْيَقِينَ  
الْيَقِينَ فَفَزَعُوا لَكُمُ الْيَقِينَ . (مکہ ۲۰-۲۱)  
”کیا لوگ نہ لگے کہ ہم سے لڑا کر ہمیں پر کر ہم ایمان لانے،



چھوڑ دینے میں گئے اور انہیں نماز میں کھینچ لیا تو یہاں پہلے سے  
 پہلے جو گزر چکے ہیں وہی جنہوں نے بھی ایمان دے گا وہی کیا ہے، ان سب کو  
 جہنم لپکایا ہے، ہر فرد ہے کہ اللہ دیکھے کہ کچھ کون ہیں اور جہنم کون ؟  
 اَفَرَأَيْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمْ تَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ  
 فَكَيْفَ يُدْخِلُكُمْ فِيهَا مِنْ بَيْنِكُمْ مَسْتَشْتَرِئِ الْبَنَاتِ وَالْعَمُوَّةَ  
 وَرَبِیُّنَا حَاشَى یَقُولُ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ قَتَلُوْا

لَعَنَ اللّٰهُ - (نورہ ۲۱۵)

• کیا تم نے یہ جو کچھ ہے کہ جنت کا اور تمہیں مل جائے گا وہ کہ ایمان تم پر  
 وہ کیفیت تو گزری ہی نہیں جو تم سے پہلے یہاں دے گا وہی پر گزر چکی ہے جن  
 پر تمہیں اللہ محبت میں آئے اور وہاں سے گئے علی کہ رسول اور اس کے مقرر علی  
 ایمان میں آئے کہ مثل مد کب آئے گی ؟

اَفَرَأَيْتُمْ اَنْ تَخْرُجُوا مِنْهَا وَلَمْ تَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ اَلَمْ یَكُنْ  
 جَهَنَّمَ خَافِیًا مِّنْكُمْ فَخَرَجْتُمْ مِنْهَا وَلَمْ تُكَلِّمُوْا  
 وَلَا اَنْتُمْ وَیَقُوْلُ رَبِّیُّنَا اَلَمْ یَكُنْ

وَلَمْ یَكُنْ لَكُمْ فِتْنَةٌ - (توبہ ۱۶)

• کیا تم نے یہ جو کچھ ہے کہ تم وہی چھوڑ دینے جاؤ گے حالانکہ ایمان اللہ  
 نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون سیہ میں جنہوں نے سنی وجہ کا حق  
 ادا کیا اور اللہ اور رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی سے بھی حق نہ لکھا۔

وَمِنْ اَمَّا یَوْمَ یَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَةُ لِلّٰهِ قُلُوبُکُمْ فَاُولٰٓئِکَ یَوْمَ  
 جَعَلَ رِیْضَتُہٗ النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰهِ اَلَمْ یَكُنْ جَآءَ لَطُوْفٌ مِّنْ رَّبِّکَ  
 فَاَقْبَلُوْا اِنَّکُمْ مَّعْکُوْمٌ اَلَمْ یَكُنِ اللّٰهُ بِاَعْلٰی سَرِیْرًا فَاِذَا  
 الْعَمَلُ سَمِعَ اَلَمْ یَكُنْ اَلَمْ یَكُنْ اَلَمْ یَكُنْ اَلَمْ یَكُنْ اَلَمْ یَكُنْ اَلَمْ یَكُنْ

(المعکوت ۱۰-۱۱)

• رسولوں میں سے جتنا بھی ہے وہی ہیں جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے قرب

مذکورہ ہیں نیز تنبیہ یا زہد میں کیلئے اسے ایسے دُور سے جیسے صدر کے خزانے  
 لگنا چاہیے۔ اور اگر تیرے بیک طرف سے رخ نصیب ہو جوتو یہی لوگ  
 اہل کس لگے کہ تم تو تھامے ہی جاتے تھے۔ کیا قابل دنیا کے دونوں سے غریب  
 واقع ہیں، مگر غرور ہے کہ اللہ جہ دیکھے کہ تم میں سے یا نہ رکون میں  
 اور منافق کون!

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الْمَخْدُومِينَ فِي مَنَازِلِكُمْ لَا يَقْضِي الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ وَيَقُولُ سَوِيحْبِرٌ  
 وَإِنَّا لَنَجْعَلُ لَكَ خِزْيًا فِي مَا كُنْتَ تَكْبُرُ ۚ إِنَّكَ تَكُنْ مِنَ الْمَذْمُومِينَ  
 أَوَلَيْسَ لَكَ عَذَابٌ مُّصَوِّفٌ يَأْتِيكَ أَتَىٰ يَبِئْسَ مَا كُنْتَ تَكْمُرُ ۚ أَوَلَيْسَ  
 لَكَ الْمَلَأُ مِمَّنْ خَلَقَ أَشْتَاتًا مِّمَّنْ أَرِيتَ لَكَ خِزْيًا فِي مَا كُنْتَ تَكْمُرُ ۚ إِنَّكَ تَكُنْ مِنَ الْمَذْمُومِينَ  
 (سجده - ۱۵۵ - ۱۵۷)

”ہم مرد تم کو خواہاتہ و نہاتوں سے اور جس دہل اور کمائیوں کے نقصانات  
 آ رہیں گے وہ کمائی کی بنا پر تیرے دلی متوسل و زور و زور کو پہنچانے پر عیب  
 کی تہ پر کہا کہ ہم تھامے ہی کے ہیں اور اس کی طرف میں پٹ کر جانا ہے۔ ایسے  
 لوگوں پر ان کے بیک طرف سے ہر دہانیں ہیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ  
 دُور دست پانے والے ہیں۔“

قرآن میں یہ کچھ لکھے کے مافوق حقیقت پر ہی تنبیہ کر دیتا ہے کہ  
 ذُو يَسَارَاتٍ ۚ اللَّهُ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ ۚ لَئِنْ يَشَاءُ لَنَمْسَسَنَّكَ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَشَاءُ ۚ لَئِنْ يَشَاءُ لَنَمْسَسَنَّكَ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَشَاءُ ۚ لَئِنْ يَشَاءُ لَنَمْسَسَنَّكَ مِنَ الْعَذَابِ مَا تَشَاءُ ۚ  
 (معتن - ۷۰)

”خدا جانتا تو خود ہی اس سے غیب میں۔ مگر وہ تم میں سے کچھ لوگوں کو کچھ  
 لوگوں کے ذیلی سے آڑہ تاج ہے۔“

یعنی یہ سمجھنا کہ عذاب اپنے باغیوں کی ہر کوئی خود نہیں کر سکتا اس لیے تم سے مدد لگتا ہے  
 نہیں اور اتنی دُور دست و وقت رکھتا ہے کہ چاہے تو ایک اشیا سے میں ان کو تباہ کر کے کہ  
 دے اور اپنے دینی کو خود قائم کر دے مگر اس نے یہ جہاد اور محنت و قربانی کا ہاتھ پر اس لیے

نہا ہے کہ وہ تم انسانوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں اُٹا دیتا ہے۔ جہت تک باطل پرستوں کے تہذیب و تمدن نہ ہو، اعدائے تمدن میں مصائب و شدائد و خطرات و ہولناکیاں پیش نہ آئیں، پہلے اہل ایمان جو جسے جہنم سے تمیز نہیں ہو سکتے، اور جہت تک کلمہ و لوگوں میں سے کلمہ نہ آئی، جہت تک نہ ہو جائیں وہ جتنا نہیں جانتے جو صحابہ کرام علیہ السلام کی زندگی میں تھے۔

لہذا آج دنیا کا مستقبل و حقیقت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نظریہ حق انسانی کو ملتا ہے یا نہیں، بلکہ کوئی نظریہ حق تو موجود ہے، البتہ وہ اگر مخصوص ہے تو اس امر پر ہے کہ انسانوں میں سے کوئی ایسا گروہ یا شخصیت یا نہیں جو سچے ایمان و ارادہ و دھرم کے پختہ اعدا ہی ہو جو بڑے جویں چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنے والے لوگوں پر مشتمل ہو۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ایسے لوگ جہاں اب کہیں مل سکتے ہیں؟ وہ تو بس ایک مبارک ملک میں پیدا ہوئے تھے اور پھر فانی نہ ہوئے، ماضی کو ہمیشہ کے لیے منسوخ کر دیا۔ لیکن یہ شخص ایک وہیم ہے، اور اسادیم انہی لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے جنہیں خود اپنے آپ سے دیر سی ہے۔ دنیا میں ہر تباہی و تباہی و تباہی کے آدمی ہر زمانہ میں پائے گئے ہیں اور ہاتھ جاتے ہیں۔ جہاں منافقانہ خصوصیات رکھنے والے اہل ضعیف اھلادہ لوگ اور مہموت چند اشخاص ہمیشہ پائے گئے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں، وہاں ایسے لوگ بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جو کسی چیز پر ایمان رکھنے کے بعد اس کو سر جہنم کرنے کے لیے سر جہنم کی ہانسی لگاتے ہیں۔ آج آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ایک دو نہیں ہزاروں انسان ایسے ہیں جو ہزاروں جہنمی پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو ایمان کی خاطر بھائی بھائی سے عین دشمن کے ملک میں جہنم لگاتے ہیں جہاں ان کو معلوم ہے کہ بے شمار شکاری اُن کی گھات میں لگے ہوئے ہیں۔ دوسرا لاف و بھڑک جی جی میں بھی نہیں حال پہلے ہی کی بات ہے، اُس کی تائید آپ دیکھیں تو معلوم ہو کہ ہزاروں آدمی جو انقلابی نظریات پر ایمان رکھتے تھے، اسلحہ نصف صدی تک ہر قسم کی قربانیاں دیتے رہے، مابقیہ کے جہنم میں بھیجے گئے، پچاسی پر چڑھائے گئے، جو دھن کی صف میں برسوں تک

حک کی ملک چھانتے پھرے، اپنی خاق فروش حالی کی تمام خواہشوں و تشنگیوں کا غور کیا،  
 عاناں پر باد کی گرفت اپنے ہاتھوں پر مل گیا اور سب کچھ اُس وقت کی جب کہ راکر کی سلطنت  
 کے شے کا تختہ ہی شکل ہی کیا جاسکتا تھا۔ وعدہ نہ جاتے خود بندہ مستحق ہی کو رکھ لیتے۔  
 یہاں جو روحان اس خط فہمی میں مبتلا ہوئے کہ کتنے دھوکے و دیر سے وہ اپنے ملک  
 کو آزاد کرالیں گے انہوں نے اپنے قصد کے پیچھے اپنی زندگیوں کو سدا کر کے اور غمراہی کا  
 متاثر کرنے میں کیا کراٹھار کی؟ کرن ہی ممکن تھی کہ نصرت مصیبت ایسی تھی جسے انہوں نے برداشت  
 نہ کیا ہو، یہ قید خانوں میں ست مہینے تھے، اذیتیں، فحاشیاں، جس دھام میں عریں گے وہیں پہنچا  
 کے تختہ پر جہنم تک سے دیں۔ اس سے بحث نہیں کہ ان کے طریقے صحیح تھے یا غلط، مگر  
 اس سے یہ تو ضرور ثابت ہو رہا ہے کہ کسی قصد پر بیان دینے کے بعد اس کے لیے جان و مال اور  
 شخص احکام کی قربانی کرنا اور اس کے لیے مصیبتیں سہنے کی صفت آج بھی انسانوں میں ناپید نہیں  
 ہے۔ گاندھی جی کی مولیٰ نافرمانی بھی حلال ہی کی ہوتی ہے۔ کیا اسی جنود شاہ کے باشندوں  
 میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے لاشیاں کھیں ہیں جیسے اور مالی نقصانات برداشت  
 کیے؟ کیا اردو ولی کے کٹاؤں نے اپنی زمینوں، اپنے ہاؤسوں اور اپنے گھروں کے برتنوں تک  
 کی قربانی دینے کی ضرورت محسوس نہیں کیا؟ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سچ و سچ مرد  
 قربانی کی نہ صفت جس میں مسخود میں جو بچے و عورتیں باقی تھیں؟ اگر شکر اور اس  
 اور گاندھی پر ایمان رکھنا سب کچھ کر سکتا ہے، تو کیا خدا پر ایمان رکھ کر کچھ نہیں کر سکتا؟ اگر  
 لاکھ و لاکھ میں اتنی کشتش ہے کہ اس کے لیے دی جان و مال کی قربانی کرنا کر سکتا ہے تو کیا  
 خدا کی رضا اور اس کے تقرب میں اتنی کشتش بھی نہیں ہے؟ پس جو لوگ خود پرست ہوتے  
 اور نصیب و حصہ میں انہیں یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اس کا عظیم کے لیے جی اور دلوں و ہمتوں  
 کی قربانی ہے، وہ کہیں جی ہی نہیں رکھتے، البتہ اپنی ذات کی خشک و خرد و کھٹکے میں کمر بستہ  
 تھے و تھکتے تھکتے لایا آنا چھٹا چلیے نہ تھے۔ ہاں تم اور تھلا رہا ہوں میں جس قدر میرا ہر دھڑکے

(ترجمہ قرآن - اپریل ۱۹۴۲ء)

میں (۲۴)

لے، آج سب کچھ اس سلسلے کے لئے کرنا ہے، ۲۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کا تقسیم عمل میں آیا۔ (۲۰۱۰ء)

الاضاف



جواب: پاکستان کے متفق آپ میرے منسل جیادہ مت مسلمان اور برہمن سیاسی  
 کشمکش محترم میں مدد فرمائیے۔ میرے نزدیک پاکستان کے مطالبہ پر یہودیوں کے قومی  
 وطن کی تشبیہ چاہیں نہیں ہوتی۔ غلطیوں کی اوقات یہودیوں کا قومی وطن نہیں ہے، ان کو وہاں  
 سے نکلے ہوئے دو ہزار برس گزر چکے ہیں، اُسے گمنام قومی کہا جاسکتا ہے تو اسی وطن میں  
 جس میں یہودیوں کی تاریخ نسل کے رنگ وسط ایشیا کو اپنا قومی وطن کہہ سکتے ہیں۔ یہودیوں کی  
 اصل پندیشین ہے جس ہے کہ ایک ملک و قسطنطنیہ کا قومی وطن ہے اور وہاں سے تسلیم کرنا چاہتے  
 ہیں۔ بلکہ ان کی اصل پندیشین ہے کہ ایک ملک قسطنطنیہ کا قومی وطن نہیں ہے اور ان کا مطالبہ یہ  
 ہے کہ ہم کو دنیا کے متعدد گوشوں سے حیثیت کر وہاں بسایا جائے اور اُسے ہندو ہند کا قومی  
 وطن بنایا جائے۔ ہندو اس کے مطالبہ پاکستان کی بنیاد ہے کہ جس علاقہ میں مسلمانوں  
 کی اکثریت آباد ہے وہ باضمل مسلمانوں کا قومی وطن ہے، اور مسلمانوں کا مطالبہ وہ ہے  
 کہ موجودہ جمہوری نظام میں ہندوستان کے دوسرے حصوں کے ساتھ ملے جیسے کہ ان کے  
 قومی وطن کی سیاسی حیثیت کو برصغیر ہندوستان ہے اُس حصہ اس کو ملحوظ رکھا جائے اور متحدہ  
 ہندوستان کی ایک آزاد حکومت کے ساتھ ہندوستان اور مسلم ہندوستان کی دو آزاد  
 حکومتیں قائم ہوں۔ یہی بالفاظ دیگر وہ معروضہ چاہتے ہیں کہ ان کا قومی وطن جو باضمل موجود ہے  
 اُس کو اپنی آزاد حکومت، ایک قائم کرنے کا حق حاصل ہو جائے۔

یہ پیر بیہند وہی ہے جو آج دنیا کی ہر قوم چاہتی ہے اور اگر مسلمانوں کے مسلمان ہونے  
 کی حیثیت کو نظر انداز کر کے انہیں ایک قوم کی حیثیت دے دیکھا جائے تو ان کے اس  
 مطالبہ کے حق بجانب ہونے میں کوئی کام نہیں کیا جاسکتا۔ ہر امر وہ اس ملک کے نفع میں کہ  
 دنیا کی کوئی قوم کسی دوسری قوم پر سیاسی و معاشی حیثیت سے مستطرد ہو۔ ہندو نے ایک طرف  
 یہ ہر قوم کا حق ہے کہ اس کی سیاسی و معاشی بلجی اس کے اپنے افسانوں میں ہوں اس لیے  
 ایک قوم کو جس کی حیثیت اگر مسلمان یہ مطالبہ کرتے ہیں تو جس طرح دوسری قوموں کے مطالبوں  
 یہ مطالبہ صحیح ہے اسی طرح اس کے مطالبوں بھی صحیح ہے۔ بلجی میں اس پر یہی غصہ نہیں رہتا ہے  
 ہر امر اس حق ہے وہ معروضہ ہے کہ مسلمانوں نے ایک اصولی جماعت اور ایک نظام کی دعائی

در علم ہند چمت ہوئے کی حیثیت کو نظر انداز کر کے صرف ایک قوم، ہوسے کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ مگر وہ اپنی اصل حیثیت کو قائم رکھتے تو ان کے بے قومی وطن اور اس کی آزادگی کوئی ایک نہایت حقیر قرار دیتا، بلکہ حقیقتاً ہوسے سے وہ ان کے بے پیمانہ ہی نہ ہوتا۔ اس کے کوڑوں ہو کر ایک دہائے سطح میں اپنی حکومت حاصل کر لینے کی ایک انتہائی منسوب زمین سمجھ رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ نظام اسلامی کے راجی ہونے کی حقیقت اختیار کریں تو تب ایک مسلمان ماری دیا ہوا اپنی دینی اور حقیقت پنے اس نظام کی ہر کورہ والی ہے، حکومت کا ماری ہو سکتا ہے اور صحیح طور پر ہی کر سکتے تو ہے حاصل ہو کر سکتا ہے۔

(ترجمہ القرآن، ج ۱، ٹکسٹ، ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۳ء)



# مسلم لیگ کے اختلاف کی نوعیت

مسلم لیگ کی جس مل کی جانب سے حسب ذیل سوال نامہ ہمارے پاس بھیجا ہے۔

۱۔ اعلیٰ حلقہ اویسیہ میں پر چند مثال مسلمانوں کی سیاسی تاریخ  
اصول، ان حالات کے اندر ہوتے ہوئے میں وہ گہرے جھگڑے میں  
حملہ دیا ہے اور نقطہ نظر کے مطابق ملکی ہے اور اور کم حسب و علی غلو پر  
اپنی تفصیلی رائے تحریر کیجیے۔

دھبہ ایک سیاسی جملہ سہ تو کوئی کیجیے جس کے وسیع قومی اجماع کے متحرک متعدد  
کے لیے مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور مدارس میں فکر کو متاثر کر دیا گیا جائے۔  
دھبہ ایک سیاسی انتشاری نقشہ دھبہ اور حسب کیجیے جو اصول اسلام کے ساتھ  
مطابقت رکھتا ہو۔

۲۔ ہندوستان مسلمانوں میں مخصوص حالات میں گہرے جھگڑے میں نہیں  
فہم میں نہ کہ جیسے کہ کیا، ملکی ہے کہ اگر وہ جب وہ ایسی اور ریاستیں  
حاصل کریں جن میں ان کی اکثریت ہر تو ایک سیاسی نظام حکومت قائم کر سکیں جس  
میں مذہب، سیاسی سب کے وہ ایمان ایک خوش آئند جہاں ہو جائے۔

(د) اسلامی اصول، روایات و تصانیف اور نظریات کے مطابق ایک ایسی اسلم ترتیب کیجیے جو مسلمانوں کے معاشرتی، تہذیبی اور طبیعی پیوستوں پر مبنی ہو۔

(س) مجموعی قومی پیوستوں کی خاطر جو امور اس میں مختلف اہل مذہب و ملت کے اہل ذہن کو ایک کر کے رکھنے کی طاقت ملے کہ ان کے لیے جو طریق کار اور نظام اس طرح ترتیب کیجیے کہ ان کے دلوں پر قبضہ رکھنے والے دشمنوں کے اسباب، میدان، اور افراتفری مختلف نظریات کا لحاظ ہے۔

اس میں نام سے اور جواب ہماری طرف سے بھیجا گیا وہ درج ذیل ہے:

آپ نے جو حاصل روایات دریافت کیے ہیں وہ دراصل ایک ہی بڑے سوال کے اجواب ہیں۔ پھر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس سوال کو الگ الگ اپنے اندھن پر الگ الگ رستے ظاہر کرنے کے بجائے اسی بڑے سوال کو ایک وقت رخصت سے ایا جائے جس کے یہ سب اجزاء ہیں وہ وہ بڑا سوال یہ ہے کہ مسلمان کس طرح وہ اصل مسلمان نہیں جنہیں قرآن کا اصل منشا تھا؟ یہ ہے اصل سوال اور اس کے حل ہونے سے بالکل سب مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔

میرے پاس اس سوال کا سیدھا اور صاف جواب ہے کہ پہلے اسلام کو جو کچھ کہہ رہے ہیں اور جو کچھ کہنا ہے اس کے مطالبہ ہیں، واضح طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا جائے، وہ ان سے قسمی طور پر اسے قبول کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر جو لوگ اسے جاننے اور سمجھنے کے بعد قبول کریں اور اپنے طرز عمل سے ثابت کریں کہ انہوں نے اسے قبول کیا ہے، ان کو ایک پارٹی کی صورت میں منظم کرنا ضروری ہے۔ وہ بالکل مسلمانوں میں مسلسل تسبیح و تعقیب کا حصہ اس بارہ کے ساتھ جاری رکھا جائے کہ باوجود انہیں اس پارٹی میں چھٹی قوم کو مضبوط کرنا ہے۔

اس پارٹی کے سامنے صرف ایک ہی نصب العین ہو، یعنی اسلام کی حیثیت ایک عام زندگی کے معیار پر قائم کرنا۔ اور اس کا ایک ہی اصول ہو، یعنی اسلام کے خاص طریقہ پر چننا اور ان کے طریقہ کو برقرار رکھنا۔ اور غیر اسلام کے ساتھ ہر روایات و تصانیف (Continued)





زبردستی مستند ہو کے رہ جائے گی۔ دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان لیگ مستقل قوم ہیں اور وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں۔ اور دوسری جانب صدر اعلیٰ دہندوں کے دواؤں پر منحصر ہے۔ ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ کیا ہم لیگ کے حق میں دست بردار ہیں اور دوسری یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے فائدے سے کھڑے کریں؟

جواب :- آپ کے دین پر ملک کے موجودہ سیاسی حالات کا غلبہ ہے، اس لیے آپ کو صرف دو ہی نکتے نظر آتے جن میں ہندوستان کے مسلمان مبتلا ہیں۔ ملائکہ اگر آپ فدا و بیخ نامہ سے دیکھتے تو ان دونوں نکتوں کے علاوہ آپ کو اندہ بہت سے اخلاق و فطری، تمدنی، مذہبی اور سیاسی و معاشی نکتے نظر آتے جو اس وقت مسلمانوں پر جو کم کیے ہوئے ہیں، اور یہ ایک فطری منہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہر اس قوم کو عطا کرتا ہے جو کتابت اللہ کی حامل ہوئے کے باوجود اس کے اتباع سے منہ موڑے اور اس کے منہ کے مطابق کام کرنے سے جی پھرتے۔ اس منہ سے اگر مسلمان بچ سکتے ہیں تو وہ صرف اس طرح کر سکتے اس مصلیٰ و بنیاد پر مبنی سے دل آجائیں جس کی پاداش میں ماوریا نکتے مستطاب ہوتے ہیں۔ اور اس کام کے لیے کوشش کر رہا ہیں جس کی نظر انہیں کتابت اللہ کی گئی تھی۔ لیکن اگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں تو پھر وہ میریں چاہیں کہ کے دیکھیں، یعنی ہا نیے کہ کسی ایک فتنہ کا بھی ستر باب نہ ہو گا، بلکہ ہر قوم پر چند اور نکتے برپا کر دیے گئے۔

آپ نے جو سوال جماعت اسلامی کی توجہ اور فیصلے کے لیے پیش کیا ہے اس کے متعلق میں دو باتیں واضح طور پر عرض کیے دیتا ہوں تاکہ آپ کو اس آپ کی طرح سمجھنے والے صاحب کی نگاہ میں مسئلہ میں کوئی الجھن نہ پیش آئے۔

اولیٰ یہ کہ پہلے آپ اس جماعت کے مقصد پر قیام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ جماعت کسی ملک یا قوم کے وقتی مسائل کو سامنے نہ کر رہی تھی، نہ اب یہ مسئلہ ان کو حل کرنے کے لیے نہیں بنی ہے، اور اس کی بنیاد پر قیام یہ مقصد ہے کہ پیش آمد مسائل کو حل کرنے کے لیے جس وقت جو امور ملنے نظر آئیں ان کو اختیار کر لیا جائے۔ اس جماعت کے سامنے تو صرف ایک ہی ٹیگ

اللہ نزل و لہری منسلک ہے جس کی پیٹ میں ہر ملک اور ہر قوم کے سلسلے سے وقتی مسائل آجاتے ہیں۔ اللہ سے منسلک رہنے کے معنی کی ذہنی خارج اللہ کی ہی نسبت کس چیز میں ہے؟ ہر اس مسئلے کا ایک ہی حل اس جامعیت کے پاس ہے، اللہ ہے کہ تمام جگہ کی خدا (رحم) میں ہندوستان کے مسلمان بھی شامل ہیں، اچھے معنوں میں خدا کی زندگی اختیار کریں اللہ اپنی پوری مخلوق کی دانتھامی زندگی کو اس کے سلسلے سے چھوڑ دے۔ مسیح کو ان اصولوں کی پیروی میں پھر دیکھیں جو خدا کی کتاب اللہ اس کے رسول کی سنت میں پائے جاتے ہیں۔ ہمیں اس مسئلے اللہ اس کے اس واسطے حل کے سوا دنیا کی کسی دوسری چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے، اللہ جو شخص بھی ہمارے ساتھ چن چاہتا ہو اسے لازم ہے کہ ہر طرف سے نکل کر پوری جمیعت عالم کے ساتھ اس شاہراہ پر قدم چاہتے ہیں۔ اور جو شخص اتنی ذہنی و عملی یکسوئی ہم نہ پہنچائے، جس کے ذہن کو اپنے ملک یا اپنی قوم کے وقتی مسائل پر اپنی طرف کھینچے ہوں اور جس کے قدم ہمارے ڈانگہ کرکٹ طریقوں کی طرف پھرتے ہوں وہ دنیا میں تنہا مانج میں، اس کے لیے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اپنے ان ہنگامی ٹھکانوں میں جا کر اپنا دل جبر سے۔

دوم یہ کہ وہ اللہ کی تعلیم کے مطابق ہیں۔ گناہ ہماری پوزیشن کو صاف صاف سمجھیں نہیں کر لیں۔ پیش کردہ انتہا یہ یا خدا کہنے والے الفاظ اللہ کی باجمیت جو کچھ بھی ہو، اللہ ان کا جیسے کچھ بھی ملے، ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو، ہر حال ایک با اصول جامعیت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی کر سکا کریں۔ ہم یہاں ملتے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام کا کیسے بھروسہ (Sovereignty of the People) کے اصول پر قائم ہوا ہے، اللہ بھروسہ میں باجمیت یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جس کے لیے کوئی بالاتر سند اس کو تسلیم نہیں ہے۔ برخلاف اس کے جائے حقیقتاً توحید بنیاد کی تصانیف ہے کہ حاکمیت (Sovereignty) جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہے۔ اللہ انگریزی میں (Final Authority) خدا کی کتاب کو اذکار جائے اللہ قانون مادی جو کچھ بھی ہو کتاب الہی کے تحت ہونے کو اس سے بے نیاز۔ یہ ایک اصولی معاملہ ہے جس کا تسلسل

ہمارے ایمان اور ہمارے اساسی عقیدے سے ہٹے۔ اگر چند دستوں کے علماء اور دانشمندان  
اس حقیقت سے اڑھول ہوتے ہیں کہ وہ تو فنی شخصیات ہیں ان کے لیے متغیبات و تبدیلیاں سے  
اجنبی نہیں مگر ہم تو اس کی گواہ ہیں وہ خود اپنے اندر لکھنا نہیں چاہتے۔ لیکن ہم کسی فائدے  
کے لیے اگر کسی شخص کے فیصلے سے اس اصولی مسئلے میں موجود نظام کے ساتھ کسی قسم کی ہمکارت  
نہیں کر سکتے۔ آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ توحید کا یہ عقیدہ کتنے ہرے بھرے اخلاقی اصول پر  
حصہ لے سکتے ہیں؟ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب خدا کی سند سے  
انسان ہر حرکتوں میں خدا کی کوثر کو قرار دیں، اور دوسری طرف خود اپنے دلوں سے ان لوگوں  
کو منتخب کرنے کی کوشش کریں جو خدا کے آئینی اختیارات حسب کرنے کے لیے اس جہلی میں  
جاننا چاہتے ہیں؟ اگر ہم اپنے عقیدے میں صادق ہیں تو ہمارے لیے اس معاملہ میں صرف ایک ہی  
راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا انداز اس اصول کے منافی نہ بن کر صرف کر دیں کہ حکایت صرف  
خدا کی ہے اتفاقاً وہ ساری کتاب اللہ کی سند پر مبنی ہوئی چاہیے۔ جب تک یہ اصولی زمانہ  
میاں لگے ہم کسی انتخاب اور کسی راستے وہی کو حلال نہیں سمجھتے۔

(ترجمان القرآن - ستمبر تا نومبر ۱۹۶۵ء)

اس میں ہرچہ کہ جائز و ناجائز کی تفریق کے بعد انتخابات میں حصہ لینے اور امیدوار کی حیثیت  
میں لگنے والے اس وقت تک جو تفریق ہیں کیا ہمیں شک ہے کہ یہ سب کچھ سبیل کے تحت لڑاؤ  
تفصیل (Objectives Revolution) میں کر کے آخری نتائج کی حاکمیت تسلیم نہ کر لیں۔

## نظام کفر کی قانون ساز مجلس میں مسلمانوں کی شرکت کا مسئلہ

سوال :- آپ کی کتاب "اسلام کا فلسفہ سیاسی" پڑھنے کے بعد حقیقت و حقیقت پر گہری نظر سے کثافت ساری قانون ساز مجلس کے یہ فیصلے اور اس حقیقت کے خلاف اصول پر مبنی ہونے کا قانون سازانہ سمجھنے کا میرا خیال ہے کہ شریت کے خلاف ہے۔ لیکن یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر تمام مسلمان جمیوں کی شرکت کا تمام تسلیم کریں تو پھر سیاسی حقیقت سے مسلمانوں کو ہر جائز گئے۔ ظاہر ہے کہ سیاسی قوت ہی سے قوم کی ترقی و ترقی کا کام کیا جاسکتا ہے۔ اگر ہم نے اگر سیاسی قوت کو اپنے فرائضوں کے لئے ہر جانے، یا تو اس کا نتیجہ ہی ہو گا کہ غیر مسلم دشمنی کی رو سے یہ قانونی مسئلہ کیسے حل ہو گا۔ یہاں پر ہم کو یہ بھی دیکھنا ہے کہ جس کے پیچھے ہیں جبکہ وہ جانیں گے، پھر ہمیں سیاسی تباہی سے بچنے کی کیا صورت مسلمانوں کے لیے تیار کر رہے ہیں؟

جواب :- آپ نے اپنے سوال میں سوچنے کا آغاز غلط اختیار کیا ہے۔ نتیجہ ہوتا تو آپ کی مجلس آگئی ہے کہ وہ نظام میں جس میں مسلمانوں کا قانون ساز ہوتا ہے یا نہ ہو۔ مسلمانوں کا قانون سازی کا حق دیتا ہے، اس کے لئے غلط ہے۔ نیز یہ ہوتا ہے کہ آپ کو چاہیے کہ مسلمانوں میں ہے کہ حکم صرف اللہ کے ہے۔ مسلمانوں کا کام اس کے حکم کا اتباع کرنا ہے۔ مذکور



و خیر ظہر بن جہنا۔ اب آپ کو یہ سوجنا چاہیے کہ مسلمان جن کے ساتھ آپ فکر کر رہے ہیں وہ  
 کس فرقے کے لیے مسلم نہائی ایک جا صحت ہائے گئے تھے؟ آیا اس فرقے کے لیے کہ  
 وہ اُس اہل حق کو جو قرآن سے ثابت ہے، دنیا کے سامنے پیش کریں، اُس کو تسلیم کریں،  
 خدا اپنی زندگی کو اُس پر قائم کریں اور دنیا میں اُس کو جاری کرنے کے لیے اپنی پوری قوت مومن  
 کر دیں؟ یا اس فرقے کے لیے کہ اُس کے بالکل رخصت و مائل میں دنیا میں قائم ہر جائزے  
 (اور خدا ن کر اپنی خشتوں کی بدولت قائم ہو) اس کی مخالفت کریں اور اُس کو اپنا میں صلہ  
 اُس کو مٹانے کی سس سے اس سے گریز کرتے رہیں کہ کہیں لوں کے خدا کو تشدد نہ پہنچا دیتے؟  
 اگر پہلی بات ہے تو مسلمان کون برکھ کر رہے ہیں، خدا کر رہے ہیں، اور ان کا خدا اگر ایسی فعلی  
 سے وابستہ ہے تو ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُس کی پردہ کی جلتے، اور ایسی صحت حال  
 میں ایک خیر مسلمان کو اپنی قوم کے ساتھ ایک کو جہنم کا راستہ اختیار کرنے کے بہانے اہل حق کو قائم  
 کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، اور اس کی قوم اس کا ساتھ دے یا روکے۔ اور اگر آپ دوسری  
 بات کے قائل ہیں تو ہر جیسے کہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، حق کو حق ماننے کے باوجود جو خیر  
 حق طریقہ پر اگر حق قوی متعلق خاطر آپ جا رہا ہیں تو جاسکتے ہیں۔

۲۔ اذیت کشی میں کیا جاتا ہے کہ اگر ہم سمیروں سے پرہیز کریں تو یہ غیر مسلم تاجن ہر نظام  
 حکومت کے تہ ایک دستور ہی جائیں گے اور اگر نظام بدل کے لیں تو یہ نہ نہیں خود سر  
 بن جائیں گے اور اس طسورہ زندگی کے ساتھ کہ وہ پر قابض ہو کر رہا ہوا ہی ہستی ہی کو  
 فتح کر دیں گے، اعلیٰ کہ اسوہ کا نام بیٹے دے باقی ہی دور میں گئے کہ تم ان سے خطاب کر سکو۔  
 لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہی بٹے جتنے ہو تاکہ ہیں اس سے نیا نہ خام خیال کے فونے ہیں سگر  
 ہم نے یہ کہا ہر تاکہ صرف ایک مثل پائیں اختیار کر کے مسلمان نہ لگا سدا کہ بار چھڑ دیں  
 اور لوگوں میں جا بیٹیں تو یہ انہی بٹے فرد کسی حقیقت پر مبنی ہوتے۔ لیکن ہم اس فعلی کے ساتھ  
 ساتھ ایک اہلیت ہی قریب میں کرتے ہیں، اور وہ ہے کہ مسلمان اس نظام کے ساتھ مذکور  
 کرنے کے بجائے دنیا میں نظام حق قائم کرنے کے لیے نظم سن شروع کریں اور دوسری قوموں  
 کے ساتھ اپنے دوسری مفاد کے لیے کشمکش اور مزاحمت کرنے کے بجائے ہی کے سامنے

۱۰ دینی حق پیش کریں جس کی بروری میں تمام انسانوں کی اطلاع ہے، اللہ قرآن کے ذریعے سے،  
 میرے ہر موتی کے ذریعے سے اور اخلاق سسٹی کے ذریعے سے دنیا میں ملے گی، اخلاق ماشی،  
 اللہ تعالیٰ اللہ یا سی انتقاص، ہر گنہگار کے لئے کوشش کریں۔

ہماری اس دعوت کے جواب میں مدد دہیں پیش آسکتی ہیں،

یہ کہہ کر تمام ہندوستان کے مسلمان، جن کی تعداد اس کروڑ ہے اور جن کے پاس مذہبی مثال  
 اللہ یعنی اللہ مافی ثقلین، اللہ تعالیٰ کے پاؤں کی طاقتوں کی کمی نہیں ہے، ایک دھندلے تاریک اس  
 دعوت کو قبول کریں اللہ تعالیٰ، انھوں نے اللہ تعالیٰ تمام حیثیتوں سے اسلام کے حقے والی بریتیں۔  
 اگر یہاں ہر جگہ آپ تو یہ اندیشہ کہ سب سے سب کچھ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا انہیں  
 یہ یقین دلائے گا کہ ہندوستان میں نہیں دنیا کا ایک بڑا حصہ آپ کے ہاتھ آجائے گا، ہندوستان  
 میں اقصیت اور اکثریت کا جھگڑا دیکھنے دیکھنے ختم ہو جائے گا، ہندوستان میں خاص اسلامی  
 حکومت کو قائم کرنے سے کوئی حافضہ مذکورہ کے لئے، بہت قلیل مدت کے اندر مسلمان ملک کی  
 جی کو باجٹ جائے گی اور عہدہ تو میں ایک عرصہ بعد ہی دنیا پر چلتی برتی ہیں، ٹھہر کر رہنے سے  
 ضرور خدا کیسے گی۔

دوسری صورت یہ پیش آسکتی ہے، اللہ ہی اس دفعہ متوجہ ہی ہے، انسانوں میں  
 سے بتدیج تھوڑی غور و فکر میں پاک نفس اور اعلیٰ درجہ کے ذہنی رکھنے والے لوگ ہندی  
 اس دعوت کو قبول کرتے جائیں گے اور جب تک خاص میں کوئی گروہ منظم ہو کر ایک حلقہ بننا  
 عام مسلمان اپنے پیوندوں کی بروری میں وہی کچھ کرتے رہیں گے جو ایک صفت سے کرتے  
 رہے ہیں اصل میں کہ ہے ہیں۔ اس صفت میں ظہر ہے کہ وہ غلط نہیں آسکتا جس کا  
 آپ اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں، کیونکہ خدا کا مسلمانوں کی عظیم الشان اکثریت وہاں سے کام کرنے  
 کے لیے راجہ رہے گی جس کے ذکر نے سے آپ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کا قومی اتحاد کیا ہیں بل  
 جانتے گا البتہ اگر یہ سلسلے کام ہوتے ہیں اور صرف وہی ایک کام دہو جس کی طرف ہم جاتے  
 رہے ہیں اور اگر ہم ہی اہم ہیں اور اس کے تقاضا سے آنکھیں بند کر کے صرف قوم اور اس کے  
 اتحاد کی فکر میں ہوں باطل کاریوں کی طرف مڑ جائیں جو آج اسلام اور مسلم مذاہب کے نام سے ہو

رہی ہیں تو یقین کیجئے کہ اسامہ ابھٹہ تو غیر گناہمند ہرگز، مسلمان قوم میں ذلت و جوری اور اس  
 پستی کے ٹوٹے سے بھی نہ مل سکے گی جس میں نہ چور و دہاک کی طرح صورت اس لیے برکت ہوئی ہے  
 کہ خدا کی کتاب رکھتے ہوئے اس نے اس کتب کا مشاہدہ کیا نہ خدا سے منہ مڑا۔

(قرآن القرآن - محرم ۱۴۰۵ھ - دسمبر ۱۹۸۵ء)

---

## مجالس قانون سازی کی کنیت شرعی نقطہ نظر سے

سوال: کیا مسلمان کو ہمیشہ مسلمان ہونے کے اسباب کی ہماری بات کرنا چاہیے؟  
 اگر نہیں تو کیوں؟ یہاں مسلمانوں کی مدد دہی جو مسلمانوں کے فائدے کے اسباب کی کنیت  
 کے لیے لکڑے ہوئے ہیں اور ان کی طرف سے مدد حاصل کرنے کے لیے  
 جو پروپاگنڈا رہا ہے، اس کی حوصلہ شکنی کا مطالبہ یہی ہے۔ اگرچہ مجتہدین  
 ہوں کہ اسلامی حاکمیت کے نظریے پر قائم ہونے والے اسباب اور اس کی  
 یکسے دونوں شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہیں، مگر تاویلیک مستعمل وہی چلی  
 نہ لاسکوں، دوسرے کے مطالبہ سے چھٹکارا پانا دشوار ہے۔

جواب: اس مسئلے کے متعلق یہ سمجھ لیجیے کہ جو جہاد مذہبی جتنے جمہوری نظام ہونے  
 ہیں (جن کی ایک شاخ ہندوستان کی مروجہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی  
 ہیں کہ باشندگان ملک اپنے ممالک کے حقوق خود کو ملتی، مساجد، مہتمم، خلق  
 اور ممالک کے اصول وضع کرنے اور ان کے مطابق تفصیل قوانین و ضابطہ بنانے کا حق  
 رکھتے ہیں اور اس قانون سازی کے لیے رشتہ عام سے بالاتر کسی شخص کی ضرورت نہیں  
 ہے۔ یہ نظریہ اسلام کے نظریے سے بالکل ٹھیک ہے۔ اسلام میں قوم کے عقیدے کی  
 بحران ہے کہ لوگوں کو ان تمام دنیا کا ملک اور زمین و آسمان تسلط ہے، ہر ایک اور ملک

دینا اس کا کام ہے اور لوگوں کا کام یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اس کے حکم سے اپنے لیے  
 قانون زندگی اختیار کریں، نیز اگر اپنی آزادی کے واسطے استعمال کریں بھی تو ان حدود کے اندر  
 کریں جن حدود میں خود اللہ تعالیٰ نے اس کو آزادی دی ہے۔ اس کی نظر یہ تھی کہ اس سے  
 قانون کا مفاد تمام صحیح زندگی میں روح اللہ کی کتاب اور اس کے اصول پر قائم رہے  
 و سب کی تسبیح قرار پالے ہے، اور اس تفسیر سے ہر مسئلہ کو حل کر کے چھوڑی نظریہ کہ  
 قبول کرنا گویا عقیدہ توحید سے خوف ہر جائز ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جو مسلمان یا  
 پارٹیشن پر ہندو نہ نہ کہ جس کی اصول پر ہی ہیں ان کی تکلیف حرام ہے، کیونکہ وہ صرف  
 دھن کے مسئلے ہی پر ہیں کہ ہم اپنی دلتوں سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا نام  
 موجود دستور کے تحت قانون سازی کر لے جو عقیدہ توحید کے موافق نہ ہو۔ مگر  
 حلانے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو حل اور جائز سمجھتے ہیں تو اس سے اس کی  
 دلیل دیا جائے گی۔

اس قسم کے معاملہ میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظام مستند ہو چکا ہے اور زندگی  
 کے سارے معاملات اس سے متعلق ہیں، اس لیے اگر ہم انتہا ہمت میں حقہ میں اللہ تعالیٰ ہم  
 حکومت میں شریک ہونے کی کوشش کریں تو ہمیں انوں اور انوں کے تقاضات پر چاہیں گے۔  
 ایسے وقت کے کسی ایسی چیز کی خواہش حرام ہو، حال تا بس نہیں کیا جاسکتا، اور نہ شریعت  
 کی کوئی حرام چیز ایسی نہ جائے گی جس کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی بنا پر حل نہ ٹھہرا جاسکے۔  
 اضطراب کی بنا پر حرام چیزیں استعمال کرنے کی اہانت شریعت میں پائی تو بوجہ اس کے  
 اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ خود اپنی غفلتوں سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے  
 اضطراب کی حالتیں پیدا کریں، پھر اس اضطراب کو دلیل جا کر تمام فرائض کو اپنے لیے حل کرتے  
 ہائیں اور اس اضطراب کی حالت کو ختم کرنے کے لیے کوئی کوشش نہ کریں۔ جو نظام اس

لے اس مسئلہ کو جو درجہ تفصیل کے ساتھ سمجھنا چاہیں وہ میری کتاب "اسلامی سیاست"

کا مطالعہ فرمائیے۔ (جمہد)

وقت مسافروں پر منقطع ہوتا ہے، جس کے منقطع کرنا پہنچنے پر ہی دلیلِ اخطار بننا ہے ہیں،  
وہ آغراں کی ہڈی ہی خفستوں کا نتیجہ ہے۔ پر اب بھلائے اس کے کہ پتا سرائے وقت و محل اس  
نظام کے بدلنے سے فائدہ اٹھائی نظام قائم کرنے کی صفا میں عورت کریں، وہ اس اخطار کو محبت  
کا اسی نظام کے اندر مستند بننا اور چلنے پر لے کر کشش کر رہے ہیں۔

(ترجمان القرآن - مرم ۱۹۵ - دسمبر ۱۹۴۴ء)

## پُر امن انقلاب کا راستہ

سوال ۱۰ "ذیل میں مذکور سبقت پیش کرتا ہوں۔ براہ کرم مجھے نظریات کی توضیح فرمائیں صاف کر دیجیے۔"

(۱) ترجمان انگریزی کے گوشہ نشین سے پوچھتا رہا ہے کہ میں ایک نئی سوال شروع کرتا ہوں کہ وہ نئی مسئلہ عہدہ علم کو کسی منظم اسٹیٹ کا سامن نہیں کرنا پڑا، مگر صورت یہ صحت عہدہ منظم کے سامنے ایک منظم اسٹیٹ تھا اور انہوں نے جب یہ راستہ کو اختیار کرنا شروع کر کے پرانا اور یا تو اسے بڑھ کر قبول کر لیا اور طریقہ کار اختیار نہیں کیا کہ پہلے وہیں حال میں کی ایک صورت تیار کریں۔ کیا اتفاق ہی جبکہ اسٹیٹ اس قدر سے کسی گھڑیوں ہر گزیر ہو چکا ہے، اس قسم کا طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں آپ نے جو کہ لکھا ہے اس سے مجھے پورا پورا اطمینان نہیں، نو مجھے یہ خیال ہے کہ ہم کو صورت یہ صحت عہدہ منظم کا اجراء کرنا ہی نہیں چاہیئے، بلکہ اسے یہ صورت ہی صحت عہدہ منظم کا اسلوب و طریقہ کار ہے۔ نئی صحت عہدہ منظم نے اہل کی راہ شاہست کی پیش کش کر دے کہ پہلے ہی غلطی پر جانا اور یا اس کے تعمیر و تشکیل کا کام پوری رکھنے کا منصوبہ کیا تھا اور بعد کے لیے بھی طریقہ کار اب بھی ہے، "اور اس طرح کہ میری رہائش"

کس تکلیف میں داخل ہے ؟

(۲) کہنے پر بھی تحریر فرمایا ہے کہ کسی دھڑ پر اگر ایسے آثار پیدا ہو جائیں کہ جو بد وقت  
دستوری طریقوں سے نکل جائیں اور کوئی عمل پر عمل نہ کر سکے تو ہم اس  
وضع سے لاکھ ٹھٹھانے میں تامل نہ کریں گے۔ اس جگہ سے لوگوں میں یہ خیال پیدا نہ  
ہو کہ ہمارے کوئی بھی ایک تکلیف یا بیگاری میں نہ آئے کہ یہ تیار ہے اور ہیکل  
اجازت دیتی ہے اس معاملہ میں جان تکلیف کی آرمی فرمیتے۔

جواب :- جس سے یہ سارے خیال عظیم انتہا واجب الوجود ہیں۔ خود نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور ہی بدایت تھی کہ اسی طریق پر نہیں جو تمام انبیاء کا طریق تھا۔ جب کرائی  
کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہو جائے کہ کسی معاملہ میں کسی نبی نے کوئی خاص طریق عمل اختیار کیا  
تھا اور قرآن نے اس کو منسوخ ہی نہ فرما دیا ہو تو وہ ویسا ہی اپنی طریق کا ہے جیسا کہ جو نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بدشہابی پیش کی گئی تھی وہ اس شرط کے ساتھ مشروط تھی  
کہ آپ اس دین کو اللہ اس کی تائید کو چھوڑ دیں تو ہم سب بل کر آپ کو اپنا بادشاہ بنائیں گے۔  
یہ بات اگر درست ہے تو انتہا عظیم کے سامنے بھی پیش کی جاتی تو وہ بھی اُسی طرح اس پر رخصت کیجئے  
جس طرح نبی کریم نے اس پر رخصت کی تھی، اور ہم بھی اس پر رخصت کیجئے ہیں۔ لیکن حضرت  
یوسف علیہ السلام کو جو اختیارات پیش کیے گئے تھے وہ غیر مشروط اور غیر محدود تھے اور ان  
کے قبول کر لینے سے حضرت یوسف کو ہر اعتبار حاصل ہو رہا تھا کہ ملک کے نظام کا اس مذہب  
پر جو نئی جو دین حق کے مطابق ہو۔ یہ چیز اگر نبی کریم کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ بھی اسے  
قبول کر لیتے اور خواہ مخواہ لڑکھڑائی نہ چیز حاصل کر لیتے پر ضرور نہ فرماتے جو بغیر لڑنے سے پہلے کی  
رہی ہو۔ اسی طرح اگر کسی ہم کو یہ توقع ہو کہ ہم ماسٹام کی تائید سے نظام حکومت پر اس طرح  
تاج بن رہے ہیں گے کہ اس کو اس کی ساری دستبرد ہو لیکن تو جہد ہی اس کے قبول کر لینے میں  
کوئی تامل نہ ہوگا۔

ایکشن ڈاٹا اس میں ہمارا اگر اس فرض کے لیے ہو کہ ایک غیر اسلامی دھڑ کے تحت



ایک ساری (Secular) جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چاہئے تو  
 یہ ہمارے عقیدہ و فریضہ ہمارے دینی کے علاوہ ہے۔ لیکن اگر کسی وقت ہم ملک کی رائے  
 عام کو اس حد تک پہنچانے کا ارادہ رکھیں کہ ہمیں یہ توقع ہو کہ عظیم ملی اکثریت  
 کی تائید سے ہم ملک کو ستر حکومت تبدیل کر سکیں مگر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس طریقے سے کام  
 لیں۔ جو چیزیں سے غیر سیدھے طریقے سے حاصل ہو سکتی ہو اس کو خود خود ٹیڑھی انگوٹھی ہی  
 سے نکالنے کا ہم کو شریعت سے علم نہیں دیا ہے۔ مگر یہ بھی طریقہ سمجھ لیجئے کہ ہم یہ طریقہ کیوں  
 اُس صورت میں اختیار کریں گے جب کہ:

اولاً، ملک میں ایسے صاف پیدائش ہو چکے ہوں کہ بعض دستانہ عام لاکھ نظام کیسے برقرار  
 ہو رہا ہے وہ اس نظام کے نام پر نہ کرنے کے لیے کافی ہو سکتا ہو۔  
 ثانیاً، ہم اپنی دولت و تیشہ سے ہر سال ملک کی سب سے بڑی اکثریت کو پانچ فیصد  
 بڑھانے ہوں اور غیر اصولی نظام کے بجائے اصولی نظام قائم کرنے کے لیے ملک میں عام اتفاق  
 پیدا ہو چکا ہو۔

ثالثاً، انتخابات اور اصولی دستور کے تحت اُس کو چننے کے لیے نہ ہوں مگر ہمارے  
 اقتدار ہی یہ مسئلہ ہو کہ ملک کا آئینہ نظام کس دستور پر قائم کیا جائے۔

(ترجمہ القرآن، ج ۱۵، ص ۲۵-۲۶)

## ۱۹۴۶ء کے انتخابات اور جماعت اسلامی

۱۹۴۷ء کے انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ کے ایکسپریس جوائنٹ کمیٹی نے جماعت اسلامی کے اسٹیبلشمنٹ کو تحریر کرتے ہوئے ایک خط لکھا تھا۔ ذیل میں ہم یہ مضمون اور اس کا جواب دونوں نقل کر رہے ہیں :

کچھ دنوں سے اخبارات میں مولانا محمد علی صاحب کے اس مضمون کا ذکر ہو رہا ہے جو ایک سوال کے جواب میں مسند کوثر، ص ۶۰۰، مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۴۶ء کے صفحہ ۱۰ پر شائع ہوا ہے۔ مولانا نے اتحاد مسلم لیگ کی شرکت، اس سلسلے میں کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ :

”صاف اہل یکیشی کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف اہل نہیں کر لیجیو۔ پیش آمدہ اتحادیت یا اتحاد آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور اس کا کیا کچھ بھی اثر ہواری قوم یا ملک پر پڑنا ہو، ہر حال ایک باہم مل جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے سامنے ناگزیر ہے کہ کسی دفعہ حکومت کی بنیاد ہم نیک اصول کی قرانی گراں کریں جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف جاری و زانی ہی اس خیال پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور پر قائم ہے اور جمہور جس پر حاکمیت یا اہل کو منتخب کریں یہ اس کو قانون بنانے کا حیرت انگیز طریقہ ہے جس کے لیے کوئی دلائل نہیں ہیں کو تسلیم نہیں ہے۔ بحکام اس کے ہاتھ حقیقت

تو یہ امید ہی تھی کہ یہ ہے کہ ملکیت احمد کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند  
خدا کی کتاب کو اچھٹے اہل علموں سے دی جو کہہ بھی ہو کتاب الہی کے مختلف ہر  
کلمہ اُن سے ہے بنیاداً

دہم حاضر کے صدر حضرت، اکثریسی ہوں یا اسی دیر جو یہ دیر بندہ، مختلف  
سیاسی نظریات رکھنے کے باوجود اسیوں کے اشتراک و اشتراک میں متفق، اصل میں یہ عقد  
اور بات ملک کی تھی پھر ملک کے سوا کسی سے نہیں تھی اور وہی اب تک اصل ایک ملک ہے۔  
ایک مسئلہ ملکیت ہے۔ یہ مسئلہ بحث ہے۔ یہ مسئلہ ذیل میں اجمالی طور پر اپنے تاثرات پیش  
کرتا ہوں، ممکن ہے اہل علم صاحب کی توہ سے اس کے جزئیات دلیل و برہان کے ساتھ مزید روشنی  
میں آجائیں۔

اگرچہ انسانی کسی کو تادم ساری کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا  
ہر کی کافی ضمانت ہے کہ لوگ صحیح قانون مرتب کرنے میں آزاد ہیں۔ یعنی اس کو اختیار حاصل  
ہوگا کہ جتنا قانون مرتب کریں میں، آخری سند خدا کی کتاب کو مابھٹے اہل علموں سے دی جو کہہ  
بھی ہو کتاب الہی کے مختلف ہر کلمہ اُن سے ہے بنیاداً۔ یہ نہ کہ خورجین کے منہ پر خدا کے بندوں  
ہی کو نہ تو قانون کی ذمہ داریوں کو ابھار دیتا ہے۔ اگر علم و اختیار ایک بندوں کے ہاں تو اس کا  
توضیح خدا کی دین پر نیکی کی اشاعت ہوگی اور برائی مٹتی جائے گی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ  
فِي الْآخِرَةِ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاسْتَقْرُوا الْمَنَافِعَ وَحَسْبُ لَكُمْ  
حَقِ الْمُتَنَكُّو۔

بندہ اس مقدمہ اعلیٰ کے حاصل کرنے کے لیے ایجابی پہلو پر توجہ دے گا کہ ایسے لوگوں کے تقب  
ہوئے کی کوشش کہ جسے بن پر مانتے ہیں کے مختلف کام کرنے کا لگان صاحب ہر اور کسی  
پہلو پر کہ ایسے لوگوں کے اختیار و اقتدار میں شدید مداخلت کی جلتے ہیں کی نسبت اس کے  
برعکس چھٹے کا خیال ہو۔ عیندی، بات ملک اور متعلق کا ہر کسی صورت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔  
اگر نیک لوگوں کے برسرِ اقتدار آنے میں تو دن نہ کیا جلتے تو تعدادن فعل الہی کے خلاف ہے  
اور اگر حال چھوڑ کر گروں کو متوجہ دے دیا جائے تو سکوت حین الحق کا جرم ثابت ہے۔

ہوں اگر موجود ماحضوں میں کوئی ماحض کہہ دین کی متفق نہ ہوں ہیں تو ہا ماحض اسلامی کو  
میدان میں پہنچا دیتے تاکہ یہ لوگ ہ اپنا مذہب اس اصول کے خلاف میں فراموش کر دیں کہ حکومت  
مذہب خدا کی ہواستاقوں ہادی کتاب الہی کی سند پر مبنی ہو۔ تاہم میں ہمارے ہر وہ کے لیے  
بائیکاٹ اور تجنب کا میدان قاضی کرنا یقیناً وجہ امت مسلمہ ہے۔

اگر ہر ماحض کو وقتی قرار دے کر مسدودوں کو جس سے بچھڑے۔ ہر جس کی غصین کو دی جس کے قوانین  
وہی دنیا ملاحضوں کے آباد ہونے کے لیے تلاش کر لی پڑے گی جو اس میں نہ ہوا ہر وقت وہ دن  
کی تہود سے آزاد ہو۔ نیز یہ بھی جیل کر پائے گا کہ کیا اسلامی نظام کی ہر گیری اس سے قاصر ہے کہ  
ذاتی مسائل کو اپنے اہل و عیال کی قوانین کے ماتحت حل کر سکے۔ حیدر کی کسی ماحض میں بھی اس  
مسئلہ کا حل نہیں ہو سکتا۔ یا اس نظام کے ساتھ منہ و مرنہ محنت کا سامنا ہو۔ یا تو ہر اذعان کا متفق  
اگر ہر ہی ماحض فاعل کی ہر ہو تو بھی مسلمان حق لا ملان کام کرنے کے لیے مجبور ہے۔

اس مسئلہ میں اکثر اضرار و اختیاری بحث پیش آتی ہے۔ جو اس کی نسبت حرجی ہے  
کہ حرم ہر مذہب وادی ماحض نے اپنی اکثر تفرید میں اظہار انہوں کرتے ہوئے ہر وضاحت کیا  
ہے کہ ہر قسمی سے اس وقت ہندوستان میں ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں اسلامی قانون بغیر کسی  
منہ و مرنہ محنت کے نافذ ہو۔ ذاتی موجود حکومت کے ماتحت۔ جتنے ہوئے اور اس قانون و  
تقدیر میں زندگی بسر کرتے ہر جسے یہ سب سے بھی فاعل کو ہم اپنی تمام قوتوں اور ہر دھاک کو نظام  
باطل کا نہ مہربانی سے ہر دھوکہ لگیں۔ اور ہندوستان کے وسیع و عریض تر اقصا میں زمین کا  
ایک ایراج ہر جگہ ایسا قاضی کر لیں جو اس نظام کے اثر سے ہر وقت ہر ہر تاہم گردنا سیرور کے  
منہ و مرنہ محنت میں نصرت پنچ نکات کے قریب زمین کے ایک ٹکڑے کو دارالاسلام بنایا جاتا ہے اور اس  
شیعانی نظام کی تمام غرایم ہر کے ہر وجود اس کے اخذ و دارالاسلام ہے۔ اور ہر کسی مجبوری کا  
تجربہ ہے کہ جو ہر مکمل ہر مکمل مذکی ہر کے اس میں سے جس قدر ماحض ہر کے کر لی جائے۔

پھر ہر مذہب دارالاسلام کے نظام کی توفیق فرماتے ہر سے اس سے ہر بانیست اور تمام  
ہر سنی کے ساتھ کو بھی رخ فرماتا ہے۔ لکھ ہے کہ دارالاسلام کے قیام کا مقصد اکثر خطہ ہر مذہب  
کی حرجی نہیں کہ تقدیر و محضرت کو وجہ امت مسلمہ ہر کے ہر مانہ جس قاضی ہر کے ہر کی جائے



پڑے گی؟

بالنظاہر باطل سے کمال بے تعلقی مناسبت حاصل ہو جائے اور مسلمان ایک خاص اسلامی اصول پیدا کرنے والے ہیں اگر یہ صحت ناکہیں ہو جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر یہ کون سا مسلک ہے کہ وہ تعاون و اضطراب آجائز کیا جاتے ہیں جس سے یہ نظام کی حقہ تسخیر ہو کر دن بدن مضبوط سے مضبوط ہو رہا ہے، اور ان محمد توں سے اختیار ا دست کش کر لی جائے جہاں کسی قدر اسلامی مفاد بھی حاصل کرنا مقصود ہو۔ اگر ہم اندر مٹھی میں کسی وجہ سے یہ کام کرنا لازماً ہے تو ایسی روشنی کو مسلک (چلنے کی راہ) کے بجائے مقولہ کوڑا۔ موقتہ (ٹھہرنے کی جگہ) کہنا زیادہ معقول ہو گا۔

• کوڑا کے اسی نمبر کے اختصار میں مولانا غلام غفران خان حریز نے بھی اسی مسئلہ پر بحث فرمائی ہے جس کے مفاد سے اس مسئلہ میں اند بھی الجھ پیدا ہو جاتی ہے اور مجدد و مصلح کا شانہ نفس کی حد کو پہنچ جاتا ہے۔ آپ جہاد کے لیے دو شرطیں مقرر فرماتے ہیں۔ لکھا ہے:

• اسی کے لیے دو شرطیں ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ وہ با اختیار امیر کی قیادت میں ہو۔ کسی دوسرے نظام قاہر و مستط کے اندر رہتے ہوئے جہاں کسی با اختیار امیر کا وجود ناکہیں ہے تو اسی کے ناجائز امتیازات سے جہاد نہیں ہو سکتا۔

یہ حکم مزید توضیح کا محتاج نہیں۔ ہاں عقیدہ بیسوی قیادت کے بغیر جہاد فساد ہے اور جہاد کا وجود کسی دوسرے قاہر و مستط نظام کی موجودگی میں ناکہیں ہے۔

اس ترمیم کی حقہ تسلیم کر لینے کے بعد نظام حقہ قائم ہونے کی صورت یہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ قاہر و مستط نظام کے ارکان خود بخود ہر باطلی کر کے مسلمانوں پر سے اپنا قہر و استبداد اٹھائیں اور انہیں کمال زیادہ دھول میں چھوڑ کر ٹھنڈے ٹھنڈے کسی بے سندھار حقیقت کا کڑوا سونچا

---

یہ محض پاک عقیدہ بحث ہے۔ یہ کہ کوڑا سے جس جہاد سے بحث کی ہے وہ جہاد باسیف ہے۔ نہ کہ جہاد ہتھیار جہاد کے معنی میں رہا جاتا ہے۔ اس دوسری قسم کے جہاد کے لیے با اختیار امیر کی شرط کالونی محنت تک نہیں۔ (تہم)







اعمال میں خود مختاری کا طریقہ اختیار کرے۔

اب دیکھا ہے کہ ہندوستان میں جس دستور پر حکومت خود اختیاری کا نظام اس وقت قائم کیا گیا ہے اور جس طور پر آئندہ اس دستور کا اظہار ہوا ہے، اس کی بنیاد یا بعض پہلو ہی قسم کی تملی ہے یہ دوسری قسم کی آزادی بھی اس میں شامل ہے؛ جو شخص ہندوستان کے موجودہ نظام حکومت کے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ پورا نظام دیکھ کر دینی سیاست (Secular State) کے نظریہ پر مبنی ہے، اسباب اور اس کا مزید دستاویز آتھا ہے جبکہ اس میں بھی یہ بات اہل دانش کے طور پر تسلیم کر لی جاتی ہے کہ وہ بھی مذہبی آزادی سیاست کے قاعدہ پر مبنی ہوگا، لیکن اس میں باسٹند گوبند کو صرف ہی آزادی حاصل نہیں ہوگی کہ اپنے لیے جو دستور چاہیں اختیار کریں، بلکہ اس کی بنیاد ان اس نظریہ پر قائم ہوگی اور نفع بھی ہے، کہ حاکمیت (Sovereignty) محدود کی ہے اور انھوں نے مذہبی میں راستے عام سے بالاتر کسی کتاب الہیہ اور حمایت خداوندی سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ پورا نظام دراصل ایک کافرانہ نظام ہے، اس کی بنیاد اسلام کی بنیاد سے متضاد ہے اور اس کے اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اس میں داخل ہونا تقاضا دین کے خلاف ہے۔ یہ آزادانہ اگر صرف "پٹھان کوٹ" سے متعلق ہے تو اس میں ہے چارے "پٹھان کوٹ" کا کوئی تصور نہیں، قصور اُن دوسری جگہوں کا ہے جہاں سے یہ انٹھن چاہیے تھی گرد آئی۔

یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ہم اس نظام کے اندر داخل ہو کر اس کو اسلام کی طرف پھریں گے۔ اس کے اندر داخل ہونا بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ پہلے اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کیا جائے، اور اس کے بنیادی نظریے کو تسلیم کرنا اسلام کے بنیادی نظریے سے انکار کا ہم معنی ہے۔ لہذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے اس کے حوالہ کوئی راستہ نہیں ہے کہ باہر سے اس کے خلاف طریق اور اپنی تمام تر کوشش پہلے یہ اصول

نے ہیں اس کی تکرار دہائی میں مزید دہائی کر۔

نہ باہر سے ہے ہندوستان کے حکومت کی مشیر سے باہر رہتا ہے، اور اس تعلق سے باہر نکل جاتا اور حکومت کے تحت میں رہتا ہے۔





اس مضمون ہے کہ یہ قوم ملک کے نوے حصوں میں بکھرنے لگی ہے۔

۱۔ وہ ۱۰ ملے چیل سہاڑوں کو اکثریت حاصل ہے، تو اگر وہ مغربی و پاکستان کی مصیبت میں غور و خوار ہو جائیں اور ایک مستقل صاحب ملکیت ٹیٹل کی حیثیت میں ان کو حاصل کر جائے تب بھی وہ اس اسلامی اصولوں پر غور و فکر نہ کرے گا، پتا ہو اس کے غالب اکثریت حاصل کرنے کا سہولت مجدد وہاں بھی کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ ان علاقوں میں اس کے اکثریت حاصل کرنے کا تو مترادف سہاڑوں کی رائے عام ہے، وہ سہاڑوں کی رائے اس وقت بالکل نا تو یہ ہے یا نہ ہے، اس کی فہم و شعور سے بہت بڑی حد تک متاثر ہے اور اسلامی متاد کی بنیاد پر دینی و خواہشات و اغراض کے مشن میں بڑی فراع مستعد ہے اس رائے عام کی تائید سے کسی ایسے گروہ کا اکثریت کے ساتھ غلبہ، تقریباً ممکن ہے جو بے شک و شبہ سے اس اسلامی اصولوں پر کام کرنا چاہتا ہو۔

پھر اگر وہ مغربی ایسا ایک گروہ اکثریت میں منتخب ہو بھی جائے تو جو حالات اس وقت ہائے چلتے ہیں ان میں یہ ممکن نہیں ہے کہ آزاد پاکستان کے نظام کو اسلامی دستور میں تبدیل کیا جائے، کیونکہ جنت الحقائیں رہنے والے لوگ اپنے خواہوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ لے، لیکن ماہ پاکستان راگزی واقع وہ بنا بھی تو لازماً جمہوری اپنی حیثیت کے نظریہ پر ہے، جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک حکومت ہوں گے جس طرح مسلمان اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کم نہ ہو گی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جائے۔

۲۔ واضح ہے کہ یہ مغربی غوی ۱۹۵۷ء میں لکھا گیا تھا جب پنجاب، بہار، بنگال کی قسیم کا تینا ایک ہی ہندو تھا، اور مسلم لیگ کے تجویز کو مسلم ۱۹۵۷ء میں نام بھی دیا، اور اس وقت بھارت پاکستان کے مغربی حصے میں غیر مسلموں کی تعداد ۲۸ د ۲۲ لاکھ تھی اور مشرقی حصے میں ۲۰ د ۳۱ لاکھ تھی، مزید برآں دونوں حصوں میں غیر مسلموں کی تعداد ۳۵ لاکھ تھی، تیس لاکھ اسلامی حیثیت کے تھے، اور اس وقت تک اس تعداد اور اس طاقت کی بھرپور گواہی پاکستان کے مذہبی و سیاسی سیاست کا خیال پیش (باقی صفحہ ۲۵۲ پر)

ہم ان حقائق کو جانتے ہیں اور اس بنا پر ہمارے نزدیک وہ تدابیر باطل و حاصل ہیں جن سے  
 بعد سے قریب مغزوں ٹھکانہ کے مرکز پر سوچنے والے بہت سے مسلمان اسلامی نظام کے  
 قیام کی امیدیں وابستہ کیے جاتے ہیں۔ بعد سے نزدیک اس مقصد تک پہنچنے کا کوئی راستہ اس کے  
 موجود نہیں ہے کہ موجودہ ماحول میں ہندوستانی کاسپیسی نظام میں ڈھنگ پر عمل رہے اور  
 جس راہ پر وہ آگے بڑھنا نظر آ رہا ہے اس سے فی الحال ہم قطع نظر کریں اور اپنی مادی قوت اس  
 غیر مادی کام پر موقوف کریں جس کے ذریعہ سے نظام زندگی میں اسلامی مرکز کا انتظام رونما ہو سکتا  
 ہے۔ مسلمانوں کی جو حاجتیں حتمی صورت ماحول کو اپنی طرح نہیں سمجھتی ہیں وہ اپنے طرز عمل میں  
 آگاہ ہیں، جس طرح وہ کام کرنا چاہیں کریں، ہم ان کے غلام غلام خواہ کوئی معرکہ آرائی نہیں کرنا  
 چاہتے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ پہلے ناء کی نظیروں کی بدولت اس وقت فوری طور پر ایسی  
 کوئی قوت قریب نہیں کی جاسکتی جس سے وہ ماحول کی موجودہ رقبہ پر وہ کام سے کہ اس میں ٹانہ دے  
 جو اس کے مقصد کے لیے مطلوب ہے۔ اس لیے ہم اس وقت کی کاسپیسی غلام غلام میں  
 دخل دینا منقطع وقت جانتے ہیں اور اس وجہ سے ہی اس سے اجتناب کرنا ضروری جانتے ہیں کہ  
 اس وقت ہم اپنے ماحول سے ہٹے بغیر کاسپیسی جذبہ میں حصہ نہیں لے سکتے۔ نیز ہم یہ جی  
 ہستے ہیں کہ اس وقت کاسپیسی ماحول کے مقصد غلام غلام جو فرسٹے اور اس کے نتائج ملے ہیں کہ  
 غلام غلام ہی غلام غلام نظر آتے ہیں، لیکن اگر ہم اس پروگرام پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ کرنے میں ہمت

دہرہ ہاشمیہ ۱۳۷۱ھ کے ایک آٹا ہی مشکل قابضانہ ہندو مت کی اکثریت کے حقوق میں تعدد و حینیت محبت  
 نے پٹا اس وقت کیا جب جنگل، اُسام اور بنگلہ بھون مجھے ۱۹۷۱ء کے وسط میں تعمیر کر دیتے گئے،  
 اور یہ تعمیر اس وقت ہوا جب تعمیر ہند کے رقبہ پر آبادی کا جبری تبادلہ ہوا جو کسی ایک میں شامل تھا۔  
 اس طرح مشرق میں مسلم آبادی کا تناسب ۱۰ فی صدی سے ۱۰ فی صدی ہو گیا۔ اس کے بعد ہندو  
 کو اس میں بیا سب ہندو میں جیس جیس دشمنیاں چلے آتی ہیں اس سے اب کوئی جملہ واقف  
 نہیں ہے۔ (۲۰۰۱ء)

ہو گئے جو پہلے سے پہلے نظر سے اڑا تھا۔ اس کے رتار باؤ فریٹ کر رہے تھے اور ان میں سے متعدد  
 کو قتل ہو چکے تھے جس وقت کے اجتماع سے جس پہنچ گئے۔ ہزار ہوں لوگوں نے حضور سے  
 (۱) مسلمانوں کے اس غلط انداز میں سے علی ایلیٰ یہاں کے حضور کو چھٹ کر اسی درجہ  
 کی اخلاقی تربیت کے ساتھ مسلم کیا جسے اور ان کو اس کام کے لیے تیار کیا جس کے کو مسلم تربیت  
 کے بجائے خود اسلام کا ایک اصولی تحریک کی حیثیت سے سے کرنا چاہتے تھے۔

دعا اس گوند کے لیے ہے۔ عاتر میں میں باسوی شہد و فہم اور اسلام اور غیر اسلام  
 کی تیز چیل کی جیسے، ان کی اخلاقی قدردان (Moral Values) کو تبدیل کے کے حاصل نہ کی  
 تھیں ان کے دہن نشین کی باتیں، ان میں اسلامی نظام زندگی کے قیام کا ضروری مادہ (جو ہم اور  
 ہم اور ان نہیں جگہ) اشخاص شہد و فہم (اور ان کی باتیں) اور ان کی رائے عام کو اس حد تک  
 تیار کرنا جس کے کو اگر جمہوری طریقوں پر ملک میں انتظام کرنا چاہیں جو خواص اسلامی فرقہ پر کام  
 کرنے والے ہوں گے اس کے کو کوئی مدد نہ کرے۔ انہیں جو تو صرف ان کے سامنے غیر اسلامی  
 مقاصد پیش کیے گئے تھے۔ بدلتے ہوئے حاصل کر کے، اور اگر جمہوری طریقے قابل عمل نہ ہوں تو  
 وہ اسلامی انتظام پر پابندی کے لیے سر و حواری بازی لگاتے پر آمادہ ہو جائیں۔

(۳) مسلمانوں اور غیر مسلموں کی موجودہ سیاسی کشمکش سے جو تعصبات ہندوستان  
 کے غیر مسلموں میں پیدا ہو گئے ہیں ان سے بڑھ کر جو غیر مسلموں کے سامنے اسلامی نظام زندگی کو  
 احسان اخلاقی قیام کو جس پر یہ نظام زندگی قائم ہوتا ہے، بین کی جگہ سے وہ پوری حکمت  
 جانفشانی اور خاص فہمیت کے ساتھ یہی صلاحیت پیدا کیے جائیں جس میں یہ ممکن ہو کہ غیر مسلموں  
 کو بھی ایک صالح حضور اسلامی نظام زندگی کا مستند اور اس کے قیام کا طالب ہو جائے اور اسلامی  
 نظام کا قیام صرف موجودہ مسلمان قوم کی رائے عام پر منحصر نہ رہے بلکہ انہی قوموں کی رائے عام  
 کی اس کی طرف سے ہو جائے جو ان غیر مسلم ہیں اور جن کو مسلمانوں کی موجودہ قومیت پر تہ نہ جگہ نے  
 اسلام کے خلاف سخت تعصبات میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اس پر اگر ہم میں جب ہم ایک قابل کا محض ایک کامیاب ہو جائیں گے (اور ہم یقیناً ہے  
 کہ جس پر اگر ہم کام کر رہے ہیں اس سے آخر کار فائدہ مند ہو گا) تو یہاں پر وہ ہو گا، تب ہم ملک

کے معاملہ پر نظر ڈال کر دیکھیں گے کہ آیا اس وقت یہاں جمہوریت اتنی ترقی کر چکی ہے کہ دستور حکومت میں کوئی اصولی تغیر صرف اس بنیاد پر ہو سکتا ہے کہ اسے عام اُن نفسیہ کی خواہشیں مدد ہے؟ اگر یہ صورت ہم نے موجود پائی تو ہم وقت کے دستور حکومت کو تبدیل کرنے اور اسلامی اصولی اصول پر بنیاد دستور بنانے کا مطالبہ ملک کی اسے عام کے سامنے پیش کریں گے اس تغیر کے لیے اسے تیار کریں گے۔ اور وقت کے سیاسی نظام پر دوبارہ ڈالیں گے کہ وہ ایک نئی دستور ماسابلی (Constituent Assembly) منتخب کرے جو اس اور کو بھلا کر دے کہ ملک کا نقشہ دستور کیہ ہو۔ اس اسمبلی کے ایکشن میں ہم چوبیس کرکٹس کریں گے کہ اسے عام کی تائید سے ہم کو اکثریت حاصل ہو اور ہم ملک کو مسلمہ اسلامی اصولوں پر قائم کریں۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس پروگرام کو ایک بڑا ابا پروگرام سمجھتے ہیں اور یہ خیال کہتے ہیں کہ شاید اس کے پورا کرنے میں دو تین صدیاں لگ جائیں گی، اس لیے اُن کے نزدیک یہ کوئی عمل پروگرام نہیں ہے بلکہ وہ اسے خیالی چاند سمجھتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پروگرام میں مدد ویر طلب کام صرف اس ابتدائی صانع گروہ کی تنظیم و تربیت ہے جو اسلامی نقطہ نظر کی ایک وسیع تحریک کا مردوں حرکت کر سکے۔ ایسے ایک گروہ کی تنظیم کے بعد یہ تحریک اس طرح پھیلے گی جیسے خشک مٹی میں لگ چھینی ہے۔ وقت کے تقاضوں کی پیش گوئی تو نہیں کر سکتے، لیکن آماغزہ کہہ سکتا ہوں کہ اس ابتدائی مرحلے کے گزرنے کے بعد ہماری سرپرستی ضرور اتنی نڈھ ہیں کہ ہر گز متنی بہت سے لوگ کام کیے بغیر مر رہے ہیں۔ غرض کہ ہم گروہ نڈھ بھی ہو تو چونکہ مغربی مین وی ہے اس لیے ہم اس کی تسکون دے دیتے جو سہ مر جاتا رہا وہ بہتر سمجھتے ہیں یہ نسبت اس کے کہ ہستے بوجھتے غلط کر سکیں۔ راہوں میں اپنی قوت صرف کریں یا مارا دانی کے ساتھ جنٹ الحقد کے حصول میں اپنی قوت ضائع کریں۔

(۳) قسری غلطی جس میں صاحب معنوں کے ساتھ بہت سے سادہ لوح مسلمان مبتلو ہیں، یہ ہے کہ مسلم لیگ کی پیدا کردہ مروجہ فضا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ عام مسلمانوں کے دلوں سے صانع مومنین کا یہ گروہ ختم ہو کر آسکتا ہے جو وقت کی سیاسی مائت کو

اسلامی منصب اہلسنی کی طرف پھرنے کے قابل ہو۔ یہی بنا پر یہ حضرت کہتے ہیں کیسا نادر و نایاب ہے۔ ہاں یہ امر اس کے کوشش دیتے ہو۔ اور اے ایمان کی ہمت تو دوسری ہے کہ اس میں تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب کوئی تحریک غرضاً غل اور ہنگامہ کے ساتھ طوفانی رفتار سے چل رہی ہو تو عام جہت میں اندھے ایمان لافٹ حملان پیدا ہو ہی جایا کرتا ہے لیکن جب ہم تحقیق کی نگاہ ڈالی کر اس خدا کا جائزہ لیتے ہیں جو مسلم لیگ نے پیدا کیا ہے تو ہمیں کسی ملحد توہم کن و غیر نادر موقع کا بھی نشان نہیں ملتا۔

مسلم لیگ کی تحریک کے تسلسل پہلی ہفت قرینہ بھیجیے کہ اس کے بنیادی تصورات، اس کا نظام ترکیبی، اس کا منہج اور اس کی اپرٹس، اس کا طریق کار اور اس کے متعدد شعبہ کھمدہ ہی ہیں جو قوی اور قوم پرست انداز تحریکوں کے بنوا کرتے ہیں۔ یہ انداز ہفت ہے کہ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک ہے اور مسلمان کی ہر چیز اسلامی بنی یا کرتی ہے۔ اس لیے خواہ وہ اسے بھی اسلامی تحریک سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری ہی چیز ہوتی ہے جس کا کوئی شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں پایا جاتا۔ مدد یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اسلام اپنے مخصوص طریق کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اس تک آپ ایک قوم پرستانہ تحریک کے ذریعہ اختیار کر کے پہنچ جائیں۔ ہر منزل اپنی نظرت کے لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔ آپ اسلام کی منزل مقصود کو سمجھا چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مخصوص راہ کو بھجنا پڑے گا۔ انجیل کے پائے سے۔ قوم پرستی کے طریقے اختیار کر کے آپ قومیت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں مگر یہ توقع نہ کہ تہذیب پر گندہ خیال ہے کہ ان دشمنوں سے آپ اسلامی منزل مقصود پر جا نہیں سکتے۔ اس نکتہ کی توضیح کا یہاں موقع نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے تفصیل سے بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو پھر اس کی تشریح کر سکتا ہوں۔ یہاں میں اشارت صرف اتنی ہفت و مخ کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ غور کرنا کہ تمہارے یہ سیکے قوم پرستانہ تحریک نے کسے اپنے مواقع پیدا کر دیئے ہیں کسی بصیرت و مدد و فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔



اس کی شکل تو بالکل جیسی ہے جیسے کسی مدرج کلکٹر کو بجھری جائے گا کہ وہی میل تیار کر رہا ہے۔  
 میں کی برکٹسٹری کسی صلیب ٹرکچر پر بھی سکتی تھی قریشیائیں مسیح میں برتی جب کہ  
 مسلمانوں کی اس قوم پرستانہ تحریک میں کم از کم ثانوی حیثیت دہی سے مذہبییت کا پتہ نہ اثر  
 موجود ہوتا۔ لیکن انیسویں صدی کے پہلے اس کا بھی تقدیر ہی ہے۔ بلکہ یہ گناہ زیادہ بھی ہے کہ ایک  
 فی الواقع مسلمانوں کو، اسلام اور اس کی تہذیب اور اس کے احکام کی اہمیت سے روز بروز  
 دور تر رہے جا رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کے  
 لیے اس میں اسلام کا نام بہت پایا جاتا ہے، اور یہی ناشکی باتیں بھی کچھ کر دی جاتی ہیں جن  
 سے اگر بریک کے گہرے جذبات بھی کا ثبوت، جہر پہنچ جاتے، لیکن یہ پیرہی صرف سطح میں  
 لوگوں کو دھوکے میں ڈال سکتی ہیں۔ حقیقت جو کچھ ہے وہ ہر صاحب نظر کے سامنے بالکل  
 ہے منتخب ہے۔ ایک کی تعداد، اس کی پالیسی کی تشکیلات، اس کے پسے نظام کی کدفرائی،  
 اور اس کی مدنی قومیت، نیز اس وقت مسلمان قوم کے ایک ایسے طبقے کے ہاتھ میں ہے جو زندگی  
 کے جملہ مسائل میں دینی کے بجائے دنیوی (Secular) نقطہ نظر سے سرچھ اور کام کر رہا ہے  
 ہے، اسلام کے بجائے مغربی، مادی، عیافت، کامنڈ اور مقلد ہے، دینی عقائد کے بجائے حریت  
 کے عقائد کی بنیاد مسلمانوں کی حمایت و حمایت اس طرح کر رہا ہے جس طرح ہر قوم پرست کیا کرتا  
 ہے، اور مصداق ہی نہیں ہے کہ یہ گرد و غبار کو غائب اسلام کے اصول و احکام کی حدود و ہدی  
 کرنے میں مباح ہے بلکہ اس کی رہنمائی و سربراہی کی وجہ سے مسلمانوں میں باہم اسلام  
 کے احکام کی خلاف ورزی، اور اس خلاف ورزی میں پیکار و مذہب و مذہبی جہاد ہی ہے جس  
 کی دینی جس مردہ ہو رہی ہے اور ان پر وہ ذہنیت بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے جو  
 اپنی اصل کے خلاف سے تلخا ایک دنیا پرستانہ ذہنیت ہے مگر مسلم قوم کے مقلد اور  
 "مقلد کی زندگی کے بتا" کا نام سے لے کر اس پر اسلامیت کا جو رائج چڑھایا جا رہا ہے  
 کوئی شک نہیں کہ اس صورت حال کے پیدا کرنے کی ذمہ داری میں ان مذہبی رہنماؤں کی گہرائی  
 بھی برابر کی شریک ہے جن کے ہاتھ میں تحریک خلافت کے نائنٹھ مسلمانوں کی قیادت کی  
 بائیں تھیں اور انہوں نے مسلمانوں کے عام احساسات کے علی الرغم ہندوستانی قوم پرستی کے

ہر ہر خط مسلک پر ہمارے کے سہاؤں کو رہنمائی دے گا۔ بہت سے بھانوں کی گود میں دیکھیں یہ ایک  
 اسباب بنو گئے ہوں وہ امر بھانے خود تھیں کہ اسلم بیگ کی پیدائی برائی مروجہ تصانیف  
 کے لیے کوئی موافقہ نہیں ہے بلکہ تھانوں ناموافق اور سازگار نہیں ہے جس میں خاص دینی نقطہ نظر  
 سے کام کرنے کے موقع کم اور کم تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہیں تھانوں کو بیگ کے حق میں ایسے  
 لوگوں کا بھی ایک ہیئت بڑا گروہ شامل ہے جو اسلام کے ساتھ مسلمان ہیں اور بچے دل سے اسلام  
 کی بہتری چاہتے ہیں۔ مگر جبکہ ان کی سادہ لوحی و بڑا ترس آتا ہے۔ یہ جو سب سے سادہ دینی کارکن  
 کہ ہے ہیں جس کا ارتکاب ان کے پیچھے سے ایک سیف مسلمانوں نے اپنی جنگ عظیم کے بعد  
 کیا تھا اور اس کا بڑا انجام دیکھ لیا۔ انہوں نے بھی اسی طرح قوی نقطہ کی خاطر (اور مسلمان قوم کا نقطہ  
 تو ایک مقدس ہے۔ یہی کام ہی جاتا ہے) تسلط لیں اور اس کی قوم پرست پالی کو تمام لادرونی  
 تھی۔ وہ بھی اسی طرح یہی تدبیریں کر کے دینی کی طرف اس کی ہر پیش قدمی کو گوارا کرتے ہیں۔  
 اور بعضی وہ بھی اپنا دین یہ سچ سچ کہہ کر بیٹا کر رہنے سے کہ اس وقت تو قوم کا نقطہ مقدم ہے اور  
 اس کے لیے ہر ایسے دین کی تابعدار اس میں بغیر کے فائدہ رکھتا ہے۔ جب یہ وقت گزر  
 جائے گا تو نشانہ اشد ہمارا کا وہ ان جادو اسلام کی طرف چھوڑ جائے گا۔ مگر وہ لوگوں اپنے آپ  
 کو یہ دینی قیادت کے نام میں خود کو بھٹکا تھا اسے چھوڑ کر راہ پر جادو پتائی کی توفیق  
 نصیب نہ ہوئی۔

اب خدا دینی پہلے سے قطع نظر کر کے جس قومیت کے نقطہ نظر سے اس صدام  
 جادو دیکھے جو مسلم بیگ نے اس وقت پیدا کی ہے۔ اس کا یہ پہلو خواہ کسا ہی شکار ہو کہ مسلمانوں  
 میں ایک عام قوی مرکز پیدا ہو گئی ہے۔ امداد ایک مرکزی نقطہ سے ظاہر و بستہ ہو  
 گئے ہیں۔ لیکن ہاتھ یہ ہے کہ بیگ کی یہ تحریک مسلمانوں کی خاطر داری پر مبنی ہے جو ہندو  
 قوم پرستی کے برعکس جس نے سب کے سب سے مسلمانوں میں حشر کا اٹھا ہے۔ اس پہلو  
 کے نیچے کوئی مہربانی ختم نہیں ہے۔ کوئی واضح مشق نہیں ہے، کوئی تعمیری کام نہیں ہے

---

۱۔ کہہ سکتے ہیں کہ ایک واضح خصلت ہے۔ لیکن کسی شخص کے لیے جس ایک نام (بال صومہ چر)

جو صوبہ متصدد کے لیے خاص طور پر رکھے، کوئی ایسی کارکن حالت نہیں ہے جو قابل استناد  
میرت اس ایک منظم فکر رکھتی ہو اور کوئی ایسی قیادت نہیں ہے جو ایک عمومی تحریک کو پھیلانے  
کی ہل ہو۔ فی الواقع مسلمانوں میں جو حرکت پیدا ہوئی ہے وہ ایک ایسا ہی قیادت سے  
میں جو کہ کسی نقشہ کے مطابق پیدا نہیں کی بلکہ مسلمانوں کی قومی صلاحیت اور ان کے اندرون  
کی شک و دسیاست سے مسلمانوں میں خود بخود ایک ایسی غلط اور بھلائی اضطراب جو کہ  
اشادہ اس حالت میں جب مسلمانوں نے دیکھا کہ وہ مذہبی اور سیاسی پیش قدمی کی طرف وہ  
تحریک غلط کے ناز سے رہنا کہتے ہیں۔ ان کے کسی کام نہیں آ رہا ہے جس نے بھی  
تنگ نظر کسی کی طرف دیکھا کہ قدر بڑھایا اس کا اس نے قبول کیا۔ اب یہ پر قسمتی کی بات  
ہے کہ اس پہچان کی حالت میں جو رہنمائی کو میسر آئی وہ بجز کانفرنسوں اور اسمبلیوں کی مثال  
لانے کے اور کسی طریقہ جنگ اور طریقہ بندی سے واقف نہیں ہے۔ اور یہ کہ کسی تیار ہی  
اور کسی نقشہ کے بغیر کیڑا گیا تھا اس لیے اس کا کوئی فائدہ اس کے سوا نہ ہوا کہ مسلمانوں کے قومی  
ایرکٹز کی کمر بندی دنیا بھر ہے نقاب ہو گئی اور اس کی جڑیں سے زیادہ نکلتی۔ سب سے زیادہ  
افسوس ناک معاملہ میں نے ایک کی موجود رہنمائی کا نجاتی قابل ہونا دیکھا کہ یہ ہے، اشتراکیت  
کا مدد ہے۔ اس گروہ کے مشن، بہت بڑا ہے کہ اس کی وفاداریں اور ہمدردیاں اور اس  
کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کی رہنمائی کی راہیں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہیں۔ کوئی قوم جو اپنے  
گھر میں آنا ہو نایا رہنا چاہتی ہو، اپنے درمیان ایسے ایک گروہ کو پسے ہوئے لاؤتھ نہیں  
دے سکتی جو کسی برائی خاصہ کے اشاروں پر کام کرنا ہو۔ اسی وجہ سے لاکھوں نے اس گروہ کو

دیرینہ عرصہ سے جیتا ہوا تاج سی ہیں رکھا کہ وہ متصدد ایک منظم منصوبہ ہے۔ جس پر پاکستان  
کے نام سے سوچا گیا ہے وہ نفس مبہم ہے اور اس کی اصل تعبیر غائبانہ ایک جمہوری لادینی  
انٹیمٹ کے سا کچھ نہ ہوگی۔ مگر اس کو محض اس لیے خاصہ خاصہ بیان نہیں کیا جاتا کہ اس طرح  
مسلمانوں کو اس کی قیام کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے اس سے ایسے نہ ہو جائیں۔

(تخلیم)

اپنے افسوس سے نکل باہر کیا اللہ جندوں میں اس کے اثرات پھیلنے کا اعجازہ تقریباً بند کر دیا۔  
 لیکن ایک جی نے ہفتہ قابلِ اتحاد لاکھ کی بنائے کی کئی کوشش نہیں کی۔ وہ اس وقت انھوں  
 کی طرح ہرگز نہیں رہا۔ اگر وہ اس کے ساتھ رہے ہوتا تو اس کی پالیسی کو پھیلنے کے لئے کہے  
 اپنے آپ کو پیش کر دے، اس کے لئے کہیں کہیں تھکتے اپنے خدشے آئی، آئی اس کو کہیں ہیں  
 شرمناک کہ اپنے پاکستان میں ایک ایسی طاقت کے بھنوں کو قدم ہونے کا موقع دے  
 رہی ہے جو ایساں پر ایساں طریقہ قریب قریب مضبوط کر چکی ہے۔ اس کے بعد پاکستان  
 کے بیان صرف ان مسائل کی ردی سی دیو مال ہے۔ صحیح ہے کہ اس کو نظر بدلت کو بہ لگے  
 سنے آٹھ علاقہ میں نظر نہیں آتے کہ یہ کیوں سنسور ہوتا ہے۔ میں بڑے مسئلہ قوم پرست بنے  
 ہوتے ہیں، ایران اور ترکی پر اس کی دست داریوں کے خلاف ایک صورت نہیں کہتے بلکہ شادی  
 کو جس بجانب اسدیران و ترکی کو قابلِ انعام غیر مست ہے۔ کیا اس سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ اگر  
 بھی اس پاکستان میں داخل نہ کی شہادت کہ ان کو حق کیا ہوگا؟

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اسامہ اس کے متعلق سے تھوڑی دیر کے بعد تین منٹ کے بعد کہ  
 اس کے لئے تو ایک کی ترکیب مسطور کو کو سول فڈ کیے جا رہی ہے، لیکن اس کی نفاذ کی  
 اگر ماحول کے جانے تو جیسے نہ نفاذ نہیں نظر نہیں آتی جس کے متعلق خبر دی جا رہی ہے کہ وہ بڑی ہی  
 کنی مانگا رخصتا ہے۔ یہ مختلف صورتیں کاغذیں کے تالیف میں متحدہ متن پر لکھنے میں، لیکن یہ  
 بعض ناموں کے کہل یہ سب کی کہ کوئی ایک تعمیری حکم ماحولیں اس کے خلیک خلیک چلے  
 جائیں۔

(ترجمان القرآن - فروری ۱۹۷۶ء)

میں اس مسئلہ میں یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک ماسٹر اس کی کوششوں کے بغیر کسی طرح داخل  
 نہیں ہے۔ یہ مگر مسلم ایک ماسٹر ہائی گئی ہے اس میں داخل ہونے کے بعد اسامہ پر  
 اختلاف اس کی پر ہی نہیں ہے بلکہ وہ شخص جس کا ہم سبوں کا ہوا اس میں داخل ہو سکتا ہے اور  
 خداوند آخرت اس وقت کا مسٹر کیوں نہ ہو۔ (قدیم)

# تقسیم سے قبل

## ہندوستان کے مسلمانوں کو آخری مشورہ

(یہ وہ تفسیر ہے جو ۱۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو جامعہ اسلامی کے  
اجلاس منعقدہ اس میں کی گئی تھی۔)

مقبولہ دستور: اس وقت ہم ہندوستان کی تاریخ کے ایک بہت نازک اور بے حد  
مرحلے سے گزر رہے ہیں اور یہ مرحلہ جس طرح ہندوستان کے باشندوں کی قسمت کے لیے  
فیصلہ کن ہے اسی طرح ہماری اس تحریک کے لیے بھی فیصلہ کن ہے۔ اس لیے یہ نہایت غرضی  
ہے کہ اس موقع پر ہم یہی تحریکوں کی صورت میں اس حصہ کو جس کے لیے ہم کام کرنا چاہتے  
ہیں، اور انکی حالت کو جس میں ہمیں کام کرنا ہے، اور اس گزشتہ کچھ دنوں کی طرف یہ حالت جلتی ہے  
میں اور جس میں ہے ہمیں ایسا راستہ نکالنا ہوگا، اچھی طرح سمجھیں، اور ہمارا ہر کارکن یہی چیز  
کے ساتھ چلنے سے کہہ رہا ہے اور آئندہ حالات میں اسے کس حکمت عملی پر کاربند ہونا ہے۔  
ہماری اس تحریک کا مقصد، جیسا کہ آپ سمجھتے ہیں، صحت اور واضح الفاظ میں  
یہ ہے کہ ہم اسی صحیح طریق زندگی کو جس کا نام اسلام ہے، انفرادی اور اجتماعی طور پر نافذ کریں  
اپنے قول و عمل سے اس کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ کریں، دنیا کو اس بات پر مطمئن کرنے کی  
کوشش کریں کہ اسی طریق زندگی میں اس کے لیے صحت اور سعادت ہے، اور جو وہ باطل  
نظاموں کی جگہ وہ نظام حق بہا کرے گی جلد کرید و سرسبز اس طریق زندگی پر مبنی ہو۔ اس

مصدق کے لیے اگرچہ ہیں کام تو ساری دنیا اہم کام فوج اسٹنل میں کرنا ہے۔ لیکن فطرت ہمارے کام کی جگہ وہی کسند میں ہے جہاں ہم پیدا ہوئے ہیں۔ جہاں کی ذہنی پوری زبان ہے۔ جہاں کے رسم و رواج سے ہم واقف ہیں۔ جہاں کے نفسیات سے ہم آشنا ہیں اور جہاں کی معاشرتی جہاز پیدا ہوئی رشتہ ہے۔ خود پیروں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنے دھندوں کی پائے عمل اور مقام و حرمت تو دیا تھا، جہاں تک ان کا انجام مدی دنیا کے لیے تھا۔ کسی پتھر کے لیے ہاتھ نہ تھا کہ اپنے اس انہری عقد کار کو چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے جب تک کہ اس کے اہل وطن اسے نکل دیں بلکہ خود حرمت و معین میں اتھار کر کشش فرم کر نہ لے کر مدی سے دایوس نہ ہو جائے۔ لہذا ہماری اس جماعت کا نظری دائرہ عمل اگر یہی منزل میں ہے جسے خود نے ہماری سکونہ کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ — پوری جماعت کو دائرہ عمل پر تھک، ہر جتن کے درکنار کھاتے ان کا اپنا علاقہ۔ اور ہر شہر مجھے یا قوموں کے درکنار کو اثر و ان کا اپنا عملی — ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنے مستقل کے ساتھ اپنی جگہ پر کر حرمت صبر اور کاشت میں نہیں ہے۔ جسے ادا ہے تمام سے ہرگز نہ ہٹے جب تک کہ اس کو ہاں نہ ہوتا تعلق غیر ملکی نہ ہو جائے، یا ہر وہاں حرمت حق کے بار آور ہونے کی کوئی امید باقی نہ ہے۔ اسے دے دے صحت میں آپ بیت کچھ جبروت و مہاجرت کی گواہی سنیں گے اللہ بید نہیں کہ ہم نہ کو دیکھ کر یا خیالی اندیشوں سے ہم کو آپ میں سے بہتوں کے پاؤں اکھڑنے لگیں۔ لیکن آپ میں میں کے عمل ہیں اس کا مطالبہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص جہاں ہے وہیں ڈٹ جائے اور اپنی حرمت کو اپنے ہی علاقے کی زندگی پر غالب کرنے کی کوشش کرے۔ آپ کا عمل جہاز کے اُس میدان کپتان کا سا ہونا چاہیے جو خود وقت تک اپنے جہاز کو کھانے کی کوشش کرتا رہتا ہے اور بعد جتن ہوتے جہاز کو چھوڑنے والوں میں سب سے آخری شخص رہی جوتا ہے۔ آپ میں متحد پر ایمان دہنے میں اس کا تقاضا ہے کہ جس علاقے میں آپ رہتے ہیں وہیں کے نظام زندگی کو دہنے اور اپنی حرمت پر دہنے کی کوشش کریں۔ اس علاقے پر آپ کا اللہ آپ پر اس علاقے کا حق ہے اور اس کا حق ادا ہو سکتا ہے کہ اس کی اجتماعی زندگی میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان سے خود کر نہیں آپ اپنا ہمارا اندر حرمت کریں، وہ جس جاہل سے آپ سرفراز کیے گئے ہیں اس کا فائدہ سب سے پہلے

اُسے پہناتیں۔

ہندوستانی میں اس وقت جو مصالک، مذاہب اور بظاہر ہندی دھرم کے خلاف سے  
نہایت عیسائی میں ملے ہیں دیکھیں ہوں کہ آپ صوبہ گوں پر ان ہندوؤں کی شکل اور پڑا ہے۔  
کسی کی مختلف قومیں تو یہ خود غرضی میں بڑی طرح متلا ہیں اور ہم پرستی کا خون نہ دیتے بڑھتے  
اس میں تکرار پہنچ گیا ہے کہ ان سے وہ عداوت، مرزہ پرستی ہیں جنہیں اگر جہنم سے بھی خوب  
کیا جائے تو وہ بھی تو ہیں۔ ہمیں تو یہی کشمکش نے جنگ کی اور جنگ سے وحشت اور مذہبی کشمکش  
اختیار کر لیا ہے۔ پہلے تو باہر ہیں کہ قریبی قوم ایک دوسرے سے بڑھ کر کہنے والے  
اور جواب دہ سے پیش کر رہی تھی اور اس طرح کوئی کا جہنم پہل رہا تھا، اگر بڑے بڑے یا گئی ہے  
کر مختلف قومیں ایک دوسرے کا نام دشمن کہہ کر ٹانہ پھینکے رہے ہیں۔ انہوں نے پہلی پہلی  
کا کام اچھے ایسے جہنم اور انہوں نے سوں کے سپرد کر دیا ہے جو انہیں ہر روز خود غرضانہ  
قوم پرستی کی شراب، نفرت و عداوت کا دھڑک رہے ہیں اور ان کی صحت بڑھ رہی ہوئی  
قومی خواہشات کی وکالت میں انصاف اور انصاف کی ساری حدود کو پیڑتے چلے جاتے  
ہیں۔ اخلاقی تعزیرات کے لیے ان کے دوزخ میں مبتلا کر دینے کوئی گناہ نہیں رہی ہے۔  
تمام اخلاقی سیدرات تو سیت کے تابع ہو گئے ہیں۔ جو کہ قومی مفاد اور قومی خواہشات کی مطابقت  
ہے وہی سب سے بڑا اخلاق ہے، غور وہ جو بھوت ہو، خیانت ہو، ظلم ہو، سنگدل اور  
بے رحمی ہو، یا اور کوئی ایسی چیز جو دنیا کے مروت اخلاقیات میں ہمیشہ سے بدی ہوئی جاتی  
رہی ہے۔ بغاوت، اس کے چٹائی، انصاف، دیانت، دھرم، خیریت، انسانیت سب گنہ  
قرار پانچے ہیں اگر وہ قومی مفاد کے خلاف پڑتے ہوں یا قومی خواہشات کے حصول میں مانع  
ہوں۔

ان باتوں میں کسی ایسی دھرت کے لیے کام کرنا مختلف شکل ہے جو تو ستر کی نظر نہ  
کے انسانیت کو خطاب کرتی ہو، جو قومی خواہشات کو چھوڑ کر انصاف اور انصاف کی طرف  
جاتی ہو، اور قومی غرضوں کو توڑ کر الگ کرنا انصاف قائم کرنا چاہتی ہو۔ جو تو سیت  
کے اس دور میں ایسی دھرت کی آواز نہ سننے کے لیے دہندہ تیار ہیں نہ سماں۔ مسلمان کہتے

ہیں کہ تم ہماری قوم کے افراد ہو۔ تمہارا فرض تھا کہ قوم کے جھنڈے سے تلے کھڑے ہو کر قومی شہائی لڑتے رہ تم نے ایک جھنڈا نہ کروایا، اخلاق اور اصول حق کی رٹ کی لگان شروع کر دی؟ تمہاری اس صوفیہ بے ہنگام سے قوم کی حالت منتشر ہوتی ہے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچا ہے۔ بلند ہم تمہیں قوم کا دشمن سمجھتے ہیں خواہ تمہاری دعوت اسی اسلام کی طرف ہو جس کا نام لے کر ہم یہ قومی شہائی لڑ رہے ہیں۔ دوسری طرف ہندوؤں کے پاس جیسے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ بنوگن کی بات دل کو تو فزود لگتی ہے، مگر اس چھاپہ کو دیکھنا شک کر پیتا چاہیئے، کیونکہ یہ جس قوم کی قوم کے افراد میں سے ہماری شہائی ہے، کیا خبر کہ یہ اصول دعوت بھی مسلمان قومیت ہی کو فروغ دینے کے لیے ایک دوسری تہہ ہے۔

لیکن یہ حالات وہ کہتے ہی صوفیوں اور مہرؤں اور ہر حال مستحق نہیں ہیں کہ مغربیوں کو دل جانے دے۔ اس وقت آپ کے لیے یہ گھر تو قومی ہے جس کے ممبر اور ملحقہ اخلاق سے اپنا کام لے جائیں، اچھے دلوں کے ساتھ نہ آئیں، نادانوں کو ملنے کی بھرتی ہو کر فزود نہ کریں، اچھے لوگوں میں دوست اور دشمن تک کی تمیز باقی نہیں رہی ہے اور جو لوگ جوڑی جوں میں اب خود اپنے بھلا اور بُرے تک کا بوش نہیں رکھتے وہ اگر جہالت اور جاہلیت پر اثر آئیں تو آپ شریعت دہریوں کی طرح ان کے مقابلے سے ہٹ جائیں اور ان کی تہذیب کو خاموشی سے چھوڑیں۔ اس کے ساتھ آپ کو چاہیئے کہ زیادہ سے زیادہ مستقل طریقہ سے اپنی دعوت مسلم اور غیر مسلم سماجی کے اُن سب لوگوں تک پہنچیں جو مستقل بات کو سمجھنے اور اس پر کھلے دل سے غور کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس طریقہ پر اگر آپ نے عمل کیا تو ایک طرف آپ کی اخلاقی برتری کا سب سے بڑا ثبوت دے گا اور دوسری طرف وہ دہری فضا ایک صلیب نیک ہو جائے گی جو نئے نئے حالات میں نئے کام کے لیے ضروری ہے۔

جس تغیر کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ مغربیوں کو تقسیم ہونے لگا۔ ہندوؤں کو ان کی اکثریت کے ساتھ اور مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے ساتھ ایک جگہ بل جائیں گے۔ دونوں اپنے اپنے عقائد میں اپنی طرح خود مختار ہوں گے اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے اسٹیٹ کا نظام بنائیں گے۔ یہ بڑا تغیر کسی نقشے کو بالکل بدل دے گا جس پر اس وقت تک



حالت چلتے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں اور دوسری قوموں کے مابین اور  
 قوم کی نوعیتیں باطل بدل جاتی ہیں۔ ان کو باطل ایک دوسری ہی صورت حال سے متاثر پیش  
 آئے گا۔ جس وقت تک ہم اس وقت تک نہیں رہے کہ قومی مدیہ اور اپنی تحریکات اور جماعتی  
 نقطہ میں کوتاہی کر رہے ہیں وہ بڑی حد تک بے معنی اور ناکارہ ہو رہے ہیں۔ بہت سے ہندو  
 میں ان سب کو سرخ پڑے گا کہ جو کچھ اس وقت تک وہ کرتے رہے ہیں اس سے انہیں کہیں فائدہ  
 کیلئے اسباب اس نئے دور زندگی میں ان کے لیے راہ عمل کیلئے اس کے سوا اور کچھ  
 رہنے کے لیے اس وقت نہیں رہا ہے۔ ان کے خیالات اور تصورات کے لیے اس وقت  
 کوئی جگہ نہ رہی۔ تیج کے دورے اس وقت کھڑے کئے جوں گے جنہیں کوئی منفعت کو بھی نہ  
 پہنچے گا۔ جس خیالوں پر ان کی قومی تفسیریں اور جماعتیں قائم ہیں وہ خود بخود ڈھ جائیں گی۔ اس  
 لیے صرف یہ ہیں کہ ان کی ہیڈ ریاں اپنی میں سمت مڑ جائیں گی بلکہ بید نہیں کہ جو لوگ آج  
 انہیں لپکا ہوا ہندو ہندو بھروسے ہیں ان کی اس کو اپنے مناسب نظام کا اصل سہا بنے  
 لگیں۔

ان کے اس اند میں ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کے حالات باطل ایک  
 دوسرے سے مختلف ہوں گے، اور چونکہ ہمیں دونوں صورتوں میں کام کرنا ہو گا اس لیے ہمیں  
 بھی اپنی تحریک کو دو مختلف طریقوں پر چونا پڑے گا۔ بلکہ بعید ہیں کہ نظام جماعت کو ہی وہ  
 صورت میں بانٹ دینا پڑے تاکہ ہر حصہ اپنے اپنے علاقے کے حالات کے مطابق مناسب  
 پالیسی پر عمل کر سکے اور اس کے لیے ضروری انتظامات خود کر سکے۔ جہاں تک مسلم علاقے  
 کا تعلق ہے اس پر تو میں یہیں کوئی بحث نہ کروں گا، کیونکہ اس کے لیے موزوں تمام مثال  
 مغربی ملت کا جتنا ہے جو مغربی ہے اس کے واسطے۔ آپ کے سامنے مجھے صرف ہندو  
 ہندوستان کے مستقبل پر گفتگو کرنی ہے کہ یہاں مسلمان اور ہندوؤں کو آئندہ کی حالت  
 سے رابطہ پیش کرنے واسطے اور ان حالات میں آپ کو کس طرح کام کرنا ہو گا۔

سب سے پہلے مسلمانوں کے معاملہ کو دیکھیے۔ ہندو اکثریت کے علاقے میں مسلمان مغربی  
 ہمسوس کر رہے ہیں کہ جس مسلم قوم پرستی پر انہوں نے اپنے اجتماعی رویہ کی بنیاد رکھی تھی وہ

انہیں بیابانِ مرگ میں مار چھوڑ گئی ہے اور ان کی قومی جنگ، جسے وہ بڑے جوش و خروش سے بغیر سوچے بچے لڑ رہے تھے، ایک ایسے نتیجہ پر ختم ہوئی ہے جو ان کے لیے تباہی کے سوا اپنے اندر کچھ نہیں رکھتا۔ جن جمہوری اصولوں پر ایک طاقت سے ہندوستان کا سیاسی ارتقا ہوا تھا اور جنہیں وہ مسلمانوں سے بھی قوی حیثیت سے تسلیم کر کے اپنے مطالبات کی نفرت و تنہا کی تھی، انہیں دیکھ کر بیک نظر منسوم کیا جاسکتا تھا کہ ان اصولوں پر رہنے پر تے نکلے۔ م حکومت میں جو کچھ غلبہ اکثریت کو غلبہ، اقلیت کو اگر قابو بھی ہے تو غیر است کے طور پر دست نگر ہونے کی حیثیت ہے، ان کو حق کے طور پر جو رعیت اور تہ مقابل اور شریک کی حیثیت تھی۔ یہ ایک ظاہر و باہر حقیقت تھی، مگر مسلمانوں نے اس کی طرف سے ہاتھ جوڑتے انھیں بند کر دی اور اس مدد پر ہی طاقت کا ارتکاب کیا کہ ایک طرف تو نظام حکومت کے لیے مغرب کے انہی جمہوری اصولوں پر مبنی ہو گئے اور دوسری طرف خود ہی طرف سے تسلیم کر لیا کہ یہ اصول پیش کیا کہ جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور ہم حکومت کریں اور جہاں ہم اکثریت میں ہیں وہاں ہم حاکم اور ہم حکومت کریں۔ کئی سال کی تاریخ اور غور پر نگاہ کش کر کے بعد اس پر حاکم طاقت کا یہابی کے مرتعے میں پہنچ گئی ہے، اور جس چیز کے لیے اقلیت کے حقوق سے تعلق رکھنے والے مسلمان خود لڑ رہے تھے وہ حاصل ہوا جاتی ہے، یعنی اکثریت کی آزاد و خود مختار حکومت جس میں وہ بحیثیت ایک قوم کے طور میں گے اور حکومت بھی اُن کی اکثریت کے جس سے وہ ابھی تک قومی جنگ لڑتے رہے تھے۔

جو اقلیت اب مسلم اقلیت کے حقوق میں ہیں وہ ہے وہ ہندوؤں کا قومی اقلیت برہمن۔ تو یہی وہ جمہوریت کے ہی نظریہ کو مسلمان اور ہندو یکساں تسلیم کر کے اپنی قومی تحریکوں کی اساس بنا چکے ہیں ان کی فہم پر کوئی قومی اقلیت اپنے اندر کسی دوسری ایسی قوم کے وجود کو گوارا نہیں کرتا اور طوائفِ اقلیت سے الگ اپنی مستقل قومیت کی مدد پر اور پھر اس قومیت کے حوصلے کے ساتھ اپنے ضروری قومی مطالبات بھی رکھتی ہے۔ یہ جیسے نہ موقع کسی وقت تک چل سکتی تھی تب تک کہ میں مختار اور ایک بیرونِ قوم کا تھا اور ہندو وہ مسلمان دونوں اس کے طور پر تھے۔ صرف اُنی وقت ہ ممکن تھا کہ اقلیت بھی اکثریت کی طرح



طبقہ اور کلاس ہے۔ یہ گروہ مسلمانوں کو دھوکہ دیا کہ پہلی صفحہ کو روضہ فسطح قبول کریں یہیں اپنی قومی خودیست کے دعوے اور خصوصی حقوق کے مطالبے سے دست بردار ہو کر سیدھی عربی اشیاء کی قریبت میں نہ گم ہو جائیں۔ اس گروہ کی بدعت اب تک تو نہیں چلی ہے مگر بے اختیار ہے کہ اُسے بہت کم چلتے گئے گی، کیونکہ آئندہ بھی لوگ سرکار سے ہنس گئے، انہی کی مدد سے نوکریں اور ٹیکے اور تنعم ہوں گے گرانٹ وغیرہ مل کر رہ گئے اور یہی حکمران قوم اور عظیم قوم کے درمیان واسطہ روئید نہیں گئے۔ ان کی کوششیں مسلمانوں کی ایک مختصر مدت اور اس حد تک مگر ایسے میں کامیاب ہو جائیں گی کہ خود ہندوستان اور ان کی بیویوں اور بیٹیوں شریعتیں بنیں اور ہاس، زبان، معاشرت، خیالات، ہر چیز میں حکمران قوم سے اس طرح ہر رنگ ہو جائیں۔ تاکہ کسی ٹکڑے بعد ازاں میں دیگر قوم دیگر قوم کی ایک بڑی تعداد اس سے پیچھے مشرق میں بن چکی ہے اور اس کے لیے اب یہ تائید یا ملکی کیوں ہونے لگا؟ خصوصاً جب کہ آئندہ مدلی اور غرض حال اور ترقی کا افسار ابھی پر ہوگا۔ لیکن مجھے امید نہیں کہ مسلمان اس حیثیت ان قوم اس طرح سر ڈال دینے پر ماضی ہو جائیں گے۔ قومی حیثیت سے ان کی کوشش یہی ہوگی کہ اس جذبہ راہنما اب کی مزاحمت کریں۔

مزاحمت کے لیے وہ ابتداء اُس گروہ کی طرف رجوع کریں گے جو اس وقت سیاسی میدان میں ان کی پہچانی کر رہا ہے۔ مگر تبصرہ بہت جلدی مسلمانوں کو بتائے گا کہ اب اس گروہ کی سیاست پر چل کر وہ بہت سے تباہی کے گڑھے کی طرف ہائیں گے۔ اکثریت کے قومی جمہوری اشیاء میں نہ کہ اگر اجماع قومی جنگ لڑے گی تو ہر طرف سے پیسی اور ٹیکے جیسے گی، زندگی کے ہر شعبے سے حال جاسے گی، ہر قسم کے حقوق سے محروم کی جاسے گی، اچھوتوں سے بھی بدتر حالت میں گرا دی جاسے گی اور پھر بھی اگر اس کی آواز اُٹھتی رہی تو اسے اس طرح مست یا جاسے گا کہ اس پر نہ ذہن، دوستی نہ آسکے۔

کہا جاتا ہے کہ اقصیت کے مسلمانوں کو اس انجام سے بچانے کے لیے دیئے ہیں، ایک یہ کہ پاکستان کی سیاست ہندوستان کی سیاست سے جدا کرے گی، ایسی وہ کہے گی کہ پاکستان کی ہندو اجماع سے ہم وہی سلوک کریں مگر جو ہم ہندوستان کی

مسلمین اقلیت سے کہہ گئے اس میں طرح مسلمانوں کو یہی آئینی تحفظات مل جائیں گے جو ہندو  
 پاکستان میں ہندوؤں کے لیے چاہیں گے۔ لیکن آغاز کار میں یہ تجویز خواہ کیسی ہی خوش آئند  
 نظر آئے، مجھے یقینی ہے کہ تجویز بنیاد سے ٹکرائے گی۔ اگر اگلے چل کر یہ قطعاً ناکام ہوگی۔ ہم صاف  
 دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں مغربی طرز سیاست کی راہ پر چلے جا رہے ہیں۔  
 اس طرز سیاست کے جو نتائج مغرب میں نکل چکے ہیں وہی یہاں نکل کر رہیں گے۔ اقلیت کی  
 بُرا حال دقویت اور قومی حقوق اور مطالبوں کو نہ سمجھانوں کا قومی اشیئت زیادہ مدت تک  
 برداشت کر سکے گا اور نہ ہندوؤں کا قومی اشیئت۔ خصوصاً جب یہ دونوں اقلیتیں اپنی  
 اپنی قوم پروری کی ریاست کی طرف استدعا کیا کرتے ہیں۔ ان کی اپنی اپنی حکومت کے  
 بھانسنے کی پروا نہ کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی اپنی حکومت کی پیٹلیں بڑھائیں گی۔ ان کا وجود  
 ہندوستان اور پاکستان دونوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ ابتدائی خواہ  
 کیجے ہی اچھا ہی بنش آئینی تحفظات دونوں سفلیک دوسرے کی اقلیتوں کو دیتے ہیں،  
 رفتہ رفتہ ان کو غم کر دیا جائے گا۔ روز بروز کے روز بروز ان اقلیتوں کا استعمال کرنے والی پالیسی  
 چل رہی ہوگی۔ دونوں حکومتیں اپنی اپنی قومی اقلیتوں کی خاطر ایک دوسرے سے ہر باؤں لٹک کر کوشش  
 کریں گی اور باؤں فریاد تو ملک ملک نہ بہت پہنچے گی۔ جس کے نتیجے کے متعلق میں نہیں  
 کہہ سکتی۔ یہ دونوں کو اس پر دھنسی ہونا پڑے گا کہ ایک حکومت ہندوؤں کے ساتھ  
 اور دوسری حکومت مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ چاہے کرے۔

دوسرا ذریعہ تحفظ یہ بتایا جاتا ہے کہ اقوام متحدہ (United Nations Organisation) سے اس معاملہ میں مدد لی جائے گی۔ لیکن یہ لوگ اس نظام کے  
 مزاج کو کچھ بھی نہ سمجھتے ہیں وہ ہمسائی انداز کر سکتے ہیں کہ اس ذریعہ تحفظ کے بل پر کوئی دبی ہوئی

---

نہ پریل ۱۹۵۰ء میں پاکستان نے اس کی کوشش کی تھی جس کے نتیجے میں طاقت برد  
 پلیٹ وجود میں آیا۔ لیکن اس سے ہندوستان کی مسلم اقلیت کا جیسا کہ تحفظ ہونا وہ سب کے  
 سامنے ہے۔ (جدید)

قوم کئے دی جاسکتی ہے۔ انہی اقوام متحدہ کے نظام سے نمونہ کسی ایسے ہی معاملے میں کیا جا سکتا ہے جس میں کوئی بیحد لڑائی اور ناپائیدار حالات کا سدھائی کی گئی ہو۔ رندو کے چھوٹے چھوٹے معاہدے خود مجموعی طور پر حل کرکے کتبہ تراجم میں جائیں۔ بہر حال اس نظام میں قابل مراعہ قرار نہیں پاسکتے۔ نہ ہی بظاہر معلوم پائیں کہ وہاں پر بیحد کیا جاسکتا ہے جو مغربی معاہدہ کے لحاظ سے بالکل برقی ہوتی ہیں مگر ہوسے نقطہ نظر سے مسلمانوں کی حیات دینی رقی کو بالکل غم کر دینے والی ہیں۔ پھر اس نظام نے اب تک تو یہ ثابت نہیں کیا ہے کہ وہ بالکل بے لوگ اصلاح کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کے ارکان صرف یہ ہیں دیکھتے کہ معاہدہ بہتے خود کیا ہے اور اس میں اصلاح لائن کیا ہے، بلکہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کیا یہ ہے جس حکومت کے خلاف مل گئی ہے اس سے بددیواری اپنی حکومتوں کے تقاضات سمجھے ہیں اور آیا اسے معصوم کرنا بددیواری حکومت کی صحت کے مطابق ہے یا صحت۔ اس لحاظ سے کہہ سکتا ہے کہ آئندہ زمانہ میں نظام اقوام متحدہ کے اندر ہندوستان اور پاکستان کی رشتہ داری (Relat ve) پر زنی کیا ہوگی اور کس کی جانب وہاں زیادہ زنی ہوگی۔

تیسرا ذریعہ بیحد اور بدولہ آبادی کا بیان کیا جاتا ہے۔ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان خود ہندوستان چھوڑ کر پاکستان میں جا بیٹے شروع ہوں۔ اور بدولہ آبادی کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں حکومتیں یا ہی قرار دے سے ایک نظم کے ساتھ اپنی اپنی قوم آبادی کو اپنے علاقے میں منتقل کر لیں۔ ان میں سے پہلی صورت قابل عمل ہے مگر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ حل نہ کر سکیں گی۔ کیونکہ اس صورت میں وقتاً فوقتاً صورت بدلتے چھٹتے لوگ و ہیبت برداشتہ خاطر افراد و خاندان یا کہہ میں چلے قسمت، نہ لوگ ہی عمل کر سکیں گے۔ مسلمانوں کی تمام آبادی جہاں بس رہی ہے وہیں بستی نہ ہوگی اور اس لاکھی بستی سے چھٹنے پر خود ہجرت کرنا ممکن نہ ہوگا، بلکہ یہ کہ کسی وقت خدا انھما سے وحدت میں آجائیں جو بدولہ غیر وہیں پیش آتے ہیں۔ یہی مدد سوری وحدت، تو لچھا امید نہیں کہ آئندہ پچاس سال تک ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں ساتھ چل کر ہندو مسلمانوں اور عوامی میں کروڑوں مسلمانوں کو اہر سے کہ ہر اور اہر سے اہر منتقل کرنا یہ نظام کر سکیں گی، خواہ وہ دل سے ایسا کرنا



ہمارے ہندوستان کے پاکستان بن جانے کے امکانات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں۔  
 اُس وقت میری دعوت ایسے شخص کی دعوت یا ایکسپریسے دعوت کی دعوت ہوتی۔  
 اہل ہندو اقصاء انہیں گھر کرنا تاہم مسلمان شرفاء کے مقام پر خود کھینچ دیتے ہیں۔ اب ان کے یہ  
 زندگی کی دعوت ایک ہی ن گئی ہے اور وہ اسلام کی۔ اعلیٰ الٰہی حق اور خالص اسلام  
 کی۔ یہ ہے۔ دوسری راہیں زندگی کی نہیں بلکہ خود کشی یا سزائے موت یا جہنمی دنیا ست  
 کی راہیں ہیں۔

یہ وقت میں کھنڈے کی پس خبر سے رہا ہوں اب اعلیٰ قریب ملی ہے۔ جو بھی کہ ہندوستان  
 کی مباحثہ کا سچا مدد فرم کر نہ اندر شروع ہو، اقلیت کے حقوق میں مسلمانوں کو اپنی  
 واقعی یا کسی انگریز پریشانی کا کام اس شروع ہو جائے گا۔ یہ ایک بڑی تحریک کے اہم  
 کا وقت ہو گا جو تحریک کو فلسفہ کے اہم سے کٹی لگے زیادہ خطرہ رک ہو گا۔ تحریک خوف  
 کی ناکامی سے مسلمانوں پر جو موجود انتشار طاری کیا تھا وہ اگرچہ نہایت نقصان دہ تھا مگر ہلک  
 نہ تھا۔ اب اگر وہ کیفیت کہیں چرطاری ہوئی تو قطعاً ہلک ثابت ہوگی۔ اپنے اس وقت  
 ملک کے ہندوؤں سے یوں ہو کر کوئی صحیح رہنمائی اور کوئی شعاع امید اگر مسلمانوں سے نہ پائی  
 تو ان پر گہرا ہت اور طرقت الملک کی مسئلہ ہو جائے گی۔ کوئی فلسفہ مسلمانوں کی طرف سے نہ پائے  
 کوئی کبہ نہ ملے گا کہ اس وقت کے کوئی بھرت کی تیاری کرے گا، کوئی یا یوسی کی حالت میں  
 یا تو پاؤں تھک کر بیٹھ جائے گا، اور کوئی دل برائے شکل کے عالم میں یا بعض اوقات مجھ سے  
 کی ناپرباری ہوتی تو جگہ کو بھرتہ نہ کر کے۔ صرف اپنے اوپر کچھ اپنے ہندوؤں لاکھوں  
 بے گناہ ہمتوں پر بھی تباہی کا طوفان اٹھا دے گا۔ اس نازک وقت کے لیے ابھی سے  
 ایک ایسا منظم گروہ تیار رہنا چاہیے جو ہوش میں نہ آنے والے مسلمانوں کے سامنے بروہت  
 مسیح راہ عمل پیش کر سکے، ان کی دلی باتشہادتوں کو خطابیوں اور قوم کا یوں سے سچا کر  
 ایک روشن نسب ایسی کے گروہ سمیٹ سکے، اور ان کو اس کے بعد حقیقی کامیابیوں کی بشارت  
 دے سکے۔ میری دعا ہے کہ یہ ہی کام گروہ اس خدمت کے اہم مہمے کی توفیق پائے  
 اور اُس وقت کے آنے سے پہلے اس جنگ طاقت اور منظم اور مستعد ہو جائے کہ یہ خدمت



انہما سے ملے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ زندہ ہندوستان کی اکثریت کے مستقبل کا بھی جائزہ  
میں۔ میں آپ لوگوں سے اکثر کہتا رہا ہوں کہ اسلامی اقتدار برپا کرنے کا جتنا امکان مسلم اکثریت  
کے علاقوں میں ہے قریب قریب اتنا ہی امکان غیر مسلم اکثریت کے علاقوں میں بھی ہے۔  
میری اس بات کو حجت ہے کہ ایک فرقہ پرست لیڈر کوئی خواہاں سمجھتے ہیں، اور بعض لوگ یہ  
خیال کرتے ہیں کہ غالباً تعصبات کا کوئی نکتہ ہے جو یہودی فرقہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ  
ان کو مرعہ طور پر یہ نظر آتا ہے کہ غیر مسلم اکثریت مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط متحدہ  
اور منظم جاکہ بنی ہوئی ہے۔ اُس کے اندر کسی کوئی نسل یا شہریت نہیں ہے جہاں سے اس  
کے ٹوٹنے کا امکان ہو۔ اُس پر قوم پرستی کا نشہ پڑی طرح مستطی ہے۔ ہندو اڈیا کا پڑا  
نظام حکومت نہایت مضبوط طریقہ سے اس کے ہاتھ میں آچکا ہے اور جو متحدہ سی کسراتی  
ہے وہ تقریباً چوری ہوئی جاتی ہے۔ اس حالت کو دیکھتے ہوئے ان کی جگہ میں نہیں  
آتا کہ اگرچہ ان میں اسلامی اقتدار کا راستہ کہہ کر سے نکل آئے گا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ مضبوط  
جاکہ جو آپ کے سامنے نظر آتا ہے، اور بظاہر ٹھوس بھی محسوس ہوتا ہے، اس کی ساخت  
کھانا بھنے کی کرکشی کیجیے کہ یہ کن اجزاء سے مرکب ہے، اصالت کی پوسٹنگ کی اوجیت  
کی ہے۔

ہندوستان کے جس کو میں غیر مسلموں کو جس چیز نے متحدہ منظم کیا ہے وہ کوئی مستقل  
نظریہ حلیہ، کوئی مضبوط فلسفہ زندگی اور کوئی شہری نصب العین نہیں ہے کی اس کا  
متزلزل ہوتا اور بدل ہوتا شکل ہو، بلکہ وہ محض ایک قوم پرستی کا جذبہ ہے جو ایک طرف اپنی  
اقتدار کے خوف اور دوسری طرف مسلم قوم پرستی کے مقابلہ میں بڑا کا گیا تھا۔ قوم پرستی کا نظریہ  
خاص یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف کسی خاص اور مہذب طاقت ہی کے مقابلہ میں پیدا ہوا کرتی  
ہے، اس کی شدید حرافت ہی سے بڑھتی ہے، اور جب تک وہ طاقت متلاطم میں موجود ہو  
اسی وقت تک باقی رہتی ہے۔ جو نبی کہنا صحت ختم ہوئی اور قوم پرستی کا تصور حاصل ہوتا یہ جذبہ  
آپ سے آپ جب جانتا ہے، اندرونی زندگی کے دوسرے اہم تر مادی لوگوں کی ترجیح کو اپنی



تقریب ہے جسے انہیں ہر سال جگنن ہیڑ سکا، جسے ہر سال ہر شخص بے خود ہے۔ اور  
 اُن کے بھٹوں کے حق میں یہ انداز پیدا کیا گیا ہے کہ وہ پیدا ہی رتوی کے لیے ہوتے ہیں۔  
 رتوی کن کا حق اور ان کے پچھلے کریوں کا حق ہے اور اس کو بے لکشی کا حق تاؤ بہت  
 کے خلاف ہے۔ اس سماجی نظام میں ہر فرد پر کا بھتر نیچے والے طبقے کے سر پر ہڈوں کے کھڑے  
 اور اسے زور دیا ہے۔ معاشرت کے ہر طبقہ میں اُن کی اندر سچ کا اقبال ہے۔ قدم قدم پر  
 بدلہ شہر بدلے انہیں ہیں۔ تنہا کے ہر گوشہ میں اقبال کا بتاؤ ہے، خواہ کھانے پینے کا معاملہ  
 ہو یا رہی ہیں کا یا شادی بیاہ کا، اور اس امتیاز میں صرف تعریف ہی کا نہیں، بلکہ تحقیر اور تذلیل کا  
 عنصر بھی شامل ہے۔ صبر ہے کہ اُن کے پیچھے اس بات کو بھی گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں  
 ہیں کہ نیچے بھٹوں کے مرد اور عورتیں ان کے ساتھ لباس اور زینہ پہنیں۔ حال ہی کی بات ہے  
 کہ راجپوتانہ کے گروہوں اور باؤں سفاس بات پر ہنگامہ برپا کر دیا تاکہ چارو فیرو نیچے بھٹوں  
 نے۔ جو جنگل در سے غرق حال ہو گئے ہیں اور کچھ باہر کی سماجی مکاتبات ہیں۔  
 اپنی حد تک ان کی حدوں کے سے لباس اور زینہ پہنانے شروع کر دیے ہیں۔ باوجودیکہ  
 یہ بات اور گورنر خود بھی اپنے ساتھ راجپوتوں کے ایسے ہی سوکھ کی غلی غلوس کرتے ہیں،  
 مگر پھر بھی انہیں نے اس بات کو اپنی حق میں قرار دیا کہ چھرا اٹھ کر معاشرت میں ان کے ہم سر  
 بنیں۔ چنانچہ جوں جوں طور پر ان کی براہی نے زور لگانا شروع کیا کہ ان غریبوں کو زبردستی  
 اسی ہستی میں پھیلک دیں جس سے وہ اٹھا چاہتے ہیں۔

سماجی نظام کی حتمی صورت سماجی نظام کی ترقیب پر قائم ہے اور اس کے تدریجاً کلانہ پھولوں  
 پر جو یہ سوز و گداز کی خصوصیات کا اور منظم ہو گیا ہے۔ جو طبقے قریب اجتماعی نظریات اور بلند  
 طبیعی فلسفوں (Metaphysical Philosophies) کے سے اور پرکیر میسوں پر مشتمل ہو  
 چکے ہیں، انہوں نے موند استہمی پر گفتا نہیں کیا ہے کہ کس کی تمدنی زندگی میں رتوی کو اپنے  
 لیے غصوں کر دیا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہی ملک کی دولت اور اس کے وسائل انسانیت پر ہی  
 قابض ہو گئے ہیں اور نیچے کی سر میسوں پر رہنے والی عام آبادی کے لیے انہوں نے زندگی بسر  
 کرنے کی کوئی صورت اس کے سوا انہیں چھوٹی ہے کہ وہ نقصان کے ساتھ ان کی خدمت اور زبردستی

کریں۔ اس سماجی نظام میں محروم اور منہ پریشاں طبقوں کے ساتھ جو بے انصافیاں اور زیادتیاں  
ہوتی رہتی ہیں ان کا ٹھکانہ کرنا مشکل ہے۔ پھر اپنے طبقوں نے خود اپنے ہاتھوں میں بھی نظم و  
انصاف کی بے حد سی فلکیں اختیار کر رکھی ہیں جو کہ بنا پر کم و گزیر شمول یا عدم نیوہ و گنبد حال  
ہیں۔ ان کی خود خواری، ان کا مشترک کاغذی جائیداد کا طریقہ (Common Law System) اور  
ان کا تہہ پیشہ اور اگر کا قانون (Rule of Primogeniture) یہی طرح کے انہی بہت سے  
طریقے ایسے ہیں جو عدالت اور اس کے ذرائع کو میٹ کر پوند و گز کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں  
اور بہت سے لوگوں کو محروم اور دست نگیں دیتے ہیں۔ انہی طریقوں سے جن قانون میں عدالت  
سماجی جسد و مابہیہ سربراہ دوری کے ڈھنگ اختیار کر کے مکمل منصفہ، تجارتی اور  
ایہد پر منصفہ ہوتے ہیں اور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس سیاسی نظام بنیاد پر ہے اس کی تعینات میں کاغذ پر تو جو مشہور ہیں یہ  
دستی انصاف (Social Justice) صلاحات اور مواضع کی کمیانی (Equality of  
Opportunity) کے بڑے بڑے نفسی تصور اور بہت سی تھوری اور دکش زبان میں رقم  
کیے جا رہے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ان مفاد کی اصل قیمت ان کے کشد میں نہیں رہی پر دستی  
عمل درآمد میں ہے۔ خوف و کدیم دیکھ رہے ہیں وہ ہے کہ اس سیاسی نظام کی تشکیل، تعمیر اور  
تقلید کے مدد نظام پر ہی جیتے جا رہے ہیں جو سماجی اور معاشی نظام کی اوپر والی میز میں  
تشریف لے رہے ہیں۔ نہیں، بلکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اور تجربہ کرتے ہیں بتا دیتے کہ ان قانون  
کو جانے سب کچھ ہے مگر بالکل دیکھیں غرض اور فراخ و مول نہیں دیا۔ ان کی ملک و ملک  
جو چند دتوں کو بہت کچھ قصاص پہنچا چکی ہے اور آئندہ بھی اسے دیکھتے ہوئے مشکل سے یہ توقع  
کیا جاسکتی ہے کہ وہ لوگ اپنی سیاسی طاقت کو واقعی انصاف ستام کرنے میں ہمت  
کریں گے۔

یہ طاقت اپنے مفاد اتنی قہیں رکھتے ہیں جن میں ملک کی عام آبادی شہادت کے ساتھ  
محسوس کر رہی ہے۔ اب تک تو م پرستی کے شے نے اس اس کو شہادت کے ساتھ  
لکھا تھا، اور لوگ اس پر مہر بھی ہے تھے کہ ملک کا انتظام جب ہندو سے ہوتا ہے تو جیسا

تو یہ بے اصنافیں ختم ہو جائیں گی۔ بہت تنگدہم کے اختیار سے جب فی الواقع اہل ملک کی طرف  
 خستہ ہو جائیں گے تو یہ سوال زیادہ دیر تک ڈھلے گا کہ ان اختیارات کا خاکہ کس طرح تشکیل  
 کیا جائے جس سے ملک میں حقیقی اتحاد قائم ہو۔ ہندوستان کے مستقبل کی باتیں اس وقت  
 جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں وہ ہندو لکھو کہ سابق رعایا کے ساتھ مغربی روپ اور امریکہ کے  
 طریق زندگی اور کچھ عرطوں کا جوڑنا کئے نہ کئے ہیں۔ یہ میراث خانہ اگر صحیح ہے تو اس طرح سے وہ  
 ایک نئی جمہوریت، ایک نیا ہی سہادت اور ایک نیا نظریہ عمل قائم کرنے میں تو مغرب کا سبب  
 ہو جائیں گے، مگر اس کی تہہ میں بدستور وہی بے خصلتیں، وہی ناہمواریاں اور وہی تفریقیں برقرار  
 رہیں گی جو اس وقت پائی جاتی ہیں، بلکہ تفریق و اختیار ہندو لکھو کہ ملک میں یہ سب سے جس  
 کے ہوتے کسی حقیقی جمہوریت کا قیام غیر ممکن ہے، اور اس کے ساتھ مغربی نظریات کا جوڑنا ممکن  
 ہے اس کے سوا کچھ حاصل ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی کہ آؤ اپنے ہندوؤں کی برتری و مہربانی واری  
 کو ایک نئے اور دلوں کے ذریعے سے مدد و تامل جلائے۔ اسی لیے یہ امر قریب قریب حقیقی  
 نظر آتا ہے کہ یہ ملک بہت جلد ہی ہندوستان کی تمام آبادی کو دیریں لے۔ جس کے ہاتھوں  
 اتحاد قائم ہو سکے گا اور کچھ زیادہ دیر دکن سے پائے گی کہ ہندوستانی عوام، سکھ، ہندو،  
 اور غدا و سپہ طبقہ کے عوام کو کسی دوسرے منصفانہ نظام کی طلب میں یکجہ نہیں ہونے  
 لگیں گے۔

بھارت کی وہ اسی صورت حال سے مختلفا شے کی تیاریاں کر رہا ہے جو وہی کہ مہاتما گاندھی  
 اپنے خاکہ کھینچنے کے بعد حاصل ہوتی ہے، اسی بنیاد پر اس اتحاد کا آغاز اس کے نتائج  
 میں سے ہوتا ہے۔ نکلنے کی کوشش کر کے اس کا وہ کام ہائشمنوں کو اتحاد کی امیدیں دیا کر  
 سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہیے گا۔ مگر اس کے وہ کہ پاس ان بے خصلتوں کو غم کرنے  
 کے لیے کوئی ایسا پروگرام نہیں ہے جو غم ہے، بے خصلت ہے، کشتہ و خون اور  
 فساد سے بچا کر جاری و تہیکی سے پاک ہو۔ ہندوستان کو یہ وہ فرقہ وارانہ منافرت  
 اور نرا لڑائی جو طبقہ وارانہ منافرت اور نرا لڑائی کا مختلف ہے گا۔ بہت تک جہاں ہندو اور مسلمان  
 کے جھگڑے کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے سر چاڑھتے اور گھر جلاتے رہے ہیں یہاں باب

مدنی کے جگڑنے کو چہرہ پر ہی ونگ کشت و خون کرنے لگیں گے۔ ایک بھڑو دوسرے بھڑے کے  
نعرے اسی طرح نفرت اور خوف سے بھوک اٹھنے لگے جس طرح آج ایک فرقہ دوسرے فرقے  
کے خلاف بھڑا رہا ہے۔ فرقہ پرستی اور قوم پرستی کی جگہ جتنی زندگی پر ستاری سے سے لگ  
انسان کے حقیقی جذبہ سے بدل جس طرح آج قریب جنگ کے زمانے میں خالی ہیں اسی طرح اس  
وقت جتنی جنگ کے زمانے میں بھی خالی ہوں گے۔ ہر سیرا اقتدار بھڑے عوام بھڑوں کو عروم دکنے  
کے لیے ڈریں گے، اور عروم بھڑے ان کی جگہ لے کر آئے انہیں عروم کو دینے کے لیے سرحد کی  
بڑی لگائیں گے۔ اس طرح ہندوستان یکسانیت ملک میں کی صورت کو زبردست ہے گا۔ اور  
آخر کار گندہ انحراف اشتراکی انقلاب کا سبب ہو گیا تو مزید ایک طریقہ تک یہاں رہیں  
کی طرح اوچے بھڑوں کو ان کی زمیروں، ہمارا مدد اور کارخانوں سے بے دخل کرنے کے لیے  
سخت کشت و خون اور غم و جلا کا ہاں رکھ رہے گا۔ پھر اشتراکی نظام قائم ہو جانے کے بعد  
وہی ہی ڈکٹیٹر شپ یا انہی ہی قائم ہو جائیں گی جیسی ہند میں ہے۔ اسی طرح ملک کی پوری آبادی  
کی ایک جاہل اور جبر (Totalitarian) اقتدار کے شکنجے میں کس رہا جائے گا اسی طرح  
وگ نہان اور غم اور خیل کی آزادی سے عروم ہو جائیں گے، اسی طرح تمام لوگوں کا مذاق چند  
لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گا، اور اسی طرح ہندو گنہ کو اتنی آزادی بھی حاصل نہ رہے  
گی کہ اس نظم کی غنیمتوں سے دل برداشتہ ہوں تو کہہ سکیں یا کر میں، یا اس حالت کو  
بدلتے کے لیے کوئی سیاسی تنظیم یا اجتماعی کوشش کر سکیں۔ — اسی سبب  
ہے بڑھ کر اس خطر کی انتہا ہے جو نقصان ہندوستان کو پہنچے گا وہ یہ ہے کہ پچھل صدیوں  
کے اصلاح کے باوجود جو غمزدگی بہت مدد دانی اصلاحی تقدیر ہندوستان کی تہذیب  
میں باقی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی اور یہ ملک ہر امر ایک تہہ پرست ملک بن جائیگا۔  
اس انجام سے اگر کوئی بیزمندہ دستوں کو کچھ کہتی ہے تو وہ یہ ہے کہ کوئی گروہ ایک  
ایسے نظام فکر عمل کو لے کر آئے جس میں اعلیٰ درجہ کی حقیقی مدد دانی و اخلاق تقدیر ہی ہوں،  
چنانچہ اس لیے وہ ایک اجتماعی اصلاحی ہر امر ایک تہہ پرست — جس سیاسی ہی نہیں  
بلکہ تمدنی و معاشرتی بہریت (Social Democracy) — میں ہر امر تمام

ہندوؤں کے لیے جو امتیاز طبقہ و نسل، نفروں کی عداوت، جماعتی حیثیت سے ترقی کے یکساں  
 مواقع بھی ہوں۔ جو ایک یا چند جماعتوں کے مفاد کو نہیں بلکہ سب جماعتوں کے مفاد کو یکساں ہندوؤں  
 اور مسلمانوں کی فطرت سے دیکھے، اس کا حمایتی اور کسی کا دشمن نہ ہو۔ جماعتوں اور گروہوں کو ایک دوسرے  
 کے حقوق اٹھانے اور ڈرانے کے بدلے ایک جمعی برائے انصاف نظام نہ ملے گی۔ جو انہیں متحد کرے۔  
 عوام جماعتوں کو دیکھ کر دھتے ورنے کا نظریہ ہی ہے۔ اس لیے انہیں جماعتوں سے صاف ہی کچلے  
 جو ان کے پاس ان کے نظریہ ترقی سے ناواقف ہے۔ ایسے ایک نظام کی اگر ملک کے لوگوں کے  
 سامنے پیش کیا جائے تو اس کو پیش کرنے والے لوگ ہوں گی کی میرت اور انصاف پر اعتماد  
 کی بجائے جو خود کسی قسم کی قومی یا جماعتی یا ذاتی خود غرضی میں مبتلا ہوں، ان کی اپنی زندگیوں میں  
 راستہ پر گام ہوں کہ درحقیقت انہیں سے انصاف کی امید وابستگی حاصل ہے۔ اور جن میں  
 دیانت اور انتظام دنیا کی صلاحیت مدلیں جمع ہوں، تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہندوستان  
 کے باشندے اس نظام کے مقابل میں اشتراکیت کے رستے کو ترجیح دیں۔ اشتراکیت منصف  
 تو ایک آپریٹنگ ہے جو مرضی کے ساتھ تہہ کستی کے بھی ایک ہٹے سے کا امتیصال کر دیتا  
 ہے۔ اور مسلمانوں کے ہر طبقہ میں جمہوریت کی حاملہ ہی میں گوار کیا کرتا ہے جب خدا سے  
 مرضی کی اطلاع ہو سکے گی کوئی اُمید بالی نہ رہے۔ دنیا میں جہاں بھی کسی ملک کے لوگوں نے  
 اس آپریٹنگ کے طریقے کو اختیار کیا ہے اسی وجہ سے کیا ہے کہ ان کے سامنے کھانا نہ ہر پاسداری  
 اور اشتراکیت کے مدد یوں کوئی ایسا تیسرا راستہ تھا ہی نہیں جس میں وہ ان معدوں کی غرایوں سے  
 بچ کر انصاف پہنچنے کی اُمید کر سکتے۔ اگر اس قسم کا تیسرا راستہ پیش کر دیا جاتے —  
 جیسا کہ پیش کرنے کا حق ہے — تو نہ ہندوستان کے لوگ ایسے پاگل ہیں اور نہ دنیا  
 کے دوسرے ملکوں کی آبادی ہی اس قدر دیوانہ مرضی کرنے کی کوئی وجہ ہے کہ ایک کا ملک یا  
 گانہ کے لیے بہتے خود راہ آپریٹنگ ہی پر آمادہ کریں۔

حوالہ رہے کہ کیا مسلمان تیسرا راستہ پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر پیش کر سکتے  
 ہیں اور اس تیسرے راستے کا نام اسلام ہی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مستقبل کے  
 ہندوستان میں اشتراکیت کے مقابل اسلام کے لیے کامیابی کے کم از کم ۶۰ فی صدی امکانات

ہیں یہ مسلمانوں کی انتہائی بد قسمتی اور محض کائناتی برائی کے پاس باہم جیسا ایک دوسرے کے  
نظام کو جو وہ ہمہ جہت سے لے کر اٹھنے کے لئے ہیں اور ان میں اشتراکیت کے لیے عالی  
پہنچ رہی ہیں۔

میں نہیں اُپس کر خیر طبع پر یہ باتوں کا کہ ہندوستان میں اسلامی انتہا کا انداز ہمارے  
کونے کے لیے ہیں کیا کرنا ہے۔

(۱) سب سے مقدم کام ہے کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو بد وقت اور مسلمانوں  
کے دیرپا اور استبداد پرستی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے ہی غلط فہمی کو مسلمانوں اسلام  
کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنی قومی غرض اور مطالبوں کے لیے شتہ ہے۔ اگر اب تو  
اس مسئلہ کو جلدی کھنا حسن فطری نہیں بلکہ غلطی اور اعتماد خدوشی ہے۔ اس پر نہایت غور  
ہے کہ مسلمان اپنے فرائض کو باطل قرار دیں، مسلمانوں میں ناخوشی کے مناسب کا حصول یہ  
انتخابیت کی طرف مروجہ ہے۔ یہ خدشہ خود کے لیے کشمکش، اس لیے دوسرے قومی حقوق اور مطالبوں  
کے لیے پرچا پکارا آئندہ وقت میں حاصل ہونے کا نقصان نہ ہو۔ حاصل اس لیے کہ اس میں  
لوگوں کے اہم میں ہندوستان کی حکومت نہیں ہے وہ خود اقتدار ہے۔ خدشہ خدشہ میں خود  
وہ اہمیت کے ساتھ لا حاصل ہونے کے مسلمانوں کی جدا گانہ سیاسی ہستی کو ختم کر دینے کا  
یہودی کرچکے ہیں، انہی کے فیصلے کو نافذ کرنے سے کسی طرح نہیں روکا جاسکتا۔ نقصان نہیں  
ہے کہ ان حقوق کے استور کی جتنی کوشش میں مسلمان کریں گے وہ ہندوستان کے قومی انتہا  
کو اندازہ نہ مٹانے کے لیے، اندازہ وہ اپنی شکایات کو رٹ کرانے کے لیے پاکستان کی مدد حاصل  
کرنا چاہیں گے تو یہی حال قومی جمہوریت اور کشمکش کا سبب بن جائے گا جس سے ہندو  
قوم پرستی کو زخمی کی زیر طاقت مل جائے گی۔ لہذا سب میں مدد دینا چاہئے کہ مسلمانوں میں ایسی  
ساتھ کام تیار کرنی چاہیے کہ وہ ہمیشہ ایک قوم کے حکومت اور اس کے نظام سے جتنی  
اختیار کریں اور ہندو قوم پرستی کو اپنے فرائض سے براہ راست روکیں کہ یہودی میں کوئی بد فہمی  
سیاسی غرضیت اس کے ساتھ کشمکش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ یہی ایک طریقہ ہے  
اس غیر ممبری انتہا کو ختم کر دینے کا جو اس وقت غیر مسلم اکثریت کے اندام کے خلاف





اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں موسم سے عام واقفیت بھی پیدا کر دی اور ان کے اندر یہ جذبہ بھی ابھاریں کہ ماحول کی زندگی میں ان کو ہر جگہ غیر مسلموں سے جو مابقیہ پیش آتا ہے اس میں نہ محسوس موقوعہ کے سامنے اسلام کو پیش کرتے ہیں، خود حکومت کی نقد اتنی تیز ہو سکتی ہے کہ ہندوستان میں کوئی دوسری تحریک اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ اس تعداد کا جبر ان جتنے بھی اگر موسم کو جانتا ہو اس کی تبلیغ شروع کر دے، تو موسم کے مسلمانوں کی تعداد ۶۵،۷۰ لاکھ کے قریب ہوگی۔ کیا کوئی دوسری تحریک ایسی موجود ہے جس کے پاس اتنے پیسے ہو رہے ہوں؟ پھر مسلمان ہندوستان کی آبادی میں کچھڑی کی طرح غیر مسلموں کے ساتھ چلے گئے ہیں اور زندگی کے ہر شعبے میں ہر جگہ ہر وقت انہیں دوسروں تک اپنے غیبت سے پہنچانے اور اپنے روناؤ کا اثر دے کر موقوعہ ہے۔ کیا کسی دوسری تحریک کو یہ مراض حاصل ہیں؟ پھر دوسری کسی تحریک کی اپنی کوئی مستقل سرمائے ایسا پاتا کوئی تمدنی نظام نہیں ہے۔ ان کے دامن میں پناہ کے کرہ ہندوستان کے بھٹے والے اندھے ہوئے چلے گئے کہ اپنے پیٹ کے مطالبے تو یہ ہے کہ جتنے ہیں گراہنی ماحول کی زندگی کی مشکلات اور غریباں دست نہیں کر سکتے۔ بخلاف اس کے مسلمان اپنی ایک مستقل سرمائے رکھتے ہیں ہر جگہ ہائے نصب العین کے مطابق کچھ بھی اس میں اضافہ ہو جائے تو تاہم ان لوگوں کے لیے پناہ دیا جاتا ہے کہ جس ماحول کی زندگی میں بسنے والے کو دیا گیا ہے۔ یا جی کو جی نظام تمدن و معاشرت کی دوسری فراہمی نے پریشان کر دیا ہے۔

(۳) تیسرا فرقہ بازی ہے کہ ہم اس ملک کے مسلمانوں کی ذہنی حالت کا زیر سے لیا جاتے ہیں اس وقت کے لیے فراہم کر دیں اور اس سے باقاعدگی کے ساتھ کام لیں ہندوستان مسلمانوں کا عظیم ریختہ ہے ان تمام میں ناہم ہر جگہ ہے جن پر اس نے بسنے کا نظریہ رکھی تھی۔ اس ناامی کا شہرہ حاصل ہوتا ہے اس پر داس ملے دی، مرنی شروع ہو جائے گی اس موقوعہ پر اگر ان کے سامنے ایک مدنی نصب العین امیدیں اور بشریوں کے ساتھ آئے تو ان کے ایک بڑے حصے کی ترجیحات اپنی طرف کھینچنے لگے۔ اس طرح جیسے جیسے ہادی





اس کے کوئی بڑی کمائی نہ ہو گی۔ اس اسلامی غیرت کی دنیا ہی بڑھک محسوس نہ ہو سکے۔ اور نہ پائیں گے کہ آپ کے گرد پیش چہرے سے مسلمان اپنی دیہوی نہایت کی خاطر اس شو کو چھوڑ کر اپنے پرانے جو بایں گے۔ آپ کے دوسری جانب جھوٹے اور ساختی کا جھنڈا بند ہو گا۔ اس کے سایہ میں ایک دوسری جنت شہداء کا خیال نقشہ پیش کیا جائے گا جس کے عاشقوں کو تہمدی جائے گی کہ خدا پرستی اور عبادت و اخلاق سے آپ سے دونوں کو خالی کریں۔ آپ کی تکلیفیں یہ بھی دیکھیں گے کہ دنیا کے بھوکے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک جم غفیر اس کی عزت و مذہب پر ہو گا۔ اس درد بھری جنتوں کے درمیان آپ اپنے آپ کو ایسے مقام پر کھڑا پائیں گے جہاں اسلام پر جیسے داروں اور اس کے پیسے کام کرنے والوں کو ترقی و خوشحالی تو دیکھنا مہذبہ بننے کا سامان ہی مشکل ہی سے میسر آئے گا۔ ان کو ہر قدم پر بہت ٹھیک حالات سے سابقہ پیش آئے گا۔ ان کی عزت و اسلامی اور عزت نفس کو ہر وقت پس کے گھس گے۔ شہداء اسلامی کو وہ نہ صرف شہتہ دیکھیں گے بلکہ ان کی خلیفہ ہانت ہو گی اور عیدہ نہیں کہ مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں پر۔ ان حالات میں صرف وہی لوگ اسلامی انتقام کے پیسے کام کر سکیں گے جو غیر معمولی صبر و ثبات، انتہائی مرگزی اور غایت حد تک دو دشمنوں سے بہرہ ور ہیں۔ یہ تین خصوصیات اگر آپ اپنے اندر پیدا کریں گے تو میں آپ کو یقین دہاتا ہوں کہ شہداء اللہ سے ملنے کا کوئی پھیر دینے میں بہت زیادہ دیر نہ لگے گی۔

ترجمان القرآن - جون ۱۹۵۷ء

## صوبہ سرحد کے یقین نام میں جماعت اسلامی کا مسلک

سوال :- خیرکتاب کو معوم ہے جو ہر مسجد میں اس سوال پر یقین نام میں ہے کہ اس صوبہ کے لوگ تشریف لے کر اپنے صوبہ کو رہنے لگے اور ان کے ساتھ ان کے گناہ چلے گئے ہیں یا ان کے ساتھ وہ لوگ جو ہر جماعت اسلامی پر اعتماد رکھتے ہیں یہ ہے وضاحت کرتے ہیں کہ اس صوبہ میں راستے دین چاہیے؟ اور کس طرف سے راستے دی چاہیے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس صوبہ میں بھی ہدیٰ صبی اسی طرح غیر مناسب مادہ ہوں چاہیے جیسی ہمسایہ قانون ساز کے ساتھ مخالفت یہ ہے کہ اگر ہم پاکستان کے حق میں اگر عدالت میں گئے تو یہ عدالت ہے کہ اس تمام حکومت کے حق میں ہی نادر ہو گا جس پر پاکستان قائم ہے۔

جواب :- متعجب اسے کہ اس طرح اس قانون ساز کے انتخاب کے مسئلے سے حوالہ دیتے ہیں۔ متعجب اسے کہ اس طرف اس امر سے متعلق ہے کہ تم کس حکومت سے وابستہ رہنا چاہتے ہو؟ چند سالوں سے پاکستانی ہے؟ اس مسئلے میں راستے دینا بالکل جائز ہے اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ لہذا میں جن حلقوں میں متعجب اسے کیا جا رہا ہے وہاں کے لوگوں جماعت اسلامی کو ہمت ہے کہ اس میں راستے دیں۔

دوسرے سوال کہ اگر حیز کے حق میں راستے دیں تو اس مسئلے میں جماعت کی طرف سے کوئی

پابندی عائد نہیں کی جا سکتی، بلکہ اگرچہ جہاد پڑے، ارکان کو مریدان احمدیہ میں پابند کرتا ہے جو کسی ایک اسلامی ملک کے اصول اور مقصد سے متن رکتے ہیں اللہ پر صاف ظنا حملہ ہے نہ مقصدی، اس لیے ارکان جہاد کو اختیار ہے کہ وہ اپنی عوامیہ کے معجزہ حرارتے پائیں وہیں۔ جتنے شخص حیثیت سے ہیں کہ ملت ہیں کہ گزریں جو عہدہ سرحدہ پہنچے والا ہوتا تو مستحکم رہتے میں میرا وراثت پاکستان کے حق میں پڑتا اس لیے کہ جب ہندوستان کی تقسیم ہندو مسلم قومیت کی فیڈ پر جو رہی ہے تو وہ ہندو افسر حلقے کو جہاں مسلمان قوم کی اکثریت ہے وہاں تقسیم میں مسلم قومیت ہی کے حلقے کے ساتھ شامل ہونا چاہیے۔

پاکستان کے حق میں روٹ دینا تو انہیں نظام حکومت کے حق میں حدت بیضی کا سنی نہیں ہے جو آئندہ یہاں قائم ہونے والا ہے۔ یہ نظام اگر ان کے مطابق اسلامی بن جائے جیسا کہ وہ لکھا جاتا ہے تو ہم دل ربوں سے اس کے حامی بنیں گے۔ اس امر وہ غیر اسلامی نظام تھا تو ہم اسے تبدیل کر کے اسلامی اصولوں پر طے کرنے کی جدوجہد ہی طرح کرتے ہیں گے جس طرح موجودہ نظام میں کر رہے ہیں۔

(مرکزہ کوثر محمد خضر جعفری، ۱۴۱۱ھ)

نہ صرف یہ کہ ہمیشہ کا یہ وہم کہ جہاد میں کفاروں پر حملہ ہوتا ہے اس لیے نہیں یا کہ اس وقت تک مشرقی بحال  
 انہیں جہاد اسلامی کا کام شروع ہی نہیں ہوا تھا۔ (جسے)

## تقسیم ہند کے حالات پر تبصرہ

پچھلے سال ہندی سنگھوں نے جو بڑا بگ انتھاب دیکھ ہے اس نے تمام ان انتخابات کو مٹا کر دیا ہے جو اس سے پہلے صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے بلکہ دینکے کسی ملک میں نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ کہ ہندوؤں کا ان کو اس سے پہلے کہیں اس سے ہی زیادہ وسیع رقبوں میں بنوا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے پہلے کہیں اس سے زیادہ بڑی آبادیوں کو ان کے بال و تلوار سے بگاڑ دینا گیا ہو۔ مگر شاید اس سے پہلے کہیں اندکیں انہوں نے انہوں کے ساتھ اتنے بڑے پیمانہ پر ایسی شکستہ زندگی اور ایسی بے شرفی و بیہوشی کا برتاؤ نہیں کیا ہے۔ تو میں میں دشمنوں کی جہتی ہیں، انہوں میں خاندان جگیاں بھی ہو چکی ہیں، لیکن غالباً کسی دنیا کی دقتوں کے درمیان عدالت نے یہ شہادت دے تھی اور یہ شہادی اختیار نہیں کی ہے۔ انسان انسان سے باہر ہے۔ مگر لائی میں کینز پنی اصغر معاملی کا جو مظاہرہ یہاں ہوا ہے، یہ اپنی نظیر میں آپہری ہے۔ یہاں انسانی صورت و جافوں نے وہ وہ کام کیے ہیں کہ اگر لکھوں اور بیڑیوں پر ان کا اہم حقوق دیا جائے تو وہ بھی اسے اپنی قوم میں محسوس کریں۔ اور یہ کہ تو وہ چند گنے گنے ہر معاشروں کے نہیں تھے بلکہ ہندی ہندی قوموں نے اپنے آپ کو بد معاش ثابت کیا۔

خاص جگہ سے لاؤں ہندوستان ہے جو تقسیم کے وقت تک ایک ملک تھا۔ (جدید)



اتحادہ کو نہیں بددعا کی جاتی تھی، بڑے بڑے یسٹوں اور دفتروں اور مذہبیوں نے بددعا کی اس کی ایک سوچی اور کمزور کے پاس سے نفسہ نفست نے اپنے مجسٹریٹوں اور اپنی پولیس کو اپنی فوج کے ذریعے اس کیلئے کو عمل باہر بنایا۔ دو سال پہلے ملک میں افغانہ نہیں تھا کہ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کی آبادی کا اخلاقی و دینی اس تھا کہ پہنچ چکا ہے۔ نفیس ہا میں اعلیٰ و اعلیٰوں، بڑے بڑے لوگوں کے پرستوں میں جو شخصیتیں تھیں ان میں ان کو ہر شرف میں شہر کرتے تھے۔ ہم آبادی کے پراسیوے کو دیکھ کر ہم سمجھتے تھے کہ یہ سب افسوس کی بستی ہیں۔ مگر اس کے واقعات نے اس ملک کے عوام کو بے پرواہ کر دیا۔ معلوم ہوا کہ پہلے جو کچھ ہم دیکھ رہے تھے وہ محض انگریز کی مشین کا اثر تھا۔ اس مشین کے ہٹنے ہی پر حقیقت کھل گئی کہ یہ ملک و ملک، انڈیوں، انڈیوں، انڈیوں، انڈیوں اور انڈیوں کے صنعت کی صنعت خالیوں سے بھر رہا تھا۔

کیا سب کچھ جو واقع ہوا اس ایک اتفاقی حادثہ تھا، جو اب پہلے میں سال سے اس ملک کی زندگی کرتے رہے ہیں، وہ میں کی قیادت میں یہ انقلاب رونما ہوا ہے اور یہاں ہی کچھ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ اس نسل و عظیم کے سبب کہ کثرت کو باوجود میں ہونا چاہتے ہیں۔ وہ اس کی ایک شاعرانہ ترجمہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہ کثرت و عوام اور علم و ستم کا یہ مظاہرہ کوئی غیر معمولی چیز نہیں ہے جس پر کچھ نگر نہ ہونے کی ضرورت ہو یہ تو ایک آزاد قوم کی وہ کثرت کے درمیان جو ایسے موقع پر ہوا ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ کثرت کے درمیان تھے تو یہ دیا کہ ایک صنعت کی پیدائش کی خوشخبری دے رہے تھے وہ کسی صنعت کے تولد کی ماہیوں سے دیا کہ جو اصرار دی وہ اس بات کی ذمہ داری کہ کچھ سالوں میں جن کا بند پیری ٹوٹا ہے، بلکہ اس میں اس بات کی اطلاع تھی کہ کچھ جیسے تھے تھے جن کا بخیر و کمال گیا ہے۔ اس کے بعد انڈیا ہوا ہوتا ہے کہ یہ ہندوستان کے باشندے اپنی فطرت

نے یہ پنڈت جو اہل نبرد تھے، جہوں نے اس کے لیے (Birth Pangs) کے الفاظ

استعمال کیے تھے۔ (جہید)

اور اپنے مزاج ہی کے لحاظ سے کہنے، بد معاش اور سفاک میں، یاں اسی کو جہانویا گیا ہے، پہلو  
 اور ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ قوی ثبوت کی ضرورت ہے جو پہلے دو مسئلے کے  
 و امتحان سے فراہم کیا ہے، آخر ہندوستانیوں کی کچھ سیکڑوں برس کی تاریخ مجدد ہے۔  
 اپنے دامن میں اپور سے کہہ ایسی ذلیل صفات کا مظاہرہ کیا تھا؛ پھر اگر یہ الزام ثابت نہیں  
 ہے تو دنیا اور سرور ہم آپس سے نہایت باہم ہے، یعنی یہ کہ ہندو ملک کی آبادی کو  
 اس اخلاقی پس منظر کے گلے میں گما لیا گیا ہے۔ یہی نتیجہ ہے جس سے کہنے کے لیے اچھے  
 صدائے حاکمات کے اسباب کی بحث کو باتوں میں؛ نے کی کشش کی جاتی ہے، اور کہ  
 یہ بحث ان سب لوگوں کا منہ لا کر دینے والی ہے جنہوں نے کچھ ریسرچ میں ماسٹک  
 کی سیاسی تحریکوں کی قیادت فرمائی ہے۔

ہندوستان میں سیاسی بیداری کی ابتدا مغربی تعلیم و تہذیب کے ذریعہ ہوئی۔ اس  
 تعلیم اور تہذیب نے دیکھے ہوئے ملک کے ہندو افراد کو، انداز کی باتوں کو دے۔  
 ایک قومیت کا احساس اور قوم پرستی کا جذبہ۔ دوسرے ماورقہ تہذیب و اخلاق۔

پہلی چیز کو دے کر پہلے کے سیاسی لیڈروں نے "ہندوستانی قومیت" کا ایک مصنوعی  
 تخیل پیدا کرنے کی کشش کی، مگر چونکہ اس کے لیے کوئی حقیقی بنیاد موجود نہ تھی اس لیے  
 تو مسیحی پس منظر پر کہنے کی حقیقی کششیں کی گئیں، ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہیں ہی مختلف گروہوں  
 میں ہی جدا گانہ قومیتوں کا شمار ہو گیا، یعنی ہندو قومیت کے نظریہ حاکم  
 رکھتے تھے۔ اس طرح چاروں پس منظر کی تسبیح قومیت نے اس ملک میں ایک کے بجائے  
 بہت سی چھوٹی بڑی قومیتیں پیدا کیں، جن میں سے تین — یعنی ہندو قومیت،  
 مسیحی قومیت اور سکھ قومیت — تو یہی طرح برسرِ حال رہیں کہ اپنی اپنی پس منظر ہیں، انسانی  
 بہت سی ممال اور ہندوستانی قومیتیں، اسی انداز بن گئیں ہیں۔ پھر سیاسی اعتبارات حاصل  
 کرنے کے لیے برطانوی اقتدار کے تحت جو چند جہد ہو رہی تھی، اس کا قدم چنا چنا آگے  
 بڑھ گیا، ان مختلف قومیتوں کے درمیان آپس کی کشش اتنی ہی تیز اور متضاد تھی جتنی تھی۔  
 اس کشش نے ان میں سے ہر ایک کے اندر قوم پرستی کا لہر بڑا دیا، اور ایک کی طرف

دوسرے کے قوی و جوں کی مزاحمت جتنی بڑھی اتنی ہی قوی مدد و حمایت ان کے مدد میلان پر دستی  
پہن گئی۔

دوسری طرف منہ پرستان حقوق کا جھنڈا مغربی تسلیم و تہذیب سے یا گیا تھا۔ اس لئے  
لگنے کے نہ کر کے اس سے ملک کی رنگ رنگ میں پھیل گیا۔ اس لئے وہ لوگوں کو خاترا نہ تھا اور حق  
شناسی سے غافل کر دیا، شرافت و انسانیت کی جڑیں جلا دیں، اور ان تمام اخلاق قدسوں کو  
ختم کر دیا جو اس ملک کے لوگوں نے پہلے ہی سے قائم نہ کیوں تھے۔ یہ اس لئے تھا کہ حق ہی  
کا کہ شہرہ تھا کہ پہلے پہل میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی قومی کشمکش و نزاع زیادہ  
سے نیچہ نہ اٹھ کے ساتوں پر بڑھتی چلی گئی۔ بڑے بڑے لیڈروں نے بے خیال کیا تھا  
ایمان علی علی کر قوی خود غرضوں کے تقاضے پر سے کیے، بڑی بڑی ذمہ دار سیاسی جماعتوں  
نے حق اور انصاف سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کے خنث ہو کر ڈھکیچھے، ملک بھر کے  
اخبارات نے انتہائی بے کشتی کے ساتھ جوڑنے پر پکڑنے سے کیے، محکمہ گورنر کا محض پر  
کیا، اور نفرت و دھواں کی شرب پچا کر اپنی اپنی قوموں کو بدست کر دیا۔ پھر وہیں مختلف  
گروہوں کے لوگوں نے سرکاری سکھوں میں، مشیوں اور افساروں میں اور ننگوں کے ہر گروہ  
میں ایک دوسرے کے خنث گھل گھل بے انصافیاں اور حق تلفیاں کیں اور سرس پہ ایوانی  
کو چھینے نکل ادا و ثواب بنایا جو حریف توہم کے کسی فرد کے ساتھ مل جاتے۔ واپقات  
کی یہ رفتار صحت مند ہی تھی کہ اس ملک کا اخلاق و انصاف کی طرف بہا چلا جا رہا  
ہے۔

یہی وہ اجباب ہیں جنہوں نے بلوچوں کو وہ جو فٹاک تاراج پیدا کیے جو ہادی کیلکس ہیں  
ابھی دیکھ چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی ذمہ داری سے وہ لوگ بری نہیں ہو سکتے جو اس وقت  
میں پہلے کی مختلف قوموں کے رہنا اور سر براہ رہے ہیں۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے  
ایک طرف اپنی اپنی قوم کے لوگوں میں قوی غرضت برپا کی تھی کہ دوسری طرف قومی  
اخلاق کو نبھانے کے لیے کچھ نہ کیا۔ بلکہ صحیح ہے کہ سکھ یا اور کسی قوم میں جو اس کی  
احساس افزائی کی۔ اگر یہ اس کیلکس کے نتائج سے بے خبر تھے تو صرف انسانی تھے، ایسے انسانی

میں قابل ہیں ہیں کہ کہ وہ انسانی نفس کی قسموں کے ساتھ بازی گری کرنے کے لیے اپنی  
چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر انہوں نے جانی بوجھ کر یہ سارا کھیل کیسے تو وہ حقیقت یہ انسانیت  
کے اندر خدا ہی قوم کے دشمن ہیں، ان کا یہ جو مقام پیشوا کی حد نہیں بلکہ صرف لاکھڑا ہے  
جہاں ان کے اعمال کا عہدہ ہونا چاہیے۔

یہ خیال کہ انسانیت کا مقصد ہے کہ وہ کچھ ہو گا وہ اس قوی کشش کا غریب تھا کہ یہ  
کہ اب تقسیم کس کے لیے تاریخ ایک یہ راستہ پر چل پڑے گی۔ ہرگز نہیں۔ حقیقت یہ ہے  
کہ وہ انسانیت، ہر ایک تقسیم ہے جس میں وہ ممکن بنی ہیں، انہوں نے قوی خود غرضی اور اخلاقی  
پستی کا وعدہ ہر پریشانی میں پایا ہے جو ان تقسیم کے ہندوستان کی رنگ میں سریت لکھا تھا  
ان دونوں ملکوں کی پیدائش کا آغاز جو سخت ملک حالت میں ہوا ہے وہ ان کی ایک تیسری پر  
اثر ہے جو نہیں دے سکتے۔ نئی سیاسی سرحدوں کے دونوں جانب جو بدقسمتوں میں ان کے  
مل ایک دوسرے کے خلاف انجام اور حادثہ کے تحت ترین جو بات سے برتر ہیں —  
خسروں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان تو وہ دشمنی پیدا ہو چکی ہے جو شاید اس وقت کہیں بھی  
دنیا کی دونوں کے درمیان نہیں پائی جاتی — مسلمان، ہندو اور سکھ ایک دوسرے کو  
چر کے لپکے ہیں جس کے غمزدہ ہوتے ہیں گے، اور اب وہ کسی خیر قوم کے تحت بنے ہیں  
نہیں جس بلکہ اپنی اپنی آباد ممکنیتیں کہتے ہیں۔ اگر اب بھی ان دونوں ملکوں کے باشندوں کو  
بولی دیا، اگر اب بھی ان کی پسندیدہ تبدیلی نہ ہوئی اور اگر اس نئے قدر میں بھی ان کے  
مستحق کسی انداز میں گندی قوم پرستی پر انداز میں ہندو مت اور عقائد اخلاق پر چلتے رہے جس پر اب  
لکھو پچھے ہیں، تو خدا ہی با اختیار انہوں کی کشش جیت زیادہ بڑے پیمانے پر بددعا  
نہایت تلخ نتائج پیدا کرے گی۔ پہلے جو عالم گریح انجیلوں کے لائوں میں ہوتی تھی وہ اب میں لائق  
بددعا ہے ہر گز۔ پچھے جو چھوٹے چھوٹے سر کے خنزیر اور مٹیوں میں برہما کے تھے وہ اب  
وہ وہ ملکوں کے درمیان سیاسی دشمنی اور سماجی رقابت کی شکل میں پکڑ ہو گے۔ اور ہر  
اگر خدا خواستہ ان دونوں قوموں کے درمیان کسی جنگ ہو گئی تو یقیناً وہ ایسی مختلف تشددی جنگ  
ہو گی جو اپنی وحشت و بربریت میں جدید انسانی کی بدترین دشمنیوں کو بھی ہٹ کر دیگی۔





اے انتہائی اختیار است کا جو ڈھنگ و ڈھانڈاؤنٹیشن نے اختیار کیا اس کو کچھ کر ایک معمولی  
 مسئلہ بغیر سب سے کھنے والا آدمی بھی یہ اغازہ کر سکتا تھا کہ اس سے جس کے ایک سوڑے تھے  
 میں محنت خوریزی ہو کر ہے گل سب اگر یہ ڈونٹیشن کا انٹری پن تھا اور کوئی دانتہ  
 چال کی نہ تھی جسے اس کی قوم کی رضامندی حاصل چلتی ہو جو ہر سنگ تاج اس سے بنا رہے تھے  
 انہیں دیکھ لیٹنے کے بعد، بیکسٹن اس کے کہ اس شخص پر تھیں ڈانٹیں کے پھول برسائے جاتے،  
 اس پر محنت و محنت کی بوجھ بڑھتی پائیے تھی اور دھکوں انسانوں کے مثل اور ایک کھڑ  
 سے لیاہ انسانوں کی غائب ہوا دی کے ہونے میں اس پر ٹکل اور محنت میں مقدر چلا جانا چاہیے  
 تھا۔ لیکن اس کی سیاست والی کی جود اور انھن میں دی گئی وہ اس بات کا مریخ ثبوت ہے  
 کہ یہ سب کچھ دانتہ کیا گیا تھا اور اس سے پہلی انگریزی قوم کی رضامندی حاصل تھی۔ تو یہ اسی چوکی  
 لاکر شہ ہے کہ ہندو اور مسلمان اور سکھ ایک دہ مہرے کے غوی کے پیاسے ہیں، اور وہ انگریز  
 جو کل لکھتے ہیں پر یکسٹن غلام کر رہا تھا، تینوں کا مشترکہ دست ہے۔ مسلمان کے لیے ہندوستان  
 کی ۱۰۰ ہندو اور سکھ کے لیے پاکستان کی زمین تنگ ہے، مگر انگریز کے لیے ہر ملک فراخی ہی  
 فراخی ہے۔ انسانیت کے نقطہ نظر سے آپ چاہے اس کو کتنی ہی بڑا جرم قرار دے میں انگریز  
 کی تو یہ غلطی کے لا سے یہ باتیں ایک لایاب ترین سیاسی چال تھی۔ مگر یہ نیکو کرنا  
 مشکل ہے کہ اس پر نہ دیا، مارا کا حق کوں ہے، اور ڈونٹیشن، یا ہندوستانی کے وہ ہندو  
 سیاسی بینڈ جو تقسیم کے اس نقشے کی طاقت اور تکمیل میں ہر روئے پر اس کے فکر کیسہ ہے؟  
 اس ڈھانڈے کی دوسری مارا کا انگریز تھی اور اس نے جو پائلٹ اور ایک دہ اقوام کے  
 سوا کسی سے دوا نہیں پا سکتا، تقسیم ہند سے مدد ہی بری پہلے ہی یہ بات بالکل واضح ہو چکی تھی  
 کہ تقسیم کے سوا کوئی چار نہیں ہے۔ اس کے بعد اسے کٹے ہوئے تھے۔ ایک دانتہ یہ  
 تھا کہ غلطی اور بڑگی کے بڑھنے سے پہلے ہی اس چیز کو سیدھی طرح قبول کر لیا جاتا جو ناگزیر ہو

ہلکی تھی، وہ مجھے ڈوبوں کی طرح بیٹھ کر منہ سے سلامت ایسے طریقے سے طے کر رہے ہاتھ  
 کو پھیر کر دیکھتا تھا کہ کون کون سے طریقے ہمارے کی طرح پہننے کے مواقع مل سکتے ہیں۔ دوسرے دست پر  
 تھاکہ لے کر رہیں گے۔ اور ہرگز نہیں گئے۔ کس جگہ سے کیا انتہائی غمی کی حد تک جھٹکنے  
 دیا جاتا تھا اس ناگزیر تقسیم کو ایسے مرنے پر پہنچ کر قبول کیا جاتا تھا جہاں ایک ہونے والی قوموں  
 کے وہ میلن وہ مستند اور سکنا و شرفیاء انسانی تعلقات میں روادار بننے کے امکانات ہی عدم  
 ہو جاتے۔ لاگو سی لینڈوں کے ان دونوں راستوں میں سے دوسرے راستے کو انتخاب  
 کیا اس کی وجہ اگر نادانی تھی تو یہ قسمت ہے کہ وہ قوم جو اپنی انہیں ایسے نکال کر لوگوں کے  
 ہاتھ میں سے۔ اور اگر اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنی قوم میں اپنی ہر وہ حسرتی چیز کو کھانے  
 کے لیے تیار نہ تھے تو یہ اور بھی زیادہ غورناک ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے  
 اپنی ہندویشی کی خاطر ملک کو اس راستے پر جان بوجھ کر چھوڑا جس میں ان کے کہ وہوں ہم وطنوں  
 کی بربادی تھی۔

اس سارے کیل میں کانگریس نے اپنے طرز عمل سے اپنے دشمنوں اور مخالفوں کی  
 ایک ایک بات کو سمجھا اور اپنی ایک ایک بات کو سمجھا کر رکھا۔

ہندوستان کی آزادی کے خواہش مند ہر چل اور دوسرے انگریز برہمن کے سب سے زیادہ  
 پُر تھیل یہ تھی کہ ہمارے جتنے ہی ملک میں خدا و عظیم ہونا چاہتے تھے۔ لاگو سی لینڈ  
 اس کے جواب میں کہتے تھے کہ یہ ایک ہاتھ سے جو تم اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے بناتے  
 ہو، خداوند ہندی کا برہمن اہل چک چڈال تو رو۔ پھر دیکھو کہ کیا امن اور انصاف قائم  
 ہوتا ہے۔ اب واقعتاً نہ کہے پتا اور کسے جھوٹا ثابت کیا؟ یہ تیج سدا رہنا دیکھ رہا  
 ہے۔

مشرع کا سب سے بڑا الزام کانگریس پر یہ تھا کہ وہ دراصل ایک متعصب ہندو  
 قوم پرست جماعت ہے اور اس نے معنی منافقت کے ساتھ ہندوستانی قوم پرستی کا  
 ہار اور ڈھونڈ رکھا ہے۔ لاگو سی اس الزام کو بالکل خطا کہتے تھے۔ یہ کہہ کر وہ ذاتی مشن  
 (Cabinet Mission) کی آمد کے بعد سے آج تک کانگریس اور اس کے لینڈوں نے



جو کہ کیا ہے وہ مشرورانہ کے احرام کا ناقابل تردید تجربہ ہے۔ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر سے اس ہمارے کو آثار چھپا رکھا ہے جسے مشرورانہ منافقت کا لہا دکھتے تھے۔

لاٹکس کے خالص گھتے تھے کہ جو سراج لاٹکس قائم کر رہا تھا جسے وہ حاصل ہندو راج ہوگا جس میں مسلمانوں کے لیے کوئی آزادی نہ ہوگی۔ اسی اندیشے پر تقسیم ملک کی تجویز مبنی تھی اور اسی خطرے کی بنا پر مسلمانوں کی حقیر اکثریت اس تیسری ایک آزادی کو مشتبہ نظروں سے دیکھتی تھی جس کی طبعاً وہی کاہ خرف۔ لاٹکس کو حاصل تھا۔ لاٹکس میں ہندو مسلمانوں کے ان اندیشوں اور غلط فہمیوں کو بے بنیاد قرار دیتے رہے۔ مگر اگر حکومت کے بعد جو کہ ہندوستان میں ہوا اور اسے ملک ہو رہا ہے اس سے ان سے اندیشوں کو مٹا دیا جائے ثابت کر دیا جی کہ بنا پر مسلمان لاٹکس کی تیسری ایک آزادی کو اپنے لیے تحریک برابری سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ حقیقت سراج قائم ہوتے ہی جو مسلمانوں کے ساتھ شروع ہوا وہ تو ان بدتر سے بدتر اخاذوں سے بھی بدتر جہان زدہ بدتر نیکو جو لاٹکس کے شدید ترین مخالف دکھائے گئے تھے۔

لاٹکس کا دھڑلے تھا کہ وہ ہندوستان کی وحدت کا عقیدہ رکھتی ہے اور تقسیم کو کھن مسم یگ اور انگریزی حکومت کی زیرکستی سے بادی خواہستہ قبول کر رہی ہے بلکہ تقسیم سے پہلے اسے تقسیم کے وقت اور تقسیم کے بعد جو کہ اس نے کیا وہ سب اس تقسیم کو دائمی اور بدی بنا دینے والا ہے۔ اگر کہ ریاست سے تقسیم کا معاملہ طے کیا جاتا، بشرط اخف سے اس پر عملد آد کیا جاتا اور اس کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں سے منصفانہ سلوک کیا جاتا تو بعید نہ تھا کہ کچھ وقت بعد پاکستان خود ہندوستان کے ساتھ اتحاد کا خواہشمند ہوتا۔ مگر اب پاکستان وہ ہندوستان کے دیباہ وہ دیواریں کھڑی ہو چکی ہیں جو صدیوں تک انہیں ایک دوسرے سے بٹھا رکھیں گی۔

اب تیسرے ناکارہ کو بچے جس کا پدر اس قدر اسے میں سب سے زیادہ کام ہا

ہے۔

دس سال سے مسلمانوں کی قیادت مغلٹی میں لاکھ عمل پر عمل رہی تھی وہ سلطان عبدالغنی

کی سیاست سے متاثر تھا۔ جس طرح وہ ۲۲ سال تک مصر ڈولی پیدہ کی باہمی تقابلاتوں سے فائدہ اٹھا کر بیٹے سب سے اور اس دوران میں خود اپنے ملک کی کوئی طاقت، ہوں نے دن کی جس کے بن دتے ہر دی ہی تکتا، اسی طرح اس قیادت کا بھی مدد سیاسی کھیل میں اگر بڑ اور انگرس کی کشمکش سے فائدہ اٹھانے تک محدود تھا۔ جس سے دس سال میں اس نے خود اپنی قوم کی اخلاقی، مادی اور تنظیمی طاقت ماننے اور اس کے اندر قابل اعتماد بہت پیدا کرنے کی کوئی کوشش نہ کی جس کی بنا پر وہ اپنے کسی مخالف کو خود اپنی طاقت سے سواکتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ محض ہی انگریزوں کے ملک کی باہمی کشمکش ختم ہوئی۔ اس قیادت کے عکس نے اپنے نائب کو اسی طاقت میں پایا جیسے اس کے پاؤں تلے زمین نہ ہو۔ سب وہ مجبور ہو گئی کہ جو کچھ میں شرائط پر بھی ملے اسے قیمت بھر کر قبول کرے۔ بنان پونجیاب کی تقسیم سے بے چون و چرا نہی پڑی۔ سرحدوں کی تقسیم جیسے باتوں کے لئے کو اسے صرف ایک شخص کے فیصلے پر چھوڑ دینا پڑا۔ اتفاقاً اہلدارت کے لیے بد وقت اور جو طریقہ تجویز کر دیا گیا اسے بھی قابل اس نے مان لیا۔ حالانکہ یہ فیصلوں اور طریقہ خود پر مسلمانوں کے حق میں ہلکے تھے۔ انہی کی وجہ سے ایک سو دو مسلمانوں پر جیسا ہی حملہ ہوئی، اس کا بھی کی وجہ سے پاکستان کی وحدت اور مادی سے سخت متاثر ہوئی۔ فیصلوں پر بھی اس تمام دست کی خطیوں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جا سکے۔ مگر اس کی چند خطیوں قرائتی لکھیں میں گریج برڈی، جوش آدی ان کو بری طرح محسوس کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر۔

۱۔ اس نے اصول پاکستان کی جنگ میں ان حلقوں کے مسلمانوں کو فریب کیا جنہیں دھما ہندوستان ہی میں رہنا تھا۔ آج یہاں لایا گیا ہے کہ ہندوستان کی سرحدیں ان فریبوں کے بغیر قائم ہی گئی ہے۔ حالانکہ اگر تقسیم کے بعد ہندوستان اور پاکستانی مسلمانوں کا مستقبل ایک دوسرے سے بالکل متعلقہ ہو جائے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ تقسیم سے پہلے دونوں کی باہمی ایک ہوئی۔

۲۔ اس نے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک ہندوستان میں ہی رہنے کی ترغیب کے وقت اس پر کیا بھی لکھنے والا ہے۔ مگر ان واقعہ سے یہ حاکم کا اظہار ہی نہ تھا کہ اس کی غفلت و غبری

قابلِ فہم ہے۔ اور اگر اس نے جہنم کو مسنون کر کے خیر کہا تو اس فہمی کے پیمانے کیسی صاف نہیں کی جا سکتا۔

۲۔ جن میزبان پر ہندوستان کے مسلمان آفریقہ تک انھیں احمق کی طرح ہونے لگے وہیں دیکھ کر انہیں جو کر پکشتیں آٹھ آتے اور انہیں کچھ بھی نہ بتایا کہ ان کے پیچھے کیا کریں۔

۳۔ جو عجیب و غریب ہندوستان کے مسلمانوں کو ایسی گئی ماری تھی کہ ایک دست میں وہ ان سے ہاتھوں کو مل رہے تھے دوسرے ہاتھوں سے ان کو لٹا رہے تھے۔ اور ان کے غصے سے وہ بے حد گستاخ و بدعتی نظریے کا کمر بڑھاتے ہوئے غریب ہمارے ہر گستاخ کا سختی سے طعن کرتے ہوئے ہی ہندوستانی قومیت کا متعین کر آئے۔

۴۔ پچھلے دس سال کی قومی تحریک میں اسلام کا نام جس قدر لیا گیا اس کا یہ سوں جن میں مسلمانوں کے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرنے کے لیے کام نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کے قومی اخلاق کو پہلے سے کچھ زیادہ ہی بہت کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قومی جنگ میں مسلمان ان تمام اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوئے جن کا ارتکاب ان کے حریفوں نے کیا۔ یہ تمام کی قطعاً میں چاہے بقا ہی فرق نہ ہو مگر تمام کی ذمیت میں دونوں کے گناہوں سے ایک دوسرے سے کچھ بھی غصہ نہ ہو۔ اگر ہادی قومی قیادت نے ہندو تمام کی اخلاق تربیت کے لیے کوئی کوشش کی ہوتی تو اکثریت کے عقائد کے مسلمانوں کو حاکم نہ کرتے جو انہوں نے کیے تو اقلیت کے مسلمانوں کی زندگی طبع نہ پیچھا جاتے۔ اور اگر پاکستان کی اخلاقی زندگی چند دنوں سے آئی نہ رہے اور ان کی برقی کہ ہندو جنہوں اس سے اٹھ کر ہندو کر سکتا۔

(ترجمہ قرآن - جلد ۱۰ ص ۱۰۰)

## تقسیم کے وقت مسلمانوں کی حالت کا جائزہ

’دشمن صحت میں بندھ تان کے تان سیاسی افتادہ کا جزو بن گیا تھا۔ اس کے مرتد ایک پہلو سے تھن رکھتا تھا۔ اس میں ہم نے بحیثیت جمہوری پس منظر کی غیر مرکزیت، غریبوں پر ایک غمہ ڈال کر بتایا تھا کہ اس ملک کے سابق حکمرانوں اور سیاسی بیندوں نے دل ہی کر اپنی خود غرضی، تلک دلی اور احتداد بے تدیری سے اس کو کس خونک تباہی کے ساتھ برباد کر دیا ہے۔ اب اس سے بچنے کی واحد صحت اب کیا ہے۔ آج ہم اس کے دوسرے پہلو پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ہے کہ اس فتوب میں سب سے زیادہ تباہی میں قوم پائی ہے۔ — یعنی مسلم قوم۔ — وہ آج کس میں ہے، کس باب سے اس صحت کو بچا دیا ہے، اور کیا بچا دے پاتا ہے۔

اس کیلئے ہمیں پہلے کی بات ہے جب بعد استقلال کے سات صوبوں میں یہ ایک لاکھوں کو برسرِ اقتصاد لیکر کراہ پڑت نہرو سے مسلم حاکم کے ساتھ براہِ راست راجعہ قائم کرنے (Mushm Mass Contact) کا ہندو گرم شمن کر مسلمانوں کو پہلی ترجمہ یہ احساس ہوا کہ اس ملک میں بعد قوم پرستی کا غلبہ ان کے لیے ایک حقیقی خطرہ ہے اور یہ خطرہ سر ہوا چلا ہے۔

’شہیدوں کی عورتوں پر ہندو صحت ہے تو تقسیم کے وقت ملک ایک ملک تھا۔ (۲۰۱ء)



سفر کر چکے ہیں اور اس کی حرکت ہے۔ ہندو کوئی وجہ نہیں کہ تو یہ دیوار نہ نقشہ جنگ بناؤ۔ تہا سے  
 چلے مجھ راہ ملے یہ ہے کہ سیاسی اور سماجی افواہوں کے پھیلنے والے ایک قلیل اقلیت تو  
 کہ یہ پوریشن پھر خود کو غلطی سے تمہارے اختیار کر چکے ہیں، اور اس کے بجائے اپنا اصل نصب  
 منہ جو مسائل زندگی کا ایک بہترین حل اور تمام موجود وقت نظاموں سے زیادہ جامع اور مختصر  
 نظام پیش کرنے والی جامعیت کا نصب ہے۔ اس چیز کو لے کر اگر تم آؤ گھر سے ہوئے اور تم  
 نے علمی و فکری حیثیت سے اچھا نظام کا تقاضا کیا اور جو امور پر شائبہ کر دیا اور اس  
 کے ساتھ اپنے آپ کو اخلاقی حیثیت سے بھی اپنے جیسوں پر باقی کر کے دکھایا تو یقیناً جانو  
 کہ تھوڑی ہی مدت کے اندر ہندوستان میں توازن برقرار ہو جائے گا، ہندوستانی کی عبادت  
 تہا سے سماج پر کسی اور کا حشر نہ ہوگی، اور بجائے اس کے کم اپنے پھانڈ کے لیے پریشانی ہو  
 تہا سے عرفیوں کو یہ فکر لاحق ہو جائے گی کہ وہ تہا سے بڑھتے ہوئے بدوبہا سے اپنے  
 آپ کو کس طرح بچائیں۔

یہ وہی بات تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرمی تشریف لے کر لوگوں سے فرمایا کرتے تھے  
 کہ میں وہ گھر لے کر گیا ہوں کہ اگر تم اسے توڑ کر اور بے جا علم سب تہا سے زیر نہیں ہو جائیں  
 گے۔ لیکن مسلمانوں نے اس مشورے میں وہی خطہ مسوس کیا جو قریش نے مسوس کیا تھا کہ  
 اِنَّ تَجْلِبِغَ الْاُمِّيَّ مَقْلَقٌ لِّتَحْقَطَ رِجْلُ اَدْنٰى مِنْ اَرْجُلِنَا، یعنی اگر تم اس راہ پر  
 اختیار کریں تو اس سرزمین میں ہمارا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ چوٹی قوم میں بہت کم لوگ اس راہ  
 کے اعلافت کو سمجھ سکے، اور بہت ہی کم لوگ اس پر چلنے کے لیے تیار ہوئے۔ اس طرح  
 یہ ماننے والی قوم پر عمل جاری رکھی۔

مصری راستے تھی کہ تمام ہندوستان کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں  
 اور اہل کراڈاٹا ضابطہ کو ہم ایک ملک قوم ہیں، اور اندازہ یہ ہے کہ ہماری تہذیب و ادب  
 ہے، ہمیں اور ہندوؤں کو مل کر سامنے ملک میں ایک قومی جمہوری ریاست بنانی چاہیے  
 نہیں ہے، ملک کو تقسیم کیا جائے، جہاں ہماری اکثریت ہے وہاں ہماری آزاد قومی حکومت  
 بنے اور جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں ان کی آزاد قومی حکومت بن جائے۔

دائستہ انسان تھا۔ اس میں نہ کسی ذہنی کمزوری کی کوئی عاجب تھی اور نہ کسی اخلاقی کمزوری۔  
 انضباط والائی سوال۔ بننا ہر بات پر عمل صحت تھی، اور سبکوں کے وہ ہیں بعدہ کو ایک وقت سے  
 جس قسم کی تعظیم و تکریم تھی، اس کے لئے کسی بھی بات کی داخلی سطح سے قریب تر  
 بھی تھی۔ اس لیے مسلمانوں کی بہت بڑی کمزوری تھی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خود سے لوگوں کو  
 چموز کر سہی قوم نے اس رائے کو اپنا لیا۔ اس مرکوزی تہذیب پر جمع ہونے کے بعد سے پہلے چند  
 سالوں میں مسلمانوں نے من حیث انعم جو کچھ کیلئے اسی تحریک اور انسانی قیادت کے زیر اثر  
 کیا ہے جو اس تہذیب کو پیش کرنے کی ذمہ دار تھی۔ لہذا ہماری داخلی قریب کی سرگزشت کا اور  
 ہمارے منہ کے محل کا من و تبع کا نام اس تحریک ہی کی طرف واضح ہوگا۔

یہ تحریک ایک قومی تحریک تھی۔ اس میں وہ سب لوگ شریک ہوئے جو ہم و نسب  
 کے لحاظ سے مسلم قوم کے افراد تھے۔ یہ سوال اس میں سوسے سے بے مل تھا کہ جو اس میں  
 شامل ہوتا ہے وہ خدا، رسول، طاقت، ولی و کتب الہیہ و کثرت میت کو ماننے والے نہیں،  
 حوام و اطفال کی نیز کا قائل ہے یا نہیں اور خود تقویٰ، دینی عادی و بے دینی کی مختلف صفات  
 میں سے کس صفت کے ساتھ متصف ہے۔ اصل مسئلہ قوم کو پہچاننے کا تھا اور اس کے لیے  
 تمام قومی عناصر کا متحدہ و ذمہ دار ہونا ضروری تھا۔ پھر جو کام پیش نظر تھا وہ بھی موتے اور امت کا نہ تھا  
 کہ دین و اعتقاد کے قبضے کی ضرورت پیش آئی۔ مقصود صرف قومی ممانعت تھی اور اس کے  
 لیے تحریک کی شرکت اور نہ کہ اس کی قیادت اور نہائی کے معاملہ میں بھی یہ دیکھنے کی عاجب  
 نہ تھی کہ جو لوگوں کو ہم آگے دے رہے ہیں ان کا سام سے کتنا اور کیا تعلق ہے۔

یہ تحریک سیاسی تھی، اس میں افواج کا بھی کوئی سوال نہ تھا۔ جن نے سیاسی  
 بھڑ توڑ میں جتنی زیادہ بہادری دکھائی وہ اتنے ہی زیادہ ذمہ داری کے منصب کا اہل قرار  
 پایا۔ اس قاصد کا ثبوت بل پاسنے کے بعد یہ دیکھنا بالکل غیر ضروری تھا کہ اس کی قیادت  
 امانت، ممانعت کا کیا حال ہے اور اس کی سیرت کہاں تک اعتماد کے لائق ہے۔

اس تحریک میں اگرچہ مذہب کا کوئی دخل نہ تھا۔ البتہ اسی قسم کی تحریک ایسے ہی  
 کمزوروں اور بیشعوروں کے ساتھ یا کہ ہر قوم اٹھا سکتی تھی۔ یہی اختلاف کی بات

تھی کہ جو قوم اپنی ممانعت کے لیے یہ تحریک سے کڑی نفی اس لئے نہ سہا اسلام تھا اس لیے  
اسلام کی خدمت بھی اس کے لیے حاصل کی گئیں۔ اصل یہ قرار پایا کہ ہر امت بعد بنائی تو اسلام کے  
ہیں کامیاب نہیں ہے، اور نہ یہ کہنے کا ہے کہ میں کیا کرنا چاہیے اور کیا کرنا چاہیے  
بجائے اس بلکہ حق اور باطل میں فرق ہے کہ جو کچھ ہم کریں وہ اس کی تصدیق و توثیق کرے، اس  
پر اجر کی امید دے، اس پر جہنم کے لیے اپنی کوئی نہ کوئی اصطلاح مستعار دے،  
اور اس میں ہلکا سا تھوڑا سیٹے دلوں کو جہنم کا راستہ دکھائے، اس لیے کہ ہم جو کچھ کریں گے  
اسی پر مسلم قوم کا بھتا تو کھٹ ہے، اور مسلم قوم ہی نہ رہی تو یہ اسلام صاحبِ آخر میں گئے کہیں؟  
یوں اس تحریک میں اسلام سے وہ خود مستقل گمراہ ہو گئے ہر سب سے ذہن داسے پختہ خاندان  
کے کسی پرانے جاننا دھرم سے یہ کہتے ہیں۔ مثلاً وہ اور نصیحت اس کا کام نہیں ہوتا۔ یہیں  
لوگ اپنی مرضی سے جو چاہیں کریں۔ مگر اُسے وقت میں جوڑے غلام کو پکارا جاتا ہے کہ  
اگر حق ملک ادا کر۔ پھر اگر وہ فریب ان حرکات پر مبر نہیں کر سکتا جس کی وجہ سے بوجھ  
وقت آتے ہیں، ادب ہے یہیں جو کہ کسی کہہ بیٹھا ہے کہ صاحبِ جزاء سے اپنے اطوار ٹھیک کرو  
تو اُسے ڈانٹ دیا جاتا ہے کہ ایاز قدرد خود بسفٹاں، تو اسے کام سے کام کر کہ تیری یہ  
جیشیت کہہ ہے ہر گئی کہ ہمارے ممانعت میں دخل دے۔

یہ نہیں وہ بنیادیں جن پر ہمارے قومی تحریک اول سفر سے، ملی اور آخر تک ہر حق  
جائی گئی۔ اس کے حوا سے ترکیبیں میں ہوں اور منافق اور گئے گئے علم سب شامل تھے۔ جگر  
دیہ میں جو جتنا ہلکا تھا وہ آتا ہی اور آیا۔ اس میں اخلاق کی سرے سے کوئی پوچھ نہ تھی۔  
عام کارکنوں سے لے کر بڑے سے بڑے ذہن و رہنما تک میں ہاتھ پاؤں ناقابلِ اعتماد  
سیرت کے لوگ موجود تھے، بلکہ تحریک کا قدم جتنا آگے بڑھا اس قسم کے عناصر کا تناسب  
بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس میں اسلام کو اتباع کے لیے نہیں بلکہ مروت و حماس میں نہ ہیں جو فی پہلا  
کرنے کے لیے فریقِ جنگ بنایا گیا تھا۔ کسی ایک صنف کے لیے بھی اس کو یہ جیشیت نہیں ملی  
گئی کہ وہ حکم دے اور یہ اسے مانیں، اور کوئی قدم نہ اٹھائے وقف یہ اس سے مستعصم رہے  
کریں۔



پھر چونکہ متبادل ہندو سے خاص سیٹے، یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ہر جواب کا جواب دیا جائے۔ اسی لیے کہ، ہر چوتھا جواب ویسی ہی چوتھے سے، ہندو بصر چالی کا جواب ویسی ہی چالی سے دیا جائے۔ جن چوتھوں میں وہ گرامسٹون بھی اس کی ضد میں گئے، اور جو چوتھوں اپنی آوی خود خستہ خیروں کی خاطر مل گیا، مسلمانوں نے اس دلیل پر اس کا رد کتاب کیا کہ ہندو یہاں کہہ رہے ہیں۔ اس کا رد و مبالغہ نے مسلمانوں کی عام اخلاق پر اسے اتنی گراوی کر دی کہ شاید اس سے پہلے وہ کبھی اخلاق حیثیت سے اتنے دھمکتے تھے۔

یہ تو تھا ہادی جس عظیم مشن کوئی تحریک کے اخلاق و دین میں سطر۔ اب لہذا اس کے حل کا کام جان بچے جو وہ آدم کو پہننے کے لیے کر رہی تھی۔

مسلمانوں کا قریب محاسبہ جو اس نے درج کیا وہ یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ہمدردی کے ساتھ اس کے ساتھ سے ملک تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا ہندو کے اندر آپس سے آپس میں باقیوں میں شال تقسیم ایک یہ کہ تعزیرات اسے مسلمان ہندوؤں کے قریب غلام بن کر رہ جائیں۔ دوسرے کہ مسلمانوں کی قریب یا سستہ وہ ایسے چھوٹے چھوٹے خطوں میں جتنے میں کی حیثیت ہندو وہ سست کی سرحدوں پر تو بہتر رہے وہی اگر چہ پورے ہندو کو ملو کہ یہ جیسی باتوں کی حیثیت دوسری کی سرحدوں پر ہے۔ تیسرے یہ کہ ان دونوں خطوں کے درمیان میں ایک ہزار میل کا بندہ علاقہ قائم ہو کہ اور ان کے درمیان نہ واسطہ اس میں یہی طریقہ تعین ہو سکے نہ حالت جنگ میں یہ ایک دوسرے کی حد کر سکیں۔

لہذا یہ بہت دیر ہی سے اس طرح کی مشرقی و مغربی پاکستان کی ایک ملک بن کر بننا اسی وقت تک ممکن ہے جب تک ہندو تقسیم کے میں اقوامی مافیہ کے کاغذ پر کریں۔ لیکن اس وقت میں ان اس کا حتمہ اور جوتے ملنے لگی ہیں اور مسلمانوں کے کسی گروہ سے مدد کی کہ مشرقی پاکستان میں پہلے کوئی بندہ نہ رہا کر ان میں اور ہر اس کی مدد کو خود پہلے مانیں۔ یہ صورت حال اس کے الگ ہو کر اس صورت میں مری پاکستان کی طرف کی مشرقی پاکستان کو جس پر پاکستان پر اس حیثیت تھی کہ اس کو ہندو پاکستان کے نقشہ پر ایک گھونٹاں کر پڑے تھی۔

نظر ہی میں دیکھ سکتا تھا۔ (جہد)





تیاست مہتری کی حالت میں بھی مسلمان نے مسلمان کو روٹنے میں، اصفہان کی خدمت کی چیزیں اپنے  
 حبیب کے ساتھیوں کے ہاتھ ایک ایک کر کے دے دیں۔ دیکھنے میں کوئی شرم محسوس نہ کی۔ مہتری  
 طوطہ خرابی پنجاب، سرحد و سندھ کے مسلمانوں نے، ان کے بیٹوں اور قریبی لوگوں نے،  
 ان کے قتل کے ہر مسئلے میں اہل شیعہ احباب نے امداد کی۔ مہتری طوطہ خرابی نے جو کچھ قومی دود  
 سے بہت تڑپا کرتے تھے، ہندوؤں اور سکھوں کے دل کوٹ کوٹ کر جس میں اپنے گھر بھرتے  
 اپنے پتا و گریں بھائیوں کے بننے میں جو شکوت پیدا کی، مصیبت کے دلت ہوئے مسلمانوں  
 کے ساتھ جس بے رحمی کا سلوک کیا، اور پاکستان بننے ہی بنے غلطی، ہنرمیں مشنسی، رشوت،  
 عیانت، اقربا پروری اور غم و بے انصافی کی جو گرم بازاری کی سے دیکھ کر یہ باطل جہاں ہو گیا کہ میوٹا  
 اخلاق کے غیر زہرے جن جنوں، انہوں اور جوہوں کے بل پر کسی قوم کو اٹھانے کے کیا نتائج ہوتا  
 کرتے ہیں۔

اس سلسلہ کے مراحل میں اگر کسی چیز کو نفع کے خزانے میں لگا ہوا سمجھا ہے تو وہ اس کے موا  
 کھ نہیں ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم نے مسلمانوں کو تو بچایا اور ان کی ایک قومی سیاست بنادی۔  
 لیکن انہوں کو اس "روشن" کارنامے کو بھی ہم بدترین خطیوں سے اٹھ رہاتے ہیں اور بڑی طرح  
 ان کا عیاذ و بیگت ہے۔ یہی تعمیر ہند کا سلسلہ جس طریقے سے طے کیا گیا وہ خطیوں، جگہ جگہ کی  
 ایک جبر و جبر تھا۔ سرحد کا تین گھنٹہ شیعہ سے ملے کوٹنے کے بجائے وہ کیٹینوں پر چھوڑ دیا  
 گیا۔ کیشن کی ترکیب میں قبول کی گئی جس سے شیعہ کا اختیار شیعہ کے ہاتھ میں رہا تھا۔  
 مسلمان کسی غیر ہندو قوم کا کوئی نہیں بنایا گیا بلکہ انگریز قوم سے دیا گیا جو ہندوستان میں غیر جانبدار  
 حق نہ بھگتیں۔ پھر اس شیعہ کا حق کہنے کے اختیارات میں اس شخص کو دیا گیا، جس نے  
 ہاتھ میں چھوڑ دیئے گئے جو ہندوستان کا گورنر جنرل رہا۔ ہاتھ دلا تھا اور ہاتھ کی تیار رہا  
 حکمران نے پیشگی ہاتھ دیا کہ اس شیعہ کے ہاتھ سے جو بھی مسلمان حقوق کو دی جائیں گی، انہیں وہ  
 بہ ہون و چرا دیئے گی۔ اس شیعہ کو عمل کا تجربہ نہ تھا کہ ہندو پنجاب ہندوؤں میں مسلمانوں کے  
 ساتھ ملے ہندوؤں کے ساتھ مل کر کھینچنے گئے، مشرق پنجاب کی پوری تحصیلیں، جہاں مسلمانوں  
 کا، ان اکثریت تھی، ہندوؤں اور سکھوں کے قبضہ میں چلی گئیں، اور سب سے زیادہ یہ لوگ گھبراہ

ناشیع ہندوستان میں شامل ہو گیا جس کی وجہ سے کشمیر کے ہندوؤں کو ہندوستان کے ساتھ تعلق ہونے کا راستہ مل گیا۔

انتقال اختیار کرنے والوں کی جو صورتیں مذکور ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اور صورت یہ ہے کہ ہندوؤں کے حق میں سخت عفرت تھی، مگر ہادی قیادت غلطی سے نہ ہوئی، جو ان کا توں قبول کر لیا۔ پاکستان کے صدر کی فوجیں بلکہ مشترک فوجیں اس کے حق میں لڑیں، اور فوجی و عوامی ہندوستان کے قبضے میں تھے اس کے حق میں کامروا بھی ہندوستان ہی کے ہاتھ میں تھا، اس کے خلاف اور اس کا خلاف بھی پرانی طرح متعلق نہ ہو تھا، اور اس حالت میں پاکستان کی مستقل مسکلت تھوڑی مدت درود اندر کی پوری ذمہ داری کے ساتھ قائم کر دی گئی۔ راجہ اسی حالت کا نتیجہ ہے کہ اپنی قوم کے حق میں اُسے جتنے کر چاہے ہندوؤں کے چنگ سے نکال دے، وہ بھی اس کے ہاتھ سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتا۔ چونکہ انھوں پر انہیں سے ہر قسم کی توجہ کیا اور ہم اپنی بے بسی کی وجہ سے ان کی تک دھم کے بغیر کے مسلمانوں کو نہ ہمارے ساتھ چلا کر کشتہ میں اور ہم ان کے ساتھ جہیز میں گھر کر رہنے کی جرأت نہیں دیکھتے۔ ہادی کوئی نئے سے دلیا جاتا ہے اور ہم ہر وقت پر اس سے دہتے چلے جاتے ہیں۔

تو ایک سال کے بعد کہا جا رہا ہے کہ وہ سب کچھ مذکورہ منشی نے اپنی بڑائی سے کیا تھا اور ہم اس پر سنی نہ تھے۔ مگر وہاں یہ ہے کہ جب یہ بیعت کی ہے، یہی تھی اور اُس کا کچھ نہ تھے کہ وہ سب منشی ہماری برادری کے ملان کر رہا ہے، اس وقت پہلی زبان کہاں چلی گئی تھی؟ کیوں نہیں اپنے نے اپنی قوم اور ہادی و دلیا اس شہادت کی اطلاع دی؟ کیوں آپ خاموشی کے ساتھ وہ سب کچھ قبول کرتے چلے گئے جو مسلمانوں کے لیے سخت تھا و کن تھا؟ کیوں کہہنے اسی وقت یہ اطلاع نہ کیا کہ وہ سب کچھ مذکورہ منشی اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہے اور ہم پر مضامین و رغبت اس کی ذمہ داری میں سرکھ نہیں ہیں، یہ صرف یہی نہیں کہ اس وقت آپ خاموش رہے۔ بعد میں جب اس خط کو قریب قریب کے سخت ہو چکا تھا، تو اُس نے اور دیکھ کر مسلمانوں کو اس کا بدترین خیال بھگتتا ہوا اس وقت بھی نہیں اپنی اپنی منشی و ملت کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔

جیسا کہ ہم اجماع میں کہہ چکے ہیں، اس سال پہلے مسلمانوں کے ساتھ یہ حال کیا تھا کہ وہ ہندو مسلمان کے ساتھ نہ رہتے تھے، آپ کو کیسے پچھتیں۔ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ ان کی ایک ایک حالت

کے اصولوں اور اسلامی پیرائے کی طاقت سے اس خطرے کا خاتمہ کیا جائے۔ مگر اس عمل نے مسلمانوں کو  
 اپنی زندگی اور دین کے آؤ گئے پر آؤ نہ ہوئے۔ یہ پیرائے بیکار ہے کہ سے نہ پہچان کر کیا ہوتا۔  
 دوسرا عمل جو پیش کیا گیا وہ یہ تھا کہ تو میری مینڈ پر سیاسی جنگ لڑی جاتے۔ اس عمل کو مسلمانوں  
 نے قبول کیا اور اپنی مددنی قومی طاقت، اپنے تمام فدا سچ اور اپنے جملہ مصلحت اس قیادت کے  
 حوالے کر دیئے جو ان کے قومی مسئلے کو اس طرح حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس برس کے بعد سچ اس کا  
 پھل کا نام ہمارے سامنے ہے اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس نے کس طرح کس مصلحت میں ہمارے  
 مسئلے کو حل کیا۔ جو کہ ہر جگہ ہے وہ تو ایش ہے، اب اسے برا نہیں جا سکتا۔ اس پر اس حیثیت  
 سے تو بحث کیا ہے کہ یہ نہ کیا جاتا تو کیا ہوتا۔ البتہ اس حیثیت سے اس پر بحث کرنا ضروری ہے  
 کہ جو مسائل اب ہیں وہ پیش ہیں، کیا ان کے حل کے لیے بھی وہی قیادت مندوں ہے جو اس سے  
 پہلے ہمارے قومی مسئلے کو اس طرح حل کر چکی ہے، کیا اس کا اب تک کا کام نہ ہی سنا رہی کر رہے  
 کہ اب جو بڑے بڑے اور بزرگ مسائل ہمارے سر پر آ رہے ہیں، جن کا بیشتر حصہ خود ہی قیادت  
 کی کار فرمایوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے، انہیں حل کرنے کے لیے ہم اس کا اعتماد کریں؟

(ترجمان القرآن - جولائی ۱۹۴۸ء)

## تتیم کے بعد سامنے آنے والے مسائل

مسئلوں میں دو قسم کی حیثیت ایک تو کم کے جو بڑے بڑے مسائل سے دو چار ہیں ان کا  
 ایجنٹ کمپہری طرح ہائے نہیں پایا گیا ہے۔ چار سے سو چھ بھنے دے بیٹھے ان مسائل کا کچھ نہ کچھ  
 انداز مقررہ رکھنے میں انسان پر غور و فکر کرتے ہی رہتے ہیں، لیکن عام طور پر جو پیش پیش  
 دھمکنے میں آتے ہیں ان سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان مسائل کا پورا سا طائر کیا گیا ہے اور  
 ان کا تجزیہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک مسئلہ کی نوعیت کتنی ہے، کیا اس  
 کے مہلک ہیں، کیا اس کی اصلاح ہے، اور کس طرح وہ حل ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کم  
 بحیثیت تجربی اب تک اپنے اصل مسائل سے غافل ہے۔ پھر ہمارے اندر ایک بڑی  
 تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جن کی خواہش اور کوشش یہ ہے کہ کم کو ان مسائل سے غافل  
 کیا اور رکھا جائے۔ وہ اس کی قیادت سے ہٹا کر بنیادی مسائل کی طرف پھرتے رہتے ہیں۔  
 وہ اسے اب تک وہی نشہ چنے چاہتے ہیں جو اناروی سے پہلے چاہتے تھے۔ وہ اسے  
 تھکایا دے دے کہ مطلق کر رہے ہیں کہ یہ مسائل باوجود ہی نہیں ہیں یا ہیں ہی تو ان کے  
 لیے کچھ زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ باتیں غور و نامانی کے ساتھ جاری ہیں اور بنیادی  
 کے ساتھ اور غور کسی پہلو کی طرف سے کے لیے یہ کتنی ہی مفید ہیں، ہر حال تو کم کی غیر خواہش کا  
 ان میں شاید شک نہیں ہے۔ تو کم کی جھوٹی اسی میں ہے کہ اس کے سامنے واضح طریقہ و راہ





بعد ازاں جسے اسی طرح خائب ہو جائیں گے جس طرح وہ اندس (دھپیں) ہمارے شہید (مسلم) سے خائب ہو چکے ہیں۔ لہذا اللہ۔

پارکھ سناؤ کہ کیسے جنم نشان قوم اس واقعہ کا کل بے بہا ہے۔ جس پر ہستم پر ہنگ  
 اس کا وہ پکارا اس کی بدانتساب کے ایک ہی پٹے سے ٹکٹ دی۔ جس کو توئی تکیم پر اس کا ہذا  
 احمد تھانہ طرفوں ایک تھیں اسی نہر کی۔ جن یوں کے ہاتھ میں وہ اپنے سموات سر نہ  
 کر طعن پر بیٹھی تھی وہ اس کے بے باطل ہے کا ثابت ہوئے۔ ان کے کہہ کا بروفا خوش کیس تھ  
 اٹھ کر پاکستان چلے آئے، اور قادی اکبر و اما خرب دشمنوں کے آگے توہر واقف کر نے میں  
 مشغول ہو گئے، میرت و انھوں کے بیروں کو جس جسوں کے کی پر یڈر بننے تھ وہ زلف  
 کا نغ جلد جانے کے بعد ایک دن بھی اپنے تھ کی ست استوار نہ تھ سکے۔ انتہا کی پہل ہی  
 راستہ دے بنے ان فلسفیات اور امور کو قادی معتقد سے بیٹھے جن برس سے مل سے وہ اپنی  
 قوم کو رہا تھ۔ دو قوی نظر یہ ایک نصرت ان کے نزدیک باطل ہو گئی۔ ایک قوی نظریے کی  
 حد انتہا پہنچ گئی، پر مشفق ہو گئی۔ تھ جنت سے کی حد انتہا پہنچ گئی، پر مشفق ہو گئی۔  
 چند ہفتہ کے اندر ہی بدیہی وقت کو دین پرستی میں یہاں شریعہ حد نصیب ہی کو ان کے تھ سے  
 غلط ہندو مسلم شہریوں تک کی تھیزیں آئے تھیں تاکہ مسلم و ہندو کے اندر سے یہ کہ نصرت میں  
 و یکدم تو دیگری۔ کا اس میں تو کسی طرح فائدہ ہو۔ اس پر سے گردہ میں سے ایک کو ان کی زلف  
 جو داری کو تھ کے بعد سرو سے سکتا۔ سدی جامعیت بازی گوں سے ہٹی پڑی تھی جنہوں نے  
 جب جب عیب تھواریں لگا کر دنیا کو اپنی بدیہی میرت اور کو تھیں انھوں کا تھ لگا دیا اس قوم  
 کہ ہی ہی عزت بھی داک میں داری جس کے وہ فائدہ سے بنے ہوئے تھ۔

اس سے یوں ہو کر اس ملک کی ہوتی قوم نے ان تھوں کا سہارا لینا چاہا جو پہلے سے  
 لاٹھی دیا کی سلا پر تھوڑے تھ، مگر اب وہ بھی اس کے لیے بے کار ثابت ہو رہے ہیں۔  
 ان میں سے ایک گردہ اب بھی رہی رائے رکھتا ہے کہ مسلمان اپنے امتیازی و جد کو خود بخود  
 عافیت اور ہندی توہیت میں اپنے آپ کو گم کر دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ فلت کا نہیں بلکہ  
 "مسلم عمری" کا منہ ہے جو مسلمان کے راج کو بچے اس بابت اور دھپ داس نہ سکتا ہے۔

”مگر وہ کہ مسلمان کے مستقل وجود اور کچھ اس کے حقوق کا بھی تصور کرتا ہے، مگر یہ ہم  
 زمین پر کتے ہی پرانے سے پرانا لاکھڑی مسلمان بھی ہندوؤں پر تنوں کی تلواریں پس لیکھتا ہے  
 پاشی مسلم علی بن کتبہ ہے۔“

ہندوستان کے یہ مسلمانوں کا مسئلہ اس واقعہ کی حقیقت ہمارا سب سے بڑا قومی مسئلہ ہے۔  
 تقسیم نے ہمیں کھٹ مٹا دیا ہے، مگر وہ ہیں ہمدی ہی قوم کا ایک حصہ اور معمول نہیں ہو سکا  
 حصہ ان کو ہم میں ہی مٹنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتے۔ اب کام پر مٹنے بڑا حق ہے، اس لیے  
 کہ اس پاکستان سے ہم قطع ہو رہے ہیں اس کی اصل حقیقت انہی نے ہو چکی ہے۔ وہ اس  
 لیے ہی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ جہاں بہترین مردم خیز حصہ وہی ہیں۔ انہیں اس دنیا  
 پر بھی مزید تقاضا نہیں کیا جاسکتا کہ ہماری مسز سالہ تھریک ہم جدید شہرت اور ہندو کے تمام  
 بڑے بڑے نمائندہ (Leaders) اور تھریک ہی مراکز کے انتظام میں ہیں۔ اور سب  
 سے بڑا مگر کہ انہیں مٹنے سے دل سے یہ ہندو کیے گوارا کرتے ہیں کہ ہندو ہندو نے  
 پچھلے ایک ہزار سال میں جو عیشیں اور جانتا نیاں اسلام کے پیغام کو انہیں ہندو میں پیوستہ  
 کیے کی ہیں ان سب پر پالی چھوڑتے ہندو کی رحمت مسٹ کر بر حکیم ہند کے مرتدہ  
 چھوٹے چھوٹے حقوق میں مصروف رہتے۔ لہذا کوئی شخص بے پروائی کے ساتھ نہیں کہہ سکتا  
 کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ نہیں یہ پاکستان کا بھی دیا ہی مسئلہ ہے  
 جیسا ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے، امدادی مواقع، اس پر ہی ہندو معاشرہ کا مسئلہ ہے جو اس  
 صورتی تقسیم کے وجود اب بھی ہندوستان اور پاکستان میں ایک ہی حصہ ہے۔“

اب حال یہ ہے کہ ان ہندو مسلمانوں کو پھٹنے، اور ہندوستان میں اسلام کی رحمت  
 کو انہیں اوتار دینے کے لیے ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اب ہمیں کوئی حقیقت سے ہمارا دار  
 ہلال مسلم لیگ کے نظام اور اس کی قیادت پر موقوف ہے اس لیے یہ سوال تھا اس کی طرف چھوڑا ہے۔  
 کیا تقسیم سے پہلے مسلم لیگ کی قیادت غلطی نے اس مسئلے کو کوئی حل تجویز کیا تھا؟ کیا تقسیم کے بعد  
 ہندوستان میں مسلم لیگ کی قیادت کے لیے کام کرنے کا کوئی موقع ہے؟ کیا  
 پاکستان مسلم لیگ اس دور میں اپنے پاس کوئی واضح عمل رکھتی ہے؟ کیا پاکستان کی وجود

حکومت میں قابل ہے کہ چند مستقل مسائل کی قسمت ہر کوئی اچھا اثر ڈال سکے اور بدنتیں میں کام کے مستقبل کو دشمن نہیں تو کم از کم غور و خیال کرنے کے لیے کہہ کر سکے، اگر میں سوچا گا کہ رو بہ ہے تو اسے سرگرم کہے ہم بہت خوش ہوں گے۔ اگر نہیں ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ جب تک کہ اسے قومی مسائل کی سہرا ملداری موجودہ سیاست و قیادت کے اندر میں ہے، اپنی صف کے اس سب سے بڑے مسئلے کو کوئی حل ہندے کے لیے ملے نہیں ہے۔ اور یہی سیاست و قیادت ہندی سربراہ کا سر ہی تو ہیں چند سال کے اندر دیکھنے کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ وہاں سے اس کا کوئی ملک اور مشرقی بحال کی سہرا میں سے کاٹیا وائو کے مراحل تک کا پورا علاقہ اسلام سے غافل ہو جائے۔

دوسرے مسائل پاکستان سے متعلق ہیں۔ عموماً ان سب مسائل کو پیٹ کر موقوف ایک بڑا مسئلہ ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے جس کا عنوان ہے "پاکستان کا دفاع اور استحکام"۔ اس کا حل پیش کیا جاتا ہے کہ سب پاکستانی لی کر ایک سربراہیں اور قومی جیشیت سے مضبوط ہوں۔ لیکن غور و فکر سیر کر سنے ہی پر یہ بات ٹھن جاتی ہے کہ پاکستان کا دفاع و استحکام کوئی ایک سادہ مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت سے مسائل کا مجموعہ ہے۔ اور اس کا حل بھی اتنا سادہ نہیں ہے جتنا اسے سمجھا گیا ہے۔ کیا ایک ملک جس کے افواج کو ٹھن لگا ہوا ہو، محض اسلحہ و فوجی تربیت کے بل پر کھڑا ہو سکتا ہے؟ کیا ایک ملک جس کے جن عزیز کسی کو ایک دوسرے سے چارٹنے کا سبب متصادم کرنے کے لیے بہت سے طاقتور اسباب موجود ہیں، ایک ہر جائزہ کی تسبیحیں پڑھنے سے واقعی ایک ہو سکتا ہے؟ پس بھائے اس کے کہ ہم سادگی و سادہ لوحی سے خود کام لیں یا دوسروں کو سادہ لوح فرض کر کے ان کی توجہ حقیقی مسائل سے ہٹانے اور فرضی مسائل کی طرف پھرنے کی کوشش کریں، ہمیں خارج طور پر یہ دیکھنا چاہیے کہ کوئی واقعہ پاکستان کا بتا دے تو خود اس کا استحکام کی مسائل سے وابستہ ہے اور ہم کس طرح انہیں حاصل کر سکتے ہیں۔

اوپر مسئلہ ملک کے افواج کا ہے جو سٹریٹجک مسئلہ ہے۔ جاری نام محفوظ میں سب سے زیادہ افواج ہی کی غرایاں کا سنا ہیں۔ اس کا سزا دہرستے دینے پر ہماری

صحت میں پھیل گیا ہے۔ صحت اُٹھنا اُتر چکا ہے کہ اگر ہم اسے اپنی قوی و خسی نہر ایک ڈار میں تو ہرگز  
بہتر نہ ہوگا۔ کوئی بیرونِ خطروں ہمارے لیے آٹا خونناک نہیں ہے جتنا یہ اعداؤں خطروں ہے۔ یہ  
بہتری قوتِ حیات کو کھا گیا ہے اور کھائے چلا جا رہا ہے۔

پچھلے سال کے فسادات میں بد اخلاق کا ہر طرف ان اٹھ تھان بہری کا ہادی کے ایک بہت  
بڑے حشر کو ہلے گیا۔ قتل، خون، آتش، زنی، اور مردوں کے بھگنے کی مشق تو شدید ہر مردوں  
ہی کو پہنچی ہوگی، لیکن رٹ، مدد کی آواز نے ملکوں کو خوف کے چوڑا۔ اس خوفناک فساد کی صحت  
کا فائدہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ایک ملکوں کی شعاعی بڑھاپا ہی میں صرف ایک شخص بیسٹا میں  
نے لوٹ میں جتنا پیٹنے سے ہر بیز کیا تھا، اور ایک خیمہ کے صحت ہر گھوڑوں میں سے شکل ۲۵

گھر ایسے ہونے لگے ہیں جس میں اُٹھنا مال نہ پہنچا تھا۔ چھلنی پٹروں میں صحت جاہلی حوام اعدا ہادی  
وگہ ہی شامل نہ تھے۔ بڑے بڑے کشتی خاد اور معزین، اعلیٰ درجہ کے حکیم، فتنہ، صومالی، ہر حرکت  
میں بڑے رتجے لکھنے، دے صحت، ہی ہی ہی گنگا میں باقود صحت ہے تھے، بلکہ وہوں  
میں خوب جی بھر کر تھلے۔ پوس کے چھلے بڑے صحت، اسی و انتظام کے ذریعہ صحت،  
حکومت کے اعلیٰ اسے، اعلیٰ اہلدار، بڑے بڑے نامہ قومی کارکن، اہلکار کے کھرا، اور بعض  
قدراؤ تک اس گنگا میں فروغ لگے۔ یہ واقعات کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ایک  
دنیاں کو جانتی ہے اور شرمناک کی طرح ریت میں نہ چھپنے سے کہ حاصل نہیں۔ یہ حقیقت  
مہلکں کل ہے کہ ہمارے اہلکار کے جو بڑے بڑی طرح ڈیجے ہو گئے ہیں۔ ہم میں ہر ما آدمی  
سے رجسٹر میں قتل و خون کے مشتاق ہو چکے ہیں، ہزاروں ایسے لوگ ہیں جو قتل سے ہر جہے  
بدتر حرام کا ارتکاب کرسکتے ہیں، اور ایسے سے سے کہ اُن کے جتنوں تک کم از کم وہ فیصدی  
تسلطون لوگوں کی ہے جنہیں ہر حال میں پیشے میں تسلط کوئی مال نہیں ہے بشرطیکہ انہیں قانون  
کی گرفت سے صحت نہنے کا اطمینان ہو۔

ان حالات میں جاسے سے یہ کوئی بدتر نہیں ہے کہ اس سے بدتر جانیوہ بدتر صحت  
صحت کا فہم بدتر صحت میں بدتر صحت سکھوں سے ہر جہے۔ جو ہر نہیں نے کھایا  
کی نگرانی ہو یا نہ ہو، ہیں تو اس نہر کی نگر ہے جو بہری۔ لوگوں میں اُتر گیا ہے۔ کیا حق جو ہر

اس لیے ایک غارتوں کی اتنی کثیر تعداد پہنچنے لگا کہ یہ سمجھنے لگے ہم اپنی قومی زندگی کو مستحکم بنا سکتے ہیں، یا کہانہ برصغیر میں برقی غریبوں کی جان مال اللہ صحت کے ساتھ ہی مر رہی تھی۔ ان کے ساتھ ہی ہم ہر گز نہیں لادے، چنانچہ کوئی باخدا راہ ہمدی سیرت و کردار پر نہیں چھوڑ گئیں، ایک ہی جگہ سے ہونے لگوں اس وقت انہوں پر ہر نعمت کر کے دے دی جائے گی۔

ایک سال کا تجسس رہا ہے کہ جس اخلاقی زوال کی خبر گوشتہ فداست نے دی تھی وہ واقعی سرحد زد تھا۔ مسائل وہ ایک غایت خوفناک مرض کی کیفیت سے جاسے لگوں اب بھی موجود ہے اور ہماری قومی زندگی کے ہر شعبے کو غراب کر رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد ہر دشواریاں نظروں ایک نئی ملک کو پیش آیا کرتی ہیں وہ تو ہمیں پیش آنی ہی تھیں، اور جو صاحب دیگر ہندوستان کے لیے باہمی سازش سے ہم پر نازل ہوئے وہ بھی اسی جگہ تھے، لیکن یہ سب کچھ بڑی آسانی سے اٹھ کر لیا جاسکتا تھا اگر ہمارے عوام دوزخ میں اور ہمارے سربراہ ملکوں کے اخلاق اتنے بگڑے ہوئے نہ ہوتے۔ یہ واقعہ ہے، اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ خلق کی غریبوں نے ہماری مشکلات اور مصیبتوں کو جتنی کر کہ تھیں، اصل سے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا۔

مثال کے طور پر ہمارے ملک کے کچھ عوام پاکستان بننے ہی ایک پہاڑی طرح ہم پر نازل ہوا، بلاشبہ ایک ملک کے لیے اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں کس پر سادہ ستر لاکھ سے سو ملین آدمی ایک نشت و کار ڈال دیئے جائیں۔ لیکن فور سے دیکھیے کہ اس طرح جو مشکلات حقیقتہً زندہ ہوتی تھیں ان پر کتنا اضافہ ہماری اپنی اخلاقی غریبوں نے کر دیا ہے۔

لے تفری اور لڑائی کے دو حصے پاکستان میں پناہ لینے والوں کی قومی تعداد ۱۰ لاکھ تھی۔ لیکن ان کو سامنے ہی جو کہ وہ ملک کے گھٹے میں لکھنا، اس سے کچھ کم لگا ۱۱ لاکھ آدمی ہمدی کی دوسرے ستر لاکھ لڑکے دے دیے۔ غریبوں کی تعداد ۱۰ لاکھ تھی، مگر ہندوستان چھوڑ کر آئے والے ۱۰ لاکھ چھپیں ہزار مسلمانوں کے گھٹے۔ دوسرے حصے جاننے کے لیے ۱۰ لاکھ تھے، مگر ہندوستان سے نکلے والے صرف ۱۰ لاکھ مسلمانوں کو ان سبائیگا۔ ہمارے کئی باد کر کے اس قدر سبائیگا سے پاکستان کے لیے اسے سونپنا (بانی ستر ۲۰ پر)۔

اور سکھوں نے جو خلافت، سامان، اسوال، کانیس، کارخانے، زمینیں اور مٹری پھیریں  
پاکستان میں چھوڑی تھیں، اگر ان پر خود پاکستان کے باشندے، حکومت کے خزانے اور  
قومی بکری تھیں کر کے نہ بیٹھ جاتے تو کیا ہاجرین کو باغی نہیں ہم کہہ سکتے ہیں؟  
سے اب ہم دو چار ہیں! مغرب پر اب اس قدر دباؤ ہے کہ حکومتوں سے لے کر کھانے والوں  
لے کیا کچھ چھوڑا تھا، اس میں کاکتہ سے آئے دواؤں کو دیا گیا اور کتنا حقہ کی کوئی پیر مستحق کہہ سکتا  
مگر یہ امر اور شمار دشمنی میں آجائیں تو دنیا یہ دیکھ کر دنگ رہ جائے کہ ہاجرین کے مسئلے کا جو  
ذمہ فیروں نے ہم کو لگایا تھا اسے سرطان کا پھوڑا بنادینے والے دوا مل کون ہو گئی ہیں۔ نہیں  
کہا جاسکتا کہ اس تمام میں آپ کس کس کو رہنے دے لیں گے۔

پھر وہ لوگ کس ملک؟ پاکستان زعمہ ہمارے کے غور سے لکھے جاتے ہیں، بڑے بڑے قوم کے  
درد میں تڑپے والا کوئی نظر نہ آتا تھا، اور جو آج بھی زبان سے بہت بڑے مہاجر صرف  
ہوتے ہوئے ہیں، ان میں حکیم الامت اکثریت آپ کو ایسے افراد کی نظر سے لے کر پاکستان  
بننے کے بعد ہر زاویے سے اس کی کشتی میں سدا رخ کیے جا رہے ہیں۔ یہ رشوت خوریاں،  
یہ خیانتیں، یہ نہیں، یہ قومی فساد پر اقربا پرمدیاں اور دوست نوازیوں، یہ فرقہ فتنے  
یہ ڈپس سے گریز، یہ طرب قوم کی دوست پر حیا سفیایاں، ان کا ایک طوفان سا جھلنے نظام  
طرح کے ہر شعبے میں برپا ہے اور جس میں بکثرت چھوٹے اہل کا دل سے کھٹے کر بہت سے

دبیرانہ (۳) ہے، یہ ہر وقت تک بھی ہے پوری طرح حل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے  
ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی جرمنی پر جرمنی پناہ گزینوں کا ایک بے حساب ٹوٹ پٹا، مٹی کے گروں، ایک  
بڑے بڑے ہتھیاروں کی تعداد ایک کروڑ ۲۰ لاکھ تک پہنچ گئی، اور یہ اس حال میں تھا کہ مغربی جرمنی سے  
جائے والا کوئی نہ تھا جو اپنی جائیداد خالی چھوڑ گیا ہو۔ اس کے باوجود جرمنوں سے پناہ گزینوں  
کو بڑی خوبی سے بسایا گیا اور کام پر بھی لگایا، بلکہ ہاجرین کا یہ سیدھ و سبب مغربی جرمنی کی معاشی  
توسیع کا ایک بڑا ذریعہ بن گیا۔

اعلیٰ مقام حکام اعلیٰ نمائندگان سے کیا یہ سب پاکستان کو مضبوط کر کے والی چیزیں ہیں؟ یہ ملکوں  
 اور علاقوں کی تباہی و تخریب جس کی بدولت ملک کی صنعت و تجارت کا بڑا حصہ تباہ ہو گیا ہے۔  
 دھوکے میں چھو گیا ہے، کیا یہ پاکستان کی طاقت کو مستحکم کرنے والی چیز ہے؟ یہ بلکہ کامیاب  
 حکومت کے ٹکس لیا کرنے سے گریز کرنا، دھوکے سے بچنے کے لیے، نیز دوسرے ناجائز  
 فوائد حاصل کرنے کے لیے سرکاری ملازموں کو رشوتیں دینا، اور جہاں بھی قانون کی گرفت  
 سے بچ نکلے گی امید ہو بلکہ نڈا کا بٹہ سے بٹا نقصان کرنے میں بھی تامل نہ کرنا، کیا یہی  
 وہ چیزیں ہیں جو پاکستان کو مضبوط کر سکتے ہیں؟ ملک کے باشندوں کی اخلاقی حالت  
 اس قدر گر چکی ہے کہ ہندوستان سے آنے والے ہاجرین کی لاشیں جب وہاں لگے اور دھوکے  
 و دھیمان پڑی شادی قیس لگے کیوں میں بھی موت کا بازو گرم تھا اس وقت ۱۶-۱۷ لاکھ مسلمانوں  
 کے شہر میں سے چند ہزار نہیں، چند سو کوئی بھی ایسے نہ ملے جو اپنے بھائیوں کو ذبح کرنے  
 کی زحمت اٹھاتے۔ متعدد دینیوں ہمارے علم میں ایسی ہیں کہ کوئی ہاجر مرگیا ہے اور اس  
 کے عزیزوں کو نہ جاننا پڑ جانے کے لیے اجرت پر کوئی دھوکا دینے پڑے ہیں۔ یہیں  
 ملک بھی زبردستی ہے کہ سرحد کے قریب کسی گاؤں میں ہاجرین کو زمینیں دی گئیں اور  
 مقامی مسلمانوں نے سرحد پار سے ملکوں کو بل کر ان پر حملہ کر دیا تاکہ یہ جاگ جائیں اور  
 زمین ہمارے قبضہ میں نہ رہے۔ یہ ہے کہ قوم کی جو عقلیں ہندوستان کے غلوں سے بڑے  
 کٹ گئی ہیں ان کی صحبتیں یہاں خود اپنے بھائیوں کے احقاروں سے ذرا نکلیں۔ اس  
 قسم کے واقعات کتنے نہیں ہیں بلکہ بحیثیت ہمارے علم میں آتے ہیں۔ اہل شرناک جو ہم  
 کو ملک صحت نام شہید سمجھ رہے ہیں۔ کیا اسے شدید عوامی تنزل کے ہوتے چنے  
 ہم، امید کر سکتے ہیں کہ کسی بڑی احمدی یا یروانی صحبت کے محتاجے میں ہم مضبوطی کے ساتھ  
 کھڑے ہو سکیں گے؟ اور کیا یہ اخلاقی تنزل اپنے ملک کی تسمیر کے لیے ہماری کسی اہم کامیابی  
 کے ساتھ چلے سکتا ہے؟

حتمی دیکھ لیں ہم اس سماں کو جسے دیکھتے ہیں کہ ہماری تباہی کے سیاسی تحریک  
 کے ساتھ قوم کی اخلاقی حالت کو سنبھالنے کی فکر کریں، ہم کو پچھتے ہیں کہ بس وہاں کے لیے

کیا کر رہی ہے؟ حقوق بنانے اور سنو دے گا کیا سرحدستان اس کے پاس ہے؟ کیا قذیر اس کے  
پیش نظر ہیں؟ کیا وہ نگر محسوس کے مقابلہ ہے؟ یہ ایکس ایم سرال ہے جس کا واضح میں باب میں ملتا  
چلیے۔ اگر اس کے جواب میں گمن خدای کی طرف اشارہ کیا جلتے جو کبھی کبھی بیڈیو دسکاری  
پریس میں تقریریں کے ذریعے سے ایک کو اور حکومت کے چمٹے اہل قاعدوں کو کی جاتی رہتی ہیں،  
تو ہم چاہتے ہیں کہ دیکھیں کہ کس طرح کی فعل تسمیوں سے ہمیں صاف لگا جائے۔ اس سے  
کو بد اخلاقی کے اصل سرچشمے تو خود تعریفیت کے متروکوں میں شامل ہیں۔ کاذب الی اس پر انداز کی  
بائیں تو اس وقت بیت لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں جن کی ٹری کٹریٹ ہی کے اہم قسم سے بد اخلاقی  
کا بڑا رگڑ ہے۔ میر جواں مست کی زبان سے لانا نہ کامیابی، خود غرضی کی زبان سے ایثار کا  
دعوا اور گھٹا کہ زبان سے نیا کا دل منافی عظمت کے کب تمل کیا ہے کہ یہاں اس کے کانگ  
جوانے کی قوت کی جائے!

دختر اسٹو جو پاکستان کی زندگی اس کے بقا اور اس کے تمام کے لیے بڑی اہمیت  
لکھتا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان جو فاضل پر مشتمل ہے انہیں کس طرح جوڑ کر یکساں بنایا  
جائے اور فاضل اس وقت شدت کے ساتھ اپنی افکار نظر آ رہے ہیں مگر سب کے کس چیز کے  
غیر تکیہ ہی اگر شخص اور ہم پر سستہ رہیں تو اس کے وجود کا برقرار رہنا سخت دشوار ہوتا ہے  
اُس کے اجزائے وجود میں پر کشیدگی کا رجحان یہ سنی لکھتا ہے کہ اس کی اپنی تیسری میں غزالی  
کی صورت صفر ہے۔ ہند اگر یہ واقعہ ہے وہ دونوں ہے جو اس کا ناکار کر سکتا ہے کہ پاکستان کے  
ترکیمی عنصر میں جمعیہ و تالیف کے بجائے کہ افکار و پراگندگی کے اعلانات پائے جاتے ہیں اور  
کہ زمین کو بڑھانے میں ٹیڈی ہوئی ہیں، تو ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہندو اہم کام، بلکہ بھی ہوئی  
بدن پر ربد ہی میں ایک خطرناک رخنہ موجود ہے جسے دور کیے بغیر ہم اپنے آپ کو مستعد نہیں  
دیکھ سکتے۔

پاکستان جو فاضل پر مشتمل ہے ان میں میں ترقی میں اس وقت باطل نمایاں ہیں۔  
پہلی طرف، جو جریں دھیر جہاں کے درمیان ہے، ہماری ہندی میں جہاں کی تباد  
اس وقت، وہ دھکے تہوڑ ہو چکے ہیں اور یہ تعداد دھنا فروں ہے، کہو کہ ہندوستان کے ہر



حضرت مسکن کھڑا کھڑا پاکستان کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ مشرقی بنگلہ کے لوگوں کا رخ مشرقی پاکستان کی طرف ہے اور ہندی ہندوستان کے لوگ مغربی پاکستان کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ یہ نیا مغرب ہندی بھائی کو ایک مستقل عنصر ہے اور ہندوؤں کے رونا سے کوئی سمجھتا نہیں ہے۔ یہ ایک متحدہ سب سے ایسے ہیں جو کئے اور پرانے عنصر کو مل کر ایک قوم بننے سے روک رہے ہیں۔ کچھ تو بھائی، تہذیب، معاشرت اور عادات و عیال کے تسلسل کی توقعات ہیں جو ہر حال ایک سخت ملک کی حالت میں مانع ہوا ہی کہتے ہیں۔ مگر اس پر غیر معمولی اعتقاد میں چیزیں کر رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہمارے اور غیر ہمارے کے مصلحتوں میں ہماریت کے اعتبار سے اور نفسانی خود غرضیاں کا فرما ہیں۔ یہ چیزیں ہرگز ان لوگوں کو صحرانورد بنادیتی ہیں۔ ان کو صنعت جنسوں کی شکل میں منظر کر رہی ہے۔ ان کے درمیان تودیریں کی محبتیں پیدا کر رہی ہے اور دونوں طرف کے تنگ نظروں اور عرض مضامین کو کہہ رہی ہے

دوسری تفریق جغرافیائی مثل اندلسی ہے۔ پاکستان قبل تو دوسرے خطوں پر مشتمل ہے جس کے درمیان ایک بڑا میل سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ پھر یہ خطے بھی اپنی اپنی جگہ ذرونی وحدت نہیں رکھتے بلکہ مختلف درجات سے مرکب ہیں اور ہر جزو دوسرے جزو کے خلاف تعصب رکھتا ہے۔ اس وحدت و حقیقت ہم ایک قوم نہیں ہیں۔ پانچ مختلف قومیں ہیں جو صنفی طور پر ایک سیاسی وحدت میں منسلک ہو گئی ہیں ایسی سندھی، جوہی، پنجابی، پنجابی اور بنگالی۔ اس میں سے ہر ایک قوم کے اندر طائفہ نگاری کا رجحان تقویت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور بعض نسلوں

۱۹۵۰ء میں کھوکھرا پارکے رائے آئے وہاں کے مسلمانوں کی تعداد ۲۰۹۹، ۱۹۴۱ء میں کے بعد بڑھ گئی یہ تعداد ۵۰۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کی بدولت سے، ان کے مسلمان زیادہ تر ہندو سے مشرقی پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے۔ (دہید)

۱۔ مشرقی پاکستان میں وحدت باجریں، حکومت غیر بنگالی مسلمانوں کے ساتھ خود مسلمانوں نے خود کو سوکھایا جو بنگالی مسلمانوں کی ترقی کے لیے ایک بڑا ہندوستان میں ہندوؤں کے سکھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔ (دہید)



وہاں بیست کی سیاسی وحدت اس کے اس کو بتا رہا تھا ایک حد تک ملتی ہے، مگر چیز دینی کو جو بزرگ تھی وحدت کو ہرگز پیدا نہیں کر سکتی جو بیست کی اخلاقی ترقی اور پروانہ خیرات کے مقابل میں اس کی تشدد و نفس کے لیے مفردی ہے۔ پختہ برسوں دن، دیکھنے پر سنے ہندو تیسریں تینوں کر سکتے ہیں اور دماغیت ہی میں فیضانِ روح میں بن کر کھڑے ہو سکتے ہیں۔ نویت کا پرچار بھی اس معاملہ میں بے بس ہے۔ ہندوستان میں ہم اس کا تجربہ دیکھ چکے ہیں مغربی تصور اس کے مطابق تو مسیح کی تبلیغ و فیضانِ دہاں تین بڑی حق گوئی، اس سے جس کی نادی میں وحدت پیدا کرنے کے بہانے میں تمام گروہوں میں اپنے اقلیتی و جمہور کا احساس رکھا جاو اپنے اندر آہستہ کے اندر رکھتے تھے۔ پھر سماجی اخراجات کا تصادم اور چیز ہے جس کے ذریعہ تاریخی فراہم کرنے میں تو مسیح جگر جگر ناکام ہوئی اور ہم ہی ہے۔ اب ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری موجودہ تہذیب کے پاس اس تشدد کا کیا حل ہے اور وہ کہاں تک اس سے عہدہ بردار ہونے کی اہلیت رکھتی ہے؟

کوئی شخص ریگمان نہ کہے کہ ہم اس دوسرے مسائل کی اہمیت سے غافل ہیں جو اس وقت پاکستان کی نوزائیدہ مملکت کو دویش ہیں۔ جو شبہ وہ مالی، صنعتی، انتظامی، دفاعی اور خارجی مسائل ہیں، پھر کافی دہم ہیں جن سے ہم اس مملکت کی پیدائش کے بعد دوچار ہوئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ وہ تو جبرئیل جانتے۔ نہ خود انہی خدمت کا انداز کن قرین اخصاست ہے جو اس مسئلہ میں موجود تہذیب کے انجام دیں۔ لیکن جہاں تک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کی حیات قومی کے لیے اس وقت جب بڑے سنگے ہیں تین ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے، اور تہذیب کا اصل مطلب امتحان یہ ہے کہ وہ انہیں صحیح طور پر حل کر سکا کی اہلیت، مگر یہ اخلاقی حیثیت سے کہاں تک اپنے تشدد رکھتی ہے۔

(ترجمان القرآن - اگست ۱۹۴۷ء)

## کیا پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہیے؟

پاکستان کے قائم ہونے ہی پر مجلس شوریٰ کوئی کئی تیس برس تک ایک ہمسوی ملک بننے میں کامیاب نہ رہا۔ تب ہمیں یہ پیش نظر آتا تھا کہ اس فرق کے بعد اس کی زمام کیے جانے لگے تھے کہ اس کو ایک اور نئی ریاست بننا پڑے۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو مدرسہ - ۱۹۸۰ء کو ریڈیو پاکستان دہرائے نشر ہوا تھا۔ اس واقعہ میں ماسٹر کی حیثیت سے دو صاحبزادے صاحب بول رہے تھے اور جیسے جیسے گفتگو سے یہ برہنہ ہوا کہ ان کی مراد یہی ہے

۱۔ اس ملک کو شروع کرنے سے پہلے غائبانہ جان لینا ضروری ہے کہ آپ کے ذہن میں مذہبی ریاست کا کیا تصور ہے؟

۲۔ ظہر بات ہے کہ ایک مسلم ہی جب مذہب کا مسئلہ دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں اسلام ہی روا ہوگا۔ میں جب کہتا ہوں کہ پاکستان کو ایک مذہبی ریاست ہونا چاہیے تو اس سے میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیے، یعنی ایک ایسی ریاست جو مطلقاً تہذیب، تمدن، معاشرت، قانون، ریاست اور سیاست کے اسی اصول پر قائم ہو جو اسلام نے ہم کو دینے ہیں۔

۳۔ آپ نے مذہبی ریاست کا جو مفہوم بیان کیا ہے اس سے ظہر بات ہے کہ اس

سیاسی کمیسی آئندہ ہرین ریاست کے ایک مخصوص طبقے کے ہوتی ہیں انہیں  
طبقہ کامیاء ہوگا کہ وہ سیاسی اور انتظامی امور کے بارے میں اس کی خطہ فکر سے  
محبت و تعلق رکھتے ہیں۔ یہی قوانین وضع کرے اور شرعی احکامات کی بنا پر سیاسی  
فکر کو نبھائے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طبقے کی پشت پناہ کون ہوگی  
اور وہ آپ جانتے ہی ہیں کہ اقتصادی لحاظ سے ہماری سماج مختلف طبقوں میں  
مستقسم ہے۔ ہر طبقہ اس کوشش میں ہے کہ اپنے مفاد کے حصول کے لیے ہم سے جواز  
قول کرے اور اس میں غریبوں کو استعمال میں لے لے۔ ہرین ریاست میں جتنی کوشش  
ہے تیار اور غیر متعلق نہیں رہ سکتے۔ ان کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ اس طاقتوں  
کے ساتھ رہیں یا اپنے آپ کو سرحد دار اور جاگیردار طبقے سے وابستہ کریں۔ اس صورت  
میں قرآنی اصولوں کی جو بھی تفسیر پیش کی جائے گی وہ ان کے سیاسی و سماجی کے اہم ترین  
ہوگی۔ مختلف سیاسی خیالات رکھنے والے مفکروں میں اہم ترین مسئلہ پر شدید  
ترین، حقوق رائے پیدا ہو جائے گا۔ اقتصادی کشمکش ایک انتہائی فیصلہ کن بحث  
کی صورت اختیار کرے گی۔ اس کے مسئلہ میں کاغذی بحث اور مذاکرہ اس وقت اس قدر  
ضروری ہے جو ان کے توں ہم سے لے کر ہر سے رہ جائیں گے۔

جو اب جس جتنی کشمکش کی طرف آپ اشارہ فرما رہے ہیں وہ اصل پیدا ہی اس لیے  
ہوتی ہے کہ دونوں کے غیر اساسی اثرات کے تحت رہتے رہتے ہمارا معاشرہ  
اخلاق کی اس قدر سے بے انتفاع کے ان اصولوں سے محروم ہو گیا ہے جو اسلام نے  
ہم کو دینے تھے۔ جس لحاظ پر کسٹی نے دین کے دو مرتبہ معاشرہ کو بقائت میں  
تقسیم کیا انسان کے اندر اخلاقی و معاشی کا تصادم پیدا کیا، وہی بد قسمتی سے اب ہمارے  
معاشرے کو چاروں طرف سے گھرا دینے کی بدلیں دے رہی ہے۔ اسی ہی نتیجہ  
کشمکش کے ہر سنگ تکی جگہ جگہ میں محسوس ہے کہ ہمارے نظم و انضام میں نہیں ہے  
میں ہمیں کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ آپ کو ان جتنی غریبوں کے لئے کریں جو ہمارے  
ہندو ایک سری ملک — جتنی ملک — برپا کریں۔ اس میں اس وقت ملک



ہیں۔ اسی لیے آپ کو بہادر پر یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ہم نے اپنے سیاسی اور معاشی مسائل کو حل نہ کریں، ریاست کے احوال کو دیکھا جائے تو غمزدگی سے نہایت حد تک متاثر ہو جائے گا۔ لیکن آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ اگر ہم نے اپنے تمدن اپنی سیاست اور اپنی حیثیت کے مسائل کو نہیں حل کر سکتے تو یہ تو ہماری عزت و عظمت کے ساتھ ہی ساتھ اپنی تعلیمات سے کوئی فائدہ نہیں دے سکتے تو ہم کہیں نہیں گئے؟ آپ کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہرین ریاست کے سب سے بہتر رہنما تھے کہ انہیں گئے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ رہنما ہیں اسی منزل پر پہنچے جاتے ہیں کہ پوری دنیا کی دنیا کی بڑی قومیں پہنچ چکی ہیں۔ یہی گھر کے اندر ملتان خود غرضوں کی تلاش میں گھر کے باہر جی ہاں تو اسی خود غرضوں کی کھینچ تھیں۔ کیس سے بہتر نہ ہو گا کہ ہم اپنی قوم میں مل گئے کہ وہ شکر کریں جو انہیں مل گیا، انہوں نے کوئی کام نہیں کیا۔ ان کی ماں، زمین، حدیث کی تعلیمات پر وہ بے بسیاں اور سادہ سادہ تعلیمات کے مسائل پر نہیں ہو، اور وہ سر جوڑ کر ہدیٰ نہیں لایا، اسی میں پیش کریں جو ہدیٰ نہ ملے گا کہ وہ دنیا کے لیے ایک قابل عقیدہ نمونہ بنائے۔

۱۔ ریاست پاکستان کو سب سے بڑی شہریت کے مطابق تعلیم دینے اور شرعی حکومت کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے اس میں ایک سب سے بڑی چیز پیش کی گئی۔ ہم بے حد افسوس محسوس کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کوشش کر دیتے ہیں اور ان کی شکل حلیت پر اس سے پیش نظر ہوتی ہے۔ اس طرح مسائل اور مسائل ایک دوسرے سے قطعاً قطع ہو کر رہ جاتے ہیں۔ خود ہی کو پیچھے۔ شہر کو جائز قرار دینے کا قصد ہی تھا کہ انہیں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ طرح اجارہ، احکامات اور چارہ داری کی مخالفت کی گئی۔ لیکن ہم نے ہر دھڑلے سے کیا کیا۔ کیونکہ اس زمانے میں سب سے بڑی نظام ابھی فوریست کی حالت میں تھا اور غرضی سرکار کے طریقہ علم و استعداد کا ذکر نہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی چلے ہیں۔ آج ہر دھڑلے سے کہہ رہے ہیں کہ ساری نظام کو توجہ دی جاتے ہیں اور سب سے بڑی قوموں کو انہوں نے اندیشہ طور پر معلوم کیا جاتے۔ جائز ادا جائز تجارت کا راق مشہور ہے۔ لیکن ہمارے ہمارے

اتحاد، یا سب سے فوجی طاقتوں پر چھوڑ دیتے ہیں اور جو یہ اتحادی نظام میں  
ہو، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ غرضت اور بد حال اس کے لیے یہ لوگ وہاں سے جھڑ  
قرار دیتے ہیں۔ یہی منقہ سرحدیں اور ملک۔

۲۔ یہ خیال اس کا آپ ذکر نہیں ہے، اس میں مگر پیدا ہو جاتی ہے جہاں قانون کے خشتہ اس  
کے لیے کو چھوڑ کر مرید اس کے اندر اس کے لیے جاتے ہیں۔ کہیں یہ غرضی علم اور بصیرت کی  
کھل دے پیدا ہو جاتی ہے، اور کہیں اس دے کو روک دیتی اور اس کے لیے قانون کے  
سے نہایت کرنا چاہتے ہیں، مگر ظاہر وری کو قائم رکھنے کے لیے قانون کی شکل پر اس کے  
اعتراف کرتے ہیں۔ میں اس غرضی سے، اگر کوئی چیز بجا ملتی ہے تو وہ مرید یہ کہ عام  
مسئلوں میں اس کا شہد اس کی دائمی بیرونی کاروں موجود ہو۔ یہ چیز حسب وجہ  
ہو کہ تو اس کی قوانین کی تعبیر کے لیے اس کے اندر سے اس کی روک کر اس کا انتخاب کریں گے  
جو قوانین دست کے بعض اختلاف ہی نہ ہوتے ہوں بلکہ ان کی دوسری کو بھی سمجھیں۔

۳۔ شریعت کے عنصر میں اندشار میں میں سیاسی اختلافات کے خلاف جھڑکتے ہو  
اختلافات ہیں، ان کے بارے میں آپ کا خیال ہے، کیا آپ کی نظر میں یہ اختلافات  
مستقبل کے سیاسی اور سماجی نظام کا حق قائم کرنے میں مددگار بن سکتے ہیں؟

۴۔ ان اختلافات کی ذمیت ہم کی کہ ہے جو ہم سے دوسرے اختلافات کی ہے اور اس میں  
جو ہم اسی طرح مل کر رکھتے ہیں جو طرح دوسرے اختلافات کو حل کیا کرتے ہیں۔ کوئی  
سلسلہ جو ہندوؤں پر مشتمل ہو، یہاں نہیں ہو سکتا جس میں زندگی کے مختلف مسائل سے متعلق  
تعدد نظریے دہاتے جاتے ہوں۔ لیکن ان اختلافات کو کہیں بھی ایسی مددگار بننے  
کی اہلیت نہیں دی جاتی کہ وہ زندگی کی گاڑی کو اٹکے چلنے ہی نہیں دیں۔ اختلافات کو حل  
کرنے کا مجموعی طریقہ یہ ہے کہ یا سب کا نظام اس نقطہ نظر کے مطابق چلو جائے  
جس کو اکثریت قبول کرتی ہو، اور اس میں اختلاف ہوں گے، نقطہ نظر کی زیادہ سے زیادہ  
اتحادیہ عمل کی جاتے ہیں اس میں گھٹنا ہو، نیز اقلیت کی حیثیت سے ان کے  
حقوق کا تحفظ سمجھا کر یہ جانتے ہیں کہ اس میں گھٹنا ہو گے کہ پاکستان کی یا سب کا





اس ریاست میں مفاد میں کہ چاہئے یا میزبوں کر۔

۱۔ میری رائے میں ہر ملک کا سیاسی نظام اس کے باشندوں کے دم و دل و اخلاق و تمدن و مسائل اور اقتصادیات و توہمات کا ہر ہر مرتبہ ہے۔ یہاں تک کہ اس کے باشندے خود کسی غلطی یا جذبات کا حمل نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ یہاں تک کہ اس کے باشندوں کی کوشش کی جلتے تو وہ ایک مضبوط اور عوامی کوشش ہو گی۔ قدیم یونان کی شہری ریاست افلاطون کے تخیل کی پیداوار نہیں تھی بلکہ اس کا تو نگار و مصنفہ زندگی کی پیداوار تھی جو یونان کے باشندوں میں مشترک تھا۔ یہی طرح اگر ہم اسلامی ریاست کی تعمیر چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ پاکستان کے باشندوں میں ایک اسلامی اہسوس پیدا کریں۔ وہ انہیں دین کی اصلی اقدار سے روشناس کرائیں جب یہ اقدار موجود ہو جائیں گی اور ہمارے قومی گیر پیکر میں اسلامی تقویات پوری طرح سرایت کر جائیں گے۔ اس وقت ہمارا سیاسی نظام خود بخود اسلامی رنگ اختیار کرے گا۔ ہم اس وقت تک اسلامی ریاست کی داغ بیل نہیں ڈال سکتے جب تک ہماری روحانی شخصیت اور سماجی زندگی میں اسلامی روحانیت پوری تکبندگی سے جلوہ گر نہ ہوں۔ میری نظر میں وہ وقت ابھی بہت دور ہے جب ہم ممکن طور پر اسلامی تصور است کو قبول کریں گے۔ اس لیے اسلامی ریاست کو قائم کرنے کی تمام کوششیں پیش از وقت ہیں۔ ہمدی میں اس میں اتنا متور نہیں ہیں کہ ہم اپنی ہر ایک حرکت کھڑی کر سکیں۔

۲۔ آپ کے پیچ و پناہ ایک ملک کا سیاسی نظام اس کے باشندوں کی اخلاق و تمدنی حالت کا ہر ہر جزو کا ہے۔ اب اگر پاکستان کے باشندے اسلام کی طرف ایک پُروردہ میلہ رکھتے ہیں اور ان کے مذہب و معاشرے کے راستے پر گئے ہونے کی خواہش موجود ہے تو کیوں نہ ان کی قومی ریاست ان کے اس میلے اور اس خواہش کا پُروردہ ہو؟ آپ کا یہ استدلال بالکل درست ہے کہ اگر ہم پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں پاکستان کے باشندوں میں اسلامی شعور، اسلامی ذہنیات اور اسلامی حق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگرچہ ہمیں سمجھا کہ اس کوشش میں حق لینے سے آپ خود ریاست کو کیوں مستثنیٰ رکھنا چاہتے ہیں؟ وہ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کی صورت حال تھی کہ ہمارے اوپر ایک غیر مسلم اقتدار مسلط تھا، اس وجہ سے ہم اسلامی

صلہ پر ہی ملت کی تعمیریں یہ مسعد اور اس کی طاقتوں اور اس کے خدائے سے کوئی مدد  
 نہیں پا رہے تھے، بلکہ وہ خلیفہ اس وقت یہ مسعد کا پورا اہل اپنے خلیفہ سے ہیں  
 ایک دوسری طرف کیجئے یہے جہاد تھا اور ہمارا تھا، ہمارا مگر مصلحت میں اسلامی زندگی کی تعمیر  
 کے لیے جہاد جہاد کر رہے تھے۔ اب جو سیاسی نقطہ نظر مسعد، اور کوئی نہ تھا  
 ہے اس کے مرد ہائے ملت نے یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ آیا اب ہماری کوئی ریاست  
 اسلامی زندگی کی تعمیر میں حصہ لے گی جو ایک بڑا کام ہے، یا نہ طریق میں اختیار کریں  
 جو ایک بے نیلہ غیر ملکی بڑا کام ہے، یا اب ہی وہ ہی پہلی صورت حال برقرار ہے کہ  
 ہمیں حکومت کے بغیر ہی نہیں بلکہ اس کی ذرا مسعد کے بعد اسلامی زندگی کی تعمیر  
 کا کام کرنا ہوگا، اس وقت ہر ملک پاکستان کا آئندہ نظام زیر تشکیل ہے اس لیے ہم چاہتے  
 ہیں کہ اسی یہ مسعد ہی جائے جو اسلامی زندگی کی بہادر بن سکے۔ ہماری یہ خواہش اگر پوری  
 ہو گئی تو ریاست کے وسیع انداز میں اور طاقتوں کو استعمال کر کے پاکستان کے باشندوں میں دینی  
 اور اخلاقی نقطہ نظر پر اگر توجہ بہت ملے گی جو جیسے گا۔ پھر جس نسبت سے ہمارا سامنا ہو  
 رہا ہے، اسی نسبت سے ہماری یہ مسعد ہی ایک مکمل اسلامی ریاست بنی ہو  
 رہے گی۔

(قرآن و قرآن جون ۱۹۶۰ء - بشکریہ میڈیو پاکستان)

## پاکستان میں اسلامی قانون کیوں نہیں نافذ ہو سکتا؟

مکتبہ تحفہ بر جو ۱۹ مئی ۱۹۷۷ء کو لاہور ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۹۷ھ میں لکھی گئی تھی  
 (قیام پاکستان کے بعد ہی وہ عزت و احترام پیش کرنے کے بعد شروع کر دیتے تھے۔  
 جو کچھ لوگوں کے نزدیک یہاں اسلامی قانون نافذ کرنے میں آ رہا ہے۔ اس غریب  
 میں انہی عزت و احترام کا جواب دینا چاہیے)

اب لکھی گئی ہے۔ غیر مسلموں کے نہیں مسلمانوں کے اپنے ملک میں۔  
 اگر اسلامی قانون کے جاری کرنے کا سوال اٹھایا جائے تو عزت و احترام کی ایک وجہ ہوتی ہے جس  
 سے آدمی کو بدتر پیش آتے ہیں۔ کیا صدیق کا پر قانون جہیز نہ لے کر سوائی اور امیث کی  
 عزت کے لیے لائی ہو سکتی ہے؟ کیا ایک شخص کے قانون کو ہمیشہ کے لیے قابل عمل سمجھنا  
 حاکمیت نہیں ہے؟ کیا اس عقیدے کے اندر میں ہر شخص کو کڑے برہمن کی دشمنی سزا میں دینا  
 جائز ہے؟ کیا ہندی مشنریوں میں اب پھر فحش بلکریں گے؟ اور انہیں ملک میں مسلمانوں کے کسی فرقہ  
 کے جاری ہوگی؟ پھر جو غیر مسلم ہیں جتنے ہیں ان کیسے ماضی پر ماضی کے مسلمانوں کے اسلامی قانون  
 ان پر مستلزم کیا جاسکتا ہے؟ یہ اس لیے ہی ہے کہ مسلمانوں میں جو اثر و نفوذ رہتا ہے وہ  
 ہیں اور یہ بات غیر مسلموں کی زبان سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے اپنے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان سے  
 آ رہی ہے۔

نہ واضح نہ کہ پاکستانی شخص ہے بلکہ جو غیر مسلموں کے بارے میں ماضی کا اور (۱۵ مئی ۱۹۷۷ء)

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو اسلام سے کوئی دشمنی ہے۔ وہ اصل اس کی بدعنوانیت ہے۔ وہی کاغذ ہے کہ جس پر ان کو نہیں جانتا اس کا ہم نے کئی طرح کی طرف سے اس کے دل میں پیدا ہونے میں وہ خود کی سائنس دانانیت کے بجائے اکثر وحشت پس برصاتی ہے۔ ہندی بدعتی کی تحریک دانتی کا ایک نہایت نفیس خاکہ بلکہ یہ بھی ہے کہ اس معنی کا خیال ہی نہیں۔ ہندی اپنی ملت کے لوگ بھی اکثر اپنے دین سے اور اپنے اسلام کے چوڑے ہونے سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے اندر تو قوتیں ہیں۔ اس حالت کو ہم اچانک نہیں پہنچ گئے ہیں بلکہ یہ دین کے متصل انحطاط نے جس میں پہلے تک پہنچا ہے پہلے تک پہنچا ہے۔ ہندو اور کھمبہ ہندو ہیں تہذیب ہندو کا ارتقاء اور علوم و فنون کا نشو و نما مستقل ہے۔ مجسمہ جمود کے نتیجے میں ہم پر یہی اسی لدا لیا اور ان کی مسلکی قریب یا تو بدعت برسم حکومتوں کی فحش پروگنڈیں یا ان میں سے بعض کو کھنڈ اور وی مسلک بھی یہی وہ غلطی سے کم رہتی۔ کیونکہ شکست خود کی کاروائی کے حسب شعور کی گہرائیوں تک اتر چکا تھا۔ آخر عجب ہم نے اٹھا پاؤں تو ہر جگہ کے مسلمانوں کو خواہ وہ فحش یا آزاد، اٹھنے کی ایک ہی صورت نظر آتی اور یہ تھی کہ جدید تہذیب و تمدن اور جدید علوم کا مہل سے کرائیں۔ ہندو دینی حرم کے حامل جو طبقہ تھے وہ خود اسی انحطاد میں مبتلا تھے جس میں مذہبی اہمیت جتنا تھی۔ دینی میادوں پر کوئی زندگی نہ تھی اور انقلاب انگیز حرکت پر پاکستان کے سر میں نہ تھا۔ ان کی رہنمائی سے دوسرے ہو کر اہمیت کے بے چہرے بن گئے دنیا کے اس نظام زندگی کی طرف متوجہ ہو گئے اور سر نہ کیا نظر آئے۔ اسی سے انہوں نے اہمیت یہی ہے۔ اسی کے علوم کیلئے یا اسی کے تمدنی اور دینی خدشہ حاصل کیا۔ اسی کے فتنے قدم پر چل پڑے۔ رفتہ رفتہ اپنی دین کا رنگ باطل گوشہ قبول میں چیلک رہا۔ گو وہ تمام مسلمان تو علم میں کافر تھے کی بائیس اور کارکن طاقتیں انہی لوگوں کے ہاتھ میں تھیں جو دین سے جدا تھے اور تہذیب جدید کے نگری و عمل مانگنے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایک دور کو میرزا قاسم علی گڑھ کی طرحیں مغرب کی بے دینی یا سیکولر (Secular States) کے نمونے

دیکھنا پڑا (۱۹۴۷ء)، مسلمانوں کو تہذیب و مذہب کا کہیں کوئی اختیار نہ رہا۔ ان کی زندگی بے مرکز بن گئی۔ ایک نئے نظریہ میں عالم ہے۔ مگر وہ نظریہ فراموش ہوتے ہی یہ سوجھتا اُٹھتا جاتا ہے۔ (جدید)

ہر ایک گٹھن گٹھن میں کس نہ پڑی۔ سماجی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور کہیں میسوی حکومت کے نظام میں مسلمانوں کے لیے جس طرح میں باپریٹل و ایسا ہی رہنے دیا گیا ہے، ویسی مسلمانوں کی اپنی حکومت میں ان کو صرف وہ مذہبی حقوق عطا ہونے ہیں جو سماجی حکومتوں میں کہیں انہوں کو دینے ہاتھ تھے۔ اسی طرح جو ملک تمام شعبہ میں بھی تمام تہذیبی اقداروں اور سیاسی تحریکوں کے گذر رہا ہے

اس سماجی شریعت کی تاریخ کا سب سے پہلے ہندوستان میں شروع ہوا۔ پہلی انگریزی تسلط کے بعد بھی ایک مستقل ملک شریعت ہی کو قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ اس ملک میں جو کچھ ہوتا تھا وہاں تک کہ اس کے بعد انگریزی حکومت نے بذریعہ اسلامی قوانین کو دوسرے قوانین کے ساتھ نہ شروع کیا۔ یہاں تک کہ میسوی عدلیہ کے وسط تک پہنچے پہنچے پڑی شریعت منسوخ ہو گئی۔ اس کے بعد وہ جس مسلمانوں کے پرسنل و کی حیثیت سے باقی رہے وہاں گیارہ طرح وفاق وغیرہ مسائل سے متعلق عقد پر جس نقش قدم پر قدم چلے ایک ہی پل پڑے جس میں مسلمانوں کی اپنی حکومتیں قائم تھیں۔ جس دستاویز کی تمام مسلمان ماحولیتوں نے غور و خفا سے چک دیا، وہ کرہ قانونی ہند کے نوٹ پر نہ حال ایسا شریعت کو صرف پرنسپل و ملک محدود کر دیا۔ مسوی حکومت نے اس معاملہ میں اپنے آپ سے قانونی نظام کو خراب کر ڈالنے کے مطابق بدل دیا اور بعض عام وفاق اور عدالت وغیرہ کے مسائل قاضیوں کے دائرہ اختیار میں چھوڑ دیئے۔ اس کے بعد میسوی عدلیہ میں ابھارنا اور لوگ نے ایک قدم اٹھائے بڑھایا۔ انہوں نے عدالت عارف اعلان کیا کہ ان کی حکومتیں ہے وہی حکومتیں ہیں۔ اور صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا کہ اپنے علی قوانین، ملی، سوٹریڈ لینڈ، ورائس اور جرمنی کے نوٹوں پر نہ چلے۔ بلکہ مسلمانوں کے پرسنل واریں وہ کھلی گلی شریعت کو ان میں سے کہ عورت کو ان غیر مسلم حکومت میں نہ کر سکی تھی۔ چنانچہ اب یہاں میں تمام احتجاج کرتا تو ان شروع طریقہ دیا، اور ترکی میں نکاح، طلاق اور عدالت کے متعلق قرآن کے ہر ایک احکام تک تہذیبی کر ڈالے گئے۔ سب صحت افغانستان اور سعودی عرب وہ بھی ملک دنیا میں ایسے گئے جس میں پہلے شہریت کو ملی قانون کی حیثیت حاصل ہے، اگرچہ شہریت کی ذمہ داریں سے بھی غائب ہے۔

قسم کے لوگ بنے، اندازاً سو کی طرف سے، کا جو قدم میں رُخا اسی منزل کی طرف بڑھا جس پر دوسری  
آواز تو میں پہنچی ہوئی تھیں۔ اب مگر میں لوگوں سے ہمسوی تمام ہمسوی دستور کے خلاف  
کا مطالبہ کیا جاسکتا تھا۔ میرے مور ہیں کہ اسے نہیں یاد باتیں، لیکن میں اُس پیر کی آمد تک  
سے تھک چکا ہوں جس کے قیام و نفاذ کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ جو تعظیم اس قدر ہی دینی تربیت  
انہوں نے چلی ہے وہ نہیں، سوئی تاروں کی نذر و مرجع سے جتنی تھوڑے سے جا چکی ہے کہ اس  
کو کھنٹاؤں کے پے آسوں نہیں، اُسے۔ اور عاقل ہیں کی رہائی میں دینی تعلیم کا جو نظام چل رہا ہے  
وہ اس وقت تک جو سوئی صدی کے لیے ہمارے ہی صدی کے عروج کا زمانہ کہنے میں مشغول ہے۔  
اس لیے کوئی ایسا گندہ بھی موجود نہیں ہے جو ان کی مغرب کو چکا سوئی آئین و قانون کی مطابق  
ایک جدیدیت سے کا نظام بنانا اور چوسکے۔

یہ واقعی ایک مختصہ جمعیہ کی ہے جس نے تمام مسلم ممالک میں ہمسوی تاروں و دستور کے خلاف  
کو مشکل بنا رکھا ہے۔ مگر اس کا ساتھ دوسرے مسئلوں کوں سے ہٹا کر تنہا ہے۔ ہم اس بزرگیم بندی میں  
پچھلے دس سالوں سے اس بات پر رُخ کر رہے ہیں کہ ہم اپنی مستقل تہذیب، ایک غلبہ یافتہ گندہ  
مصر میں آئیں جیسا کہ کہتے ہیں، ہمارے بے سم و غیر مسلم کی ایک ایسی تنہا و نیست نا قابل قبول ہے  
جس کا نظام زندگی کا ادارہ ہمارے آئین و ملت سے مختلف ہوگا، ہمیں ایک مختلف زمین و ملک  
ہے جس میں ہم پختہ آئیں پر زندگی کا نظام بنا رہا ہیں۔ ایک طویل اور خشک کشمکش کے بعد  
ہمارے ہیں مختلف زمین و ملک ہے جس کا ہم مطالبہ کر رہے تھے، ہمارے کی قیمت میں ہم کو انہوں  
مسلمانوں کی جان و مال اور دینی پڑی ہے۔ یہ سب کچھ جو چکے کے بعد مگر ہم نے یہاں پہلو  
نہیں جیسا کہ ہی نافذ نہ کیا جس کے لیے لسنے یا پڑیل کر اور اتنی جلدی قیمت اور اگر کے یہ غلط زمین  
حاصل کیا گیا ہے تو ہم سے رُخ کر نہیں سکتی نہ ہوگا۔ ہمسوی دستور کے بجائے جمہوری و دینی  
دستور، ہمسوی قانون کی جگہ تعزیرات ہند اور ضابطہ و پرانی ہی جوری کرنا تھا اور ہندوستان  
کیا بڑا خاکستری وانی ملکوں سے یہ پاکستان بنا جاتا، اور اگر ہمارے مقصد مشترک یہ کہ لازم تھا  
کہ قانونیہ طور پر بھی ہندوستان کی کونسلٹ یا کونسلٹ پارٹی کے ساتھ مل کر انجام دیا جاسکتا تھا۔  
اس لیے بھی کوئی ضرورت دینی کہ وہ کر دیتی جائے شان و عداوتی بڑی قیمت پر پاکستان حاصل کرے

کی حالت کی جاتی۔ وہ اس میں ایک قوم کی حیثیت سے اپنے آپ کو نہ اندھن بہتہ میں آگے بڑھنے کی بجائے  
اسی کے خلاف کے لیے پابند کر چکے ہیں۔ جس سے یہ اب اپنے قول سے ہرگز نہیں ہٹا ہے۔  
بندہ یہ ہے کہ وہ اس کی سزا میں پکڑا گیا ہے، جس میں ہر حال میں اس کی سزا میں پکڑا گیا ہے کہ وہ اس کی سزا میں  
جو اس کام کی رو میں آتی ہیں۔

جہاں تک اس کی تہذیب کے اندر کی عملی مشکلات کا تعلق ہے، ان سب کو وہ دیکھنے کی تہذیب  
کی حالت میں ہے۔ اس میں سے کوئی بھی عملی مشکل نہیں ہے۔ اصل مشکل صرف یہ ہے کہ وہ اس کی  
تہذیب میں اس کام کے لیے دیکھا ہے، جس سے خود مطمئن نہیں ہیں۔ اور ان کے لیے یہ اہمیت کا محور  
اس کی عدم واقفیت ہے۔ اس سے سب سے پہلے جو کام کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ انہیں واضح طریقہ  
پر یہ بتا دیا جائے کہ اس کی قانونوں کس چیز کا نام ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس کا مقصد اس  
کے اصول، اس کی روح اس کا مزاج کیا ہے۔ اس میں کیا چیزیں نقلیہ اور مستقل ہیں اور اس کے  
ایسا ہونے کا فائدہ کیا ہے۔ اور اس میں کون سی چیزیں ایک نکتہ پر پہنچ رہی ہیں اور کس طرح ہر  
نکتہ میں ہندو کی برہمنی برہمنی برہمنی کو پکڑا کر رکھتی ہے۔ اس کے احکام کی صورت پرستی  
ہیں اور ان کے خلاف نہیں کی کیا حلیت ہے جو ان احکام کے تحت عداوت و گمراہی میں پہنچ رہی ہے  
ہیں۔ اگر یہ تبصرہ صحیح طریقہ پر ہو جیسے تو میں جانتی ہوں کہ ہمارے بہترین کارفرما اور اس کی تہذیب  
مطلوبہ ہو جیسی گمراہی کا، لیکن ان کی مادری تہذیبوں کا وہ ان کو کھول دے گا جو اس کی  
قانون کے خلاف کو خود کو نہیں دیکھتی ہیں۔

میری حق کی تعریف پر اس تعارف کے لیے ہے۔

قانون اور نظام زندگی کا باہمی تعلق

قانون کے نقطہ نظر میں چیز کو تعبیر کرتے ہیں وہ اصل اس سوال کا جواب ہے کہ  
انسانی طرز عمل، انفرادی اور اجتماعی طور پر کیا ہونا چاہیے۔ اس سوال کا دائرہ اس دائرہ  
سے بہت وسیع ہے جس میں قانونی اس کا جواب دیتا ہے۔ ہم کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس  
• ہونا چاہیے کہ اس کے سوال سے سابقہ پیش آتا ہے اور اس کے بے شمار جوابات ہیں جو مختلف  
حالات کے تحت مرتب ہوتے ہیں۔ ان کا ایک بھر ہر ہماری اخلاقی تعلیم و تربیت میں شامل





ہیں۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان کے حقوق و فرائض زندگی کی  
 ایکسٹنشن کر دیں، اور چرائیں اس کیوں کہ ہم جتنے قانون سے متعلق ہیں وہ بھی ان کے  
 ہو کر رہے۔ جب یہ کچھ ملے گا کہ ہم زندگی کی کسی خاص ایکم کے بنیادی نظریات اور ان  
 کے اخذ اور ان سے جو میں نے سنے والے پورے نظام حیات کو کچھ بغیر صحت اس کے قانونی  
 حلقے کے مشق کوئی راستہ قائم کر سکیں اور وہی اس قانونی حلقہ کا تفصیل مطالعہ کر کے نہیں ہو  
 اس کے بعض پہلوؤں کے بارے میں چند اشیاء برآں ہوں گے کہ

میں یہاں تقابلی مطالعہ (Comparative Study) کا مادہ نہیں رکھتا کہ حیات  
 پروری طرح تو اسی وقت ہوگی اس کی ہے جب مغربی نظام زندگی کو، جس کا قانون آپ پڑھتے  
 اور اپنے ملک میں جاری کرتے ہیں، اسلامی نظام زندگی کے باقیابی کو کر دیکھتے کہ ان کے  
 درمیان کیا فرق ہے اور اس فرق کو دیکھنے کے لیے ان کے قوانین کو تفصیل سے دیکھیں  
 اس سے صرف یہ نظر ہیٹ کر ملے گی، اس سے نہیں صرف اسلامی نظام زندگی کی تشریح  
 پر گفتگو کریں گے۔

### اسلامی نظام زندگی کا اخذ

اسلام میں نظام زندگی کا نام ہے اس کا اضافہ ایک کتاب ہے جس کے تحت یہ مینڈم  
 ترین رشتے سے قرآن، انجیل، زبور وغیرہ بہت سے کاموں کے ساتھ دنیا میں شائع ہوئے  
 رہے اور آخری پڑھنے قرآن کے نام سے انسانیت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کتاب کا اصل  
 نام اسلام کی اصطلاح میں "کتاب" (The Book) ہے اور یہ دوسرے نام حاصل اس  
 کے ایڈیشنوں کے نام ہیں۔ اس کا دوسرا مختلف رنگ ہے جو مختلف فنون میں اس کتاب  
 کو لے کر آئے اور جنہوں نے یہ قبول اور ان سے اس کے مثالی ترجمانی کی یہ رنگ گروپنگ  
 رنگ خاص ہونے کی حیثیت سے فرق، اسلام، برائی، جنتی اور ملکہ (عظیم عقیدہ و مقام  
 جبین) کیونکہ ان سے دوسرے ہیں لیکن اس سے کہ یہ ایک ہی گروہ کا خاصہ ہیں یہ ایک  
 ہی شے سے لکھے گئے۔ ان سب کو ایک ہی نام "اسلام" سے دوسرے نام لکھے گئے۔

## اسلام کا فلسفہ زندگی

اس کتاب "اللہ" اور "میں" نے زندگی کا جو نظریہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ عظیم انسان کائنات جو تین مریخی ایکسبریس سے نظام میں جگڑی ہوئی اور ایک مقررہ قانون پر چلتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ دراصل ایک خدا کی حکومت ہے۔ لہٰذا ہی اس کا قانون ہے، وہی اس کا ملک ہے، اور وہی اس کا فرمانروا ہے۔ جو زمین میں پرتم رہتے ہو، اُس کی بچپائی سلطنت کے قاعدہ و حدود میں ہے۔ ایک چھوٹا سا محبوب ہے اور یہ محبوب بھی مگر کی اقتدار کی اُس گرفت میں پڑی طرح جگڑا رہتا ہے جس میں اس جہان ہست و بود کا ہر حصہ جگڑا رہتا ہے۔ تم اس صوبہ میں خدا کی پیدائشی رحمت (Born Subjects) ہو۔ تم اپنے قانون آپ نہیں ہو مگر اُس کی مخلوق ہو۔ اپنے پروردگار آپ ہیں مگر اُس کے پروردگار۔ اپنے بل پر آپ نہیں ہیں بلکہ اُس کے جانشین رہے ہو۔ اس لیے تم لوگ زمین میں اپنی خود مختاری کا اگر کوئی ذمہ ہے تو وہ ایک خود اپنی اور نظر کے ایک دم کے سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اپنی زندگی کے ایک بہت بڑے حصے میں تو تم میرا خود پر رحمت، اور اپنی مخلوق کو خود جانتے ہو۔ اپنی باتوں کے بیٹوں میں استغفر حق سے کر اپنی موت کی آخری ساعت تک تم خدا کے قانون میں (Law of Nature) رہے اس طرح بندے ہوئے ہو کہ ایک سانس تک اس کے غفلت نہیں رہ سکتے، اور تھکے اور فرط کی تفریق اور قزیمی اس طرح ملدی ہیں کہ تم جو کچھ کہتے ہو اُس کے تحت ملکر ہی کر سکتے ہو، ایک دم کے یہ بھی تیار اُس سے آزاد ہو جا سکتی نہیں ہے۔ اب رہ گیا تیار ہی زندگی کا اختیار ہی جس میں تم اپنے خدا اور اس کے آزادی اوس کر کے ہوا اپنی پسند کے مطابق انفرادی و اجتماعی عمل کی ہیں اور اب کہنے کی طاقت پاتے ہو، تو یہ ظہر نہیں جس میں اس کے آزادی حاصل ہے، مگر یہ آزادی نہیں فرماؤ اسے کائنات کی رحمت پر نہ سے خاصہ نہیں کوئی جگہ وہ یہ اختیار ہی ہے کہ ہر حق طاقت محدود اختیار کو جو پیدائشی رحمت پر نہ کی جلیست نہیں اختیار کرنا چاہئے اور ہر خود مختار و بنا جگہ کو یہ اختیار کر کہ اپنی نظری حقیقت کے اعتبار سے تمیں نہ اختیار کرنا چاہئے

حق کا خیال ہی مختصر

یہاں سے حق کا سوال پیدا ہوتا ہے اور یہاں تو میں خود ہی حق کا سوال ہے جو تمام چھوٹے

ہے جو نہ ہر وہی مسالحت تک حق ادا بل کے فیصلے پر اڑا خداز ہوتا ہے۔ زندگی کی حقیقت کا جو نظریہ "الکتاب" اور "الروح" نے پیش کیا ہے اس کو بطور ایک پروانہ کے تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات میرا حیرت پر حق قرار پاتی ہے کہ آدمی اپنی زندگی کے اختیاری عنصر میں کسی خدا کی حاکمیت (Sovereignty) تسلیم کرے جو اس کی زندگی کے بارے میں اختیار ہی جتنے کا اندازہ اس تمام کائنات کا جس میں زندگی بسر ہو رہی ہے، آپ سے آپ حاکم (Sovereign) ہے۔ یہ چیز کئی وجہ سے حق ہے۔ یہ اس لیے بھی حق ہے کہ انسان جو تو خدا کا عجز و بخل سے اپنے اختیار کو استعمال کرتا ہے وہ خدا کا حلیہ ہیں۔ اس لیے بھی حق ہے کہ خود یہ اختیار اس انسان کے اپنے حاصل کر رہے ہیں بلکہ خود میں کردہ (Delegated) ہیں۔ اس لیے بھی حق ہے کہ جو چیزیں پر یہ اختیار استعمال کیے جاتے ہیں وہ سب خدا کی ملک ہیں۔ اس لیے بھی حق ہے کہ جس ملک میں استعمال کیے جاتے ہیں وہ خدا کا ملک ہے۔ اس لیے بھی حق ہے کہ خدا کا حق اور حاکمیت انسان کی ہر وہی درجہ انصاف (Harmony) کا تقاضا ہی ہے کہ ہر آدمی زندگی کے اختیاری اختیار پر اختیار ہی۔ دونوں صورتوں کا حاکم اللہ کس طرح حکم کیا ہی ہو۔ ان دونوں کے درمیان ایک دوسرے کے متعلق تجویز بننے سے ایسا تضاد پیدا ہو جاتا ہے جو موجب فساد ہرگز نہیں ہے۔ ایک شخص کی زندگی میں تو اس چیز کا فساد محض پیمانے پر ہی ظاہر ہوتا ہے، مگر بڑی بڑی قوموں کی زندگی میں اس کے ہائے تنگ آتے بڑے پیمانے پر پگھلتے ہیں کہ خشکی اور زلزلہ اور فساد سے جبر پاتی ہے۔

• اسلام • اور • مسلم • کے معنی

• الکتاب • اور • الروح • انسان کے ساتھ اس حق کو پیش کرتے ہیں اور اس کو دعوت دیتے ہیں کہ کسی بندہ کے بغیر اپنی خوشی سے اس کو قبول کر لے۔ چونکہ یہ انسان زندگی کے اس حق کا ساتھ ہے جس میں خدا نے انسانی کو خود ہی اختیار دیا ہے اس لیے یہ بات کہ انسان اس حق میں خدا کو اپنا حاکم بنے، کسی باد سے نہیں سواتی جاتی بلکہ برضائے تسلیم کر لیتی ہے۔ جس کا اعلان بھی اس بیان واقعہ (Statement of Fact) پر ہو جاتا ہے کہ "الکتاب" اور "الروح" نے کائنات کی حقیقت کے متعلق دیا ہے، اور جس کا خیر بھی اس امر کی گواہی دے گا کہ اس

دوسری حیثیت کی موجودگی میں حق ہی ہے جو منطقی تجربہ کے طور پر اس سے مختلف ہے، دوسری فرض ہے  
اپنی آزادی و خود مختاری خود کی مالکیت کے لئے تسلیم (Surrender) کر دے۔ وہی تسلیم کا نام  
اسلام ہے۔ اور ہر لوگ تسلیم کا فعل کر لیا وہ مسلم کہلاتے ہیں، ایسی ہیجہ لوگ نہ ہوں نہ خدا کی  
مالکیت میں نہ اپنی خود مختاری سے اس کے حق میں دست بردار ہو گئے، اس میں ہر ایک کا خود  
نے خود اپنے اندر وہ دم کر لیا کہ اپنی زندگی کا نظام خدا کے احکام کے مطابق چلتی ہے۔  
مسلم سوسائٹی کی حقیقت

ہر مذہب کے ہر لوگ جنہوں نے تسلیم کر لیا کہ ہر ایک صفت میں خدا کی مالکیت ہے اور  
اس کے اقتدار سے مسلم سوسائٹی کی تخلیق و تعمیر برقی ہے۔ یہ سوسائٹی ان سوسائٹیوں سے بالکل  
مختلف ہے جو اتفاق و واسطہ کے تجربہ میں جتنی ہیں۔ جس کی تخلیق ایک اور ویسٹس سے ہوئی  
ہے۔ اس میں ان کی تعلیم ایک ایسے مذہب سے (Contact) کے ذریعہ عمل میں آتی ہے جو خدا  
بندوں کے ذریعہ خود کی طرف برحق ہے۔ اس مذہب سے اس مذہب میں بندے پر تسلیم کرتے ہیں کہ خدا  
کی مالکیت ہے۔ اس کی باریک بینی کے ذریعہ دست برداری ہے۔ اسی کے احکام ان کے لیے تعلیم  
ہیں، ان میں کوئی فریب نہیں ہے۔ جیسے خدا فرماتا ہے کہ اس کو تسلیم کریں گے جسے خدا فرماتا ہے۔  
اسے خدا اور جانتا جانتا کہ اس میں وہ خود ہی سے ہیں گئے اور اپنی آزادی کو ان کے ذہن سے  
کھینچیں گے جو خدا کی مالکیت ہے۔ اس کے بغیر کہ اس مذہب کے ذریعہ جو سوسائٹی بنی ہے وہ اس  
طور پر قائم کرتی ہے کہ اسے سادہ زندگی میں لایا جاتا ہے۔ "کوہاب" بلکہ تجربہ نہیں کریں گے  
بلکہ اس کو قبول کر سکیں جو خدا کی طرف سے ہے۔

---

اے میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ اس کو دیکھ کر اس کے ہونے والی چیز پیدا ہو۔ ایک ہی جہاں میں وہ  
کام میں جاتا ہے۔ (صحیح)

اے جو سوسائٹی پر ان اتفاق و واسطہ پر نہیں بلکہ آزادی و جہاد کے ذریعہ بنی ہے۔ اس میں اس میں ہر ایک  
پر عمل ہے۔ اس میں ہر ایک کو اختیار ہے۔ اس میں ہر ایک کو اختیار ہے۔ اس میں ہر ایک کو اختیار ہے۔ اس میں ہر ایک کو اختیار ہے۔  
پیارا ہے۔ ایک سادہ سوسائٹی بنائی ہے۔ (صحیح)

اس داغِ افسردہ کی فیلہ پر جب ایک سوسائٹی بن جاتی ہے تو انتخابِ افسردہ معمول آئے  
 ایک شہادتِ زندگی دیتے ہیں جو شریعت کہہ دے اور سوسائٹی پر غور ہے ہی غور کہ وہ جسے  
 بدنام ہو جاتا ہے کہ اسے وہ دوسرا زندگی کو اس مسکیم کے مطابق چھوڑے وہیں شریعت میں توجہ  
 کی گئی ہے۔ توفیق کسی شخص کی عقل باطن ہی غلبہ ہو گئی ہو، یا کسی دوسرے سے بہت کو عقلی ظرف  
 نہیں کر سکا کہ کوئی مسلم سوسائٹی اپنے بنیادی مطالب سے اترے اور غیر شریعت کے سوا کوئی نہ سرا  
 غابتِ زندگی اختیار کر سکی ہے۔ دوسرے متبطل عقیدہ کہ کفر کے ساتھ ہی حجاب و عیوب و شرفِ جنت  
 ہے اور اس کے ڈانٹتے ہیں وہ سوسائٹی مسلم کے بچے غیر مسلم بن جاتی ہے۔ اتفاقِ ظہور کسی شخص  
 کا ہی زندگی کے کسی سفر میں شریعت کی غلامی کو مٹا دینا اور چیز ہے۔ اس سے حجابِ کونٹا  
 نہیں ہے بلکہ صرف ایک بزمِ کارِ انتخاب ہوتا ہے۔ یہی گئی ایک چھٹی سوسائٹی ہوں اور وہ کہہ دے  
 کہ اسے کہ شریعت میں اس کا غلبہ صحت نہیں ہے۔ بھلا یہ کہ پناہ بھلا ہے۔ خود توجہ کر لیں،  
 یا کسی دوسرے مذہب کے، تو جتنا یہ ایک فرخِ صفا و لائق ہے اور تلاش کوئی اور نہیں کر میں  
 سوسائٹی پر لگا "مسلم" کا لفظ درست ہو۔

شریعت کا مقصد اور اس کے اصول

ان بنیادی اصولِ اربعہ کے بعد اب میں اس سکیم کو سمجھنے کی کوشش کر چکے ہیں کہ انسان  
 زندگی کے شریعت کے تجربہ ہے۔ اس ظرف کے بھی مناسب رہا کہ اس کے  
 مقصد اس کے بڑے بڑے اصول کا جان لیں۔

اس کا مقصد انسانی زندگی کے نظام کو سرنگھ صحت قائم کرنا اور ٹھکرات سے پاک کرنا ہے۔  
 صحت سے مراد نیکیاں، فرماں برداریاں، میں دی کو عقلی غفلت ہمیشہ سے عقل کا مثبت ہے  
 جانتی ہے۔ وہ ٹھکرات سے مراد برائیاں ہیں جن کو ہمیشہ سے غفلت کا حیرت بڑا جانا آتا ہے۔  
 "مرے خدا میں صحت غفلتِ انسان سے سب سے کچھ وال چیز ہے اور ٹھکرات اس کے  
 خلاف ہے۔

پچھلے سے انہی چیزوں کو عقلی قرار دیتی ہے جو خدا کی بتائی ہوئی غفلت کے مطابق  
 ہیں۔ انسانی چیزوں کو برا قرار دیتی ہے جو اس غفلت سے وابستہ نہیں کہیں۔ ان کی صورتوں

کی مرض ایک خبر مست ہی بنا کر ہمارے عوام کو دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ مدد کی پہلی حکیم بھیجے  
تھے پر جاتی ہے کہ اس کی بنیادی صورت جہاں جہاں پر قائم ہیں اور مسدود ہوتے ہیں اس میں  
ہر ماں چڑھ سکیں، اور شکرانہ کہ اس کی تعمیر میں شامل ہونے سے مدد کا ہاتھ اور سکون نہ ملے گی  
میں ان کے مدد سے وہاں کا ہر بچہ کے عروج باقی دہ جتنے دیتے جاتیں۔

اس فرض کے لیے وہ معروفات کے ساتھ ان کے سبب ہر دور و تاریخ کو بھی اپنی ایک میں  
شامل کرتی ہے جو سب سے قائم ہو سکتے اور ہر ماں چڑھ سکتے ہیں، اور ان عروج کو بٹانے کے ساتھ  
بھی تحریر کرتی ہے جو معروفات کے قیام اور خدو غایں کسی طرح پر مبنیہ ہو سکتے ہیں۔ اس طبع  
اس معروفات کے ساتھ ان کے وسائل قیام قدرتی بھی معروفات شہر ہوتے ہیں اور ان کے عروج و خلوت  
کی خبر مست میں شامل کر دیتے جاتے ہیں۔ یہی سادہ شکرانہ کے ساتھ بھی ہے۔ اس شکرانہ کے  
ساتھ ہر چیز بھی شکر و برکت ہیں جو کسی شکر کے وقوع یا فہم یا نشو و نما کا اندر ہو جس سے سب سے  
کے پورے نظام کو شریعت اس طرح پر ڈھالتی ہے کہ ایک ایک معروفات اپنی پہلی صورت میں  
قائم ہو، زندگی کے کام متعلق شعبوں میں اس کا فہم ہو، ہر طرف سے اس کو قائم ہونے اور ہر دور  
پر رہنے میں مدد ملے اور ہر روز کا کام زندگی جتنے ہو کسی طرح سے اس کی رو میں قابل ہو سکتی  
ہو۔ اسی طرح ایک ایک شکر کو ہر چیز میں کر زندگی سے نکال جاتے، اس کی پیدائش اور نشو و نما کے  
اسباب و روکے جاتیں، ہر ہر دور سے وہ زندگی میں گھس سکتا ہے اس کا ساتھ بند کیا جاتے  
اور اگر سر اٹھا ہی لے تو ہر چیز کے ساتھ اسے دیا جاتے۔

معروفات کو شریعت میں تسکون پر قائم کرتی ہے۔ ایک واجب با فرض۔ اور سب سے  
مقدمہ یعنی مطلوب۔ یہی وہی ہے جو

(۱) فرض و واجب وہ معروفات ہیں جو مسلم حوائج پر لازم رکھے گئے ہیں۔ ان کے ضمن  
شریعت صحت اور نفسی احکام دیتی ہے۔

(۲) مطلوب وہ معروفات ہیں جو کو شریعت چاہتی ہے، پسند کرتی ہے، کمال و سستی  
میں قائم اور جاری رکھتی ہے، ان میں سے بعض کو صحت و صلا میں بیان کیا گیا ہے اور بعض کا اشارہ  
شرع کے اشارات سے نکلتا ہے۔ بعض کے قیام و نشو و نما کا بندوبست کیا گیا ہے اور بعض

کی طرف مداخلت کی گئی ہے تاکہ سماجی بحیثیت بھر جی یا اس کے صلاح و فلاح کی طرف مداخلت کریں۔

۱۲) اسے صراحہ معروف است، تاثر تربیت کی نگاہ میں ہر وہ چیز اور فعل مبارک ہے جس کی کیفیت مثالی گئی ہو۔ اس تربیت کی بنا پر ہر صفت اور صفت ہی نہیں، بلکہ صفت کی جائزہ کی تعریف ہو یا جس کے معنی میں صاف طور پر اختیار کیا گیا ہو، بلکہ اس کا وہ اثر بہت وسیع ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ چند باتیں کہہ کر عزت کو چھوڑ کر دنیا میں سب کچھ بھرا خیریت ہے۔ یہی بدعت کا دائرہ دائرہ ہے جس میں کثرت سے ہم کو آثار کی عملی ہے، اور اسی دائرہ میں ہم کو اپنی حرکتوں کے مطابق قوانین و ضوابط اور طریقہ کار خود بخود کر کے اپنے کے اختیار سے حاصل ہیں۔ لکھتے کہ تربیت میں ماحول پر تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک ماحول میں غلطی صریح، دوسرے کے میں خیریت پسندی۔

علامہ ہے جس سے ہر ہندوستانی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس سے پاک رکھنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے، اور کثرت میں اس کے متعلق صاف صاف احکام ملتے جلتے ہیں۔ ہمارے ہمارے اس کے متعلق انداز کسی نہ کسی طور پر مراعات یا کٹنا یا پسندیدگی کا اظہار کرتا ہے جس سے باطنی سلام ہو جاتا ہے کہ کس درجہ میں پسندیدہ ہے۔ یعنی گروہ و قوم کا قریب ہیں، اور بعض بدعت کی طرح سے ہے، جس سے ان کے درمیان فرق ہے۔ بعض کو یہ کہنے سے کہہ کر کہ لکھتے ہیں کہ یہ بدعت کے نظام میں بندوبست کیا گیا ہے اور بعض کو پسندیدہ تاکہ چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ سماجی خدایا اس کے صلاح و فلاح کا متنبہ کریں۔

### تربیت کی جامع گیری

معروف اور ملکر کے متعلق یا حکام ہادی، انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں پہنچے ہوئے ہیں۔ مذہبی مہلت، جسمی کردار، اخلاق اور صفت، کھانا پینا، پنہا اور شادی، شادی، برفست، صحت چھت، خاندانی زندگی، سماجی تعلق، ماحول صحت، ملکی نظام، شہریت کے حقوق و واجبات، قیام محل کا نظام، حکومت کے طریقے، معاش و جنگ اور دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات، غرض زندگی کا کوئی شعبہ اور پہلو باقی نہیں رہتا جس میں کے متعلق تربیت



نے ہم پر نئی اور بدی کے طریقے، جو ان سرکاری کھدائے، اور پاکہ پاکہ کے اقدار و اخراجات  
 کر دیتے ہوں۔ وہ ہیں ایک سال نظام زندگی کا پورا نقشہ یعنی ہے جس میں تمام حالات  
 تبدیل کیا گیا ہے کہ کیا جوتیاں ہیں جنہیں ہم کو قائم کرنا پڑے گا، اور ضرورتاً دینا ہے کیا برائیاں  
 ہیں جن کو دینا اور مٹانا ہے، انکی صف کے اندر ہماری زندگی عمل کو محدود کرنا چاہیے اور  
 ہیں ان کے طریقے اختیار کرنا چاہتے ہیں سے ہماری زندگی میں مطلوب جوتیاں پہنچانے ہیں

اور ہر تینوں کا امتیاز ہے۔

### نظام شریعت کا ناقابل تقسیم ہونا

یہ پورا نقشہ زندگی ایک ہی نقشہ زندگی ہے جس میں ایک جوتی مزاحمت ہے تو تقسیم ہو کر  
 قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ کہ اس طرح کی ہے جیسی خدا انسان کے وجود کو محدود ہے۔  
 آپ میں چیز کا انسان کہے ہیں وہ کسی کا نام ہے۔ ذکر انسانی جسم کے ایک ٹکڑے کے ہوتے  
 ٹکڑوں کا مجموعہ۔ ایک کئی ہوئی ٹکڑے کا ایک بڑے حصے یا پھر انسان نہیں کہہ سکتے۔ نہ کئی ہوئی  
 ٹکڑوں کا مجموعہ میں ہے۔ کوئی نہ صرف انہماک سے کہتی ہے صرف اور علم ہم ایک حصہ  
 ہونے کا مصروف ہیں وہ انہماک دیکھتی ہے۔ اس ٹکڑے کو کسی اور ٹکڑے کے جسم میں ٹکڑا کر  
 باقی کر سکتے ہیں کہ اس میں ایک ٹکڑے کے بقدر منہایت پیدا ہو جائے گی۔ اسی منہایت  
 انسانی جسم کے باقی ہونے، ان کے ذہن اور ان کے جسم کے ایک ٹکڑے کے کہ آپ ان کے کھن کے ان کے  
 نقشہ کے متعلق ہی کوئی مانعہ قائم نہیں کر سکتے جسے ٹکڑے کہہ سکتے ہیں ان کے صاحب  
 ہونے کے عمل کو نہ کہیں۔ ٹکڑے ٹکڑے ہی حال سفر صیغہ کے نقشہ زندگی ہے۔ وہ ہیں  
 ہر سے نقشے کا نام ہے۔ ذکر ان کے ہر ٹکڑوں کا۔ اس کے اجزاء کو آپ کے ذہن کے  
 پاس سے ہی ہر ٹکڑے کو اپنے ذہن کو قائم کر سکتے ہیں، وہ ہر حصہ ٹکڑے کے اس کا کوئی بجز  
 تمام کر سکتے ہیں جو وہ حصہ ہے جس میں وہ کر کیا کر سکتے ہیں جس چیز کو قائم کر کے  
 نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم نے تصدیق چاہی وہ تمام قائم کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے  
 اس کے کئی چیز ہیں جو ان کے وجود کے کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان کے کئی چیز ہیں جو ان کے  
 اس کے کئی چیز ہیں جو ان کے وجود کے کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان کے کئی چیز ہیں جو ان کے

کسی عجز کو جب چاہیں لے کر نظام کو اس بنیاد پر اس کے دوسرے اجزاء اس کے ساتھ چلیں۔ اس کے ساتھ چلیں۔ اس کا ہر  
 خود دوسرے اجزاء کے ساتھ اس طرح جوڑا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ چلی کر ہی کام کر سکتا ہے اور اس  
 اس کی غلطی کے نتیجے میں اسے موت اسی وقت قائم کر سکتے ہیں جب کہ پورے نظام پر اس کی  
 مناسب اور اس میں اس کو قائم کر سکتے ہوئے دیکھیں۔

اسی طرح کے بعض احکام کے تحت جو خط و خیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں ان میں سے  
 اکثر وہ ہیں جو کہ اسے اس طرح پر جوڑیں گا۔ اسے بنیاد پر اس کے کسی ایک جوڑ کو نکال دیا جاتا  
 ہے۔ اور پھر اسے اسے موجودہ میراثی نظام زندگی کے اندر رکھ کر اسے قائم کر کے اس کی خوشی  
 کی جاتی ہے۔ پھر جب اسے اس طرح کو ایک مستقل چیز سمجھ کر اس کے تحت رتبہ کا فیصلہ کیا جاتا  
 ہے۔ مثال کے طور پر اس کی قانونی و عدالت کی بعض دفعات ہر ملک کے لوگ جہت نامہ نہیں  
 چرچا کرتے ہیں۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اس نقشہ زندگی میں یہ قانون و عدالت کی گئی ہیں اس  
 کے بعد اس کے ساتھ ایک نظام پیش ہے۔ ایک نظام معاشرت۔ ایک نظام حکومت۔ ایک ایک نظام  
 تعمیر و تربیت بھی ہے جو اگر ساتھ ساتھ ہی اجتماعی زندگی میں کام لے کر رہا ہو تو پوری ان دفعات کو  
 قانون کی کتاب سے نکال کر اس کے کمرے میں جاری کر دیا جائے اس نقشہ زندگی کے ہی نظام  
 ہے۔

چشمہ اسلامی قانون چندی پرستہ شے کی منزل آتا ہے۔ مگر علم ہر سوسائٹی میں ہدی ہوتے  
 کیسے نہیں دیا گیا ہے۔ بلکہ اسے اس طرح ہی کہ اس سوسائٹی میں ہدی کی بنا مشورہ تھا جس کے  
 علماء و علما سے زکوٰۃ کی ہدی ہو جس کا ہیستہ مال ہر جامعہ مندرجہ امداد کے لیے لگا ہوا جس  
 کی ہر ہستی پر سناؤں کی عین دن ضیافت لازم کی گئی ہو، جس کے نظام مشوریت میں سب  
 لوگوں کے لیے ہر ایک کیس حق اور باطل کے موافق ہوں جس کے معاشی نظام میں ہر شخص کی  
 اہل و عیال کے لیے کوئی جگہ ہو اور ہر جائز کسب و معاش کے وعدہ و عہد سب کے لیے لگے ہوئے  
 جس کے نظام تعمیر و تربیت نے ملک کے تمام افراد میں خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا  
 کر دیا ہو، جس کے طوائف و عیال میں نیا حق، صیغہ مذہب کی دست گیری، حاجت مندوں کی  
 اعانت اور یتیموں کو سہارا دینے کا کام چرچا ہو، اور اس کے نیچے چنے کو یہ معنی دیا گیا ہو کہ تو

میں نہیں ہے اگر تیسرا سہارا ہو کہ وہ خود ہیٹ بھر کر کھانا کھا بیٹھے۔ یہ حکم آپ کی موجودہ  
سوسائٹی کے لیے نہیں دیا گیا تھا جس میں کوئی شخص کسی کو قرض بھی خود کے بغیر نہیں دیتا۔ جس میں  
بیت الدل کی جگہ بنک اور انٹرنیشنل کمپنی ہے۔ جس میں حاجت مند کے لیے مدد کو بڑھنے والے  
ہاتھ کی جگہ ڈسٹرکٹ ہسپتال ہے۔ جس کا اخلاقی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک شخص کی کمائی میں دوسروں  
کا کوئی حصہ نہیں بلکہ ہر شخص اپنی کمات کا خود ذمہ دار ہے۔ جس کا سماجی نظام بعض خاص طبقوں  
کو دھوکہ دیتی ہو جیسا کہ سماجی نظام چند خوش نصیب اور پاداک لوگوں کو  
ہر طرف سے دولت سمیٹ لینے کا موقع دیتا ہے، اور جس کا سیاسی نظام اپنے قومی کے  
ذہنی سے کسی کے خدائے مخالفت کرتا ہے۔ ایسی سوسائٹی میں تو جو کام تھکا کر دیا گیا ہو، شاید اکثر  
صحت میں تو اس کو سر سے لے کر پیڑ پانی دہشت نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ایک سوسائٹی میں  
بھاری کوثرم ترلہ دینا حاصل یہ معنی رکھتا ہے کہ خود غرضی اور بھروسہ لوگوں کے الگ مخالفت قانون  
کے پیش نظر ہے۔ بلکہ اس کے اسلام و سوسائٹی بیسارکتا ہے جس میں کسی شخص کے لیے چوری  
پر مجبور ہونے کا کوئی موقع نہ ہے، ہر خدمت مند انسان کی باوجود مزید بات ہدی کرنے کے لیے  
وگرنہ ہی رضا کارانہ طور پر لگاد ہوں، اور حکومت کی طرف سے بھی اس کی دھیکری پہلو یا نظام  
ہے۔ پھر جو شخص اس کے باوجود ہدی کرے اس کے لیے اس کی قانون یا تھکائے کی جبرناک  
مزا تجویز کرتا ہے، کیونکہ ایسا شخص ایک شریعت، عادل اور فیاض سوسائٹی میں ٹھٹھنے کے  
قابل نہیں ہے۔

اس طرح اس کی قانون تعویضات زنا پر سوکڑے مانگ ہے اور شدید شہ زنا کار کو گھبرا  
کہتا ہے۔ مگر یہ کس سوسائٹی میں ہاں میں جس کے ہر سے نظام تمدن کو شہوت انگیز اسباب سے  
خالی کیا گیا ہو، جس میں محہ توں باور مدد کی ضرورت نہ ہو، جس میں مدنی ضروری محہ توں  
کا مسخر عام پرانا تاج نہ ہو، جس میں نکل کو نہایت آسن کر دیا گیا ہو، جس میں نیکی اور تقویٰ اور  
پاکیزگی اخلاق کا عام چہچہا ہو، اور جس کے احوال میں نہ الکی یا دہر وقت تازہ ہوتی رہتی ہو۔  
یہ حکم اس گندی سوسائٹی کے لیے نہیں ہے جس میں ہر طرف جنسی جذبات کو بھڑکانے کے اسباب  
پھیلے ہوئے ہیں، الکی اور گھر گھر فریڈم ہے، بلکہ جگہ جگہ اشادوں کی تصویریں چلی ہوئی

ہیں، شہر خیرہ قحبہ قحبہ سینا میں مشن دے رہے ہیں، نہایت گندا لڑکچہ رادی کے ساتھ شائع  
 ، محمد ہے، بنی صغریٰ قحقی لکھے بندوں پر رہ رہی ہیں، اندنگی کے ہر شعبہ میں جنسی اختلاف کے تحت  
 بڑھ رہے ہیں اور نظام معاشرت نے اپنے بیہودہ مذاہن سے نواح کو بہت مشکل زندگی ہے۔  
 ظاہر ہے کہ ایسی سوسائٹی میں زندگی گزارنے والے کو سزا دینے کے بجائے زندہ سے پرہیز کرنے  
 والے کو انعام یا کم از کم غصے بھری کا خطاب دینا چاہیے۔

### شریعت کا قانونی حصہ

اس بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ اصطلاح کے معنی شریعت کے معنی تھے  
 کو ہم قانون کے خلاف تفسیر کرتے ہیں نہ زندگی کی ایک مکمل مدعا جس اسکیم کا بڑھ رہا ہے۔ یہ بڑھ رہا ہے  
 خود کوئی مستقل چیز نہیں ہے کہ کوئی سے مل کر کے اسے جھجکا جائے یا جھجکا جائے یا جھجکا جائے  
 بھی جانتے تو یہ اس کی قانون کا جواز نہ ہوگا، اس سے وہ تانچے ماس میں بریکس کے جواہر  
 کے پیش نظر ہیں، اور یہ حرکت خود شارع کے منش کے مطابق ہوگی۔ شارع کا اصل منش اپنی  
 پسندیدگی کو اجتماعی زندگی میں جاری کر رہا ہے، اور اس اسکیم کے مجموعی عمل و کردہ ہی میں اس کی  
 قانون کا اجرا صحیح طور پر ہو سکتا ہے۔

شریعت کی یہ اسکیم عمل و کردہ سے کوئی ضرور پریشانی ہے۔ اس کے معنی تھے یہ ہے جس میں کوئی  
 کرنا ہر دوسرے کا نام ہے، کوئی ظاہر کی طاقت ان کو نافذ نہیں کر سکتی۔ یعنی اس کے معنی یہ ہیں جنہیں  
 اسلام اپنے نزدیک نفس اللہ و تربیت احق اللہ تعالیٰ قدیس کے پروگرام سے نافذ کرنا ہے۔ جن ناموں  
 صحت کو جاری کرنے کے لیے وہ اسے عام کی طاقت استعمال کرتا ہے۔ جس طرح صحت کو شمس  
 مہتابی کے شعاع یافتہ مداحوں کی شکل میں نافذ کر رہا ہے۔ اور ان سب کے ساتھ ایک بہت بڑا  
 حق یہ ہے جسے نافذ کرنے کے لیے وہ تعاضلات ہے کہ رسم عوامانی بہت حد تک سیاسی اقتدار  
 پیدا کرے کیونکہ وہ آئندہ کے غیر نافذ نہیں ہو سکتا۔ یہ سیاسی اقتدار اس عمل کے لیے نافذ ہے  
 کہ شریعت کے تجویز کردہ نظام زندگی کی مخالفت کرے، اس کو بڑھانے سے روکے، اس کے سنا  
 کے مطابق جماعتوں کے شعور کو اور بڑھانے کے استحصال کا انتظام کرے، اور اس کے ان احکام  
 کو نافذ کرے جس کی تفسیر کے لیے ایک نظام صحت کا ہر ضروری ہے۔





کے احکام سے ہدایت نہیں دیتی، اُن میں خود شریعت ہی کی نکتے سے اسلامی سیاست کی اصل بنانے والا صاحبِ عقل و ضمیر بھی مخصوص سے قوانین بنانے کے باز ہیں۔ اللہ اس طرح جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ قانونِ اسلام ہی کا ایک جزِ شہد ہوں گے، کیوں کہ شریعت کی وہی ہوتی اجازت کے تحت بنائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ہر یک فقہ نے امت مسلمہ کے مفاد و فروع و عزت کے تحت وہ احکام وضع کیے تھے وہ قانونِ اسلام ہی کے اجراء بلکہ گئے۔

(۲) سب سے آخر میں قانونِ ایک شعبہ بھی ہے جس کی ایک سیاست کو اپنے میں بخود ہی تعینات کیے ضرورت پیش آتی ہے۔ اس باب میں شریعت نے جنگ اور صلح اور غیر جانبداری کے متعلق قانون کے متفقہ اسلامی سیاست کا ہر تاؤ متیس کہنے کے لیے بہت تفصیل و بیانات دی ہیں اور جہاں تفصیلات نہیں دیں وہاں ایسے اصول سے دیتے ہیں جن کی روشنی میں تفصیلات مرتب کی جاسکتی ہیں۔

اسلامی قانون کا استقلال اور اس کی ترقی پذیری

اس فقرہ شرع سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکمِ قانون کے جتنے شعبوں پر انسانی فتنہ آج تک پھیل چکا ہے، ان میں سے کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں شریعت نے ہماری رہنمائی نہ کی ہو۔ یہ جنگل کس کس شکل میں کی گئی ہے، اس کا اگر تفصیل جاننے کے کو دیکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اسلامی قانون میں کیا چیز تھیں اور مستقل ہے اور اس کے ساتھ ہونے کا فائدہ کیا ہے اور کون سی چیز اچانک ترقی پذیر ہے اور وہ کس طریقے سے ہر نئی چیز میں ہماری مرضی ہوتی کہ ترقی ضروری ہے اور نہ ضروری ہے۔

اس کا خلاصہ میں جو میراثی ہے وہ میں ہر ذرا پر روشنی ہے۔

۱۔ ظن و میراث احکام جو قرآن و احادیث میں مذکور ہیں، مثلاً شریعت اور خود تواریک حرمت، چھری اور ناک، مختلف کی سرانجام دہیت کے تارک میں دائروں کے تحت۔

۲۔ احکام جو قرآن و احادیث میں بیان ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ ہر شہر و دیہہ میں





عقرب کی اقام پر مشتمل ہے۔

۱۔ تفسیر تائیل و حکام، میں کئی حکم ہیں جن کا میں دیا گیا ہوا ان کا منہم مجھے اندازہ لانا  
 نہیں کہنے کی کوشش کرتا۔ یہ خدا کی ایک بہت ہی وسیع مہربانی ہے۔ قانونی  
 مادہ کے تحت میں انہیں لکھ دے دوں گا۔ جب کتاب و لغت میں خود کوئی کتبہ ہی تو  
 شریعت کے مروج احکام میں بھی حقیقت تفسیرات کی گنجائش پڑتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے  
 نظم و صیرت کے مطابق کسی ایک تفسیر کو برقرار رکھتا ہے۔ دوسری تفسیروں پر ترجیح دیتا ہے۔ یہ نتیجہ  
 تفسیر پر ہی اتنا کہ ان میں سے کسی ایک پر اس کا حق ہے اور اس کا حق ہے اور اس کا حق ہے۔ یہ خدا کا  
 حکم ہے۔

۲۔ یہی میں صواب میں کوئی صواب حکم نہ تھا ہوا اس پر کسی ایسے حکم کو جاری کرنا ہوا اس سے  
 حق جتنے کسی صواب میں دیا گیا ہو۔

۳۔ اجتہاد یعنی شریعت کے اصول و احکام اور جاسمہ امامت کو جو کہ ایسے صاحبان پر ان کو  
 مطلق کن انہی میں نظر رکھی نہ تھے ہوں۔

۴۔ استحقاق، یعنی مباحات کے غیر محدود اثرات میں حسب ضرورت مباحات میں سے کسی اور  
 ضابطہ وضع کرنا جو اس کے بموجب نظام کے اندر سے زیادہ سے زیادہ مباحات نکلتے  
 ہوں۔

۵۔ چاندی پیرا، ایسی ہی جی کے اس ملک پر اگر کوئی شخص خود کرے تو وہاں کی اس سلبہ  
 میں ہیں پڑ سکتا کہ وہی قانونی کلامی کسی وقت بھی اس کی تفسیر کی ضرورت نہ پڑے۔ اس کا منہم  
 صاحب کے لیے ننگ پر لکھا ہے۔ یہی یہ یاد رکھئے کہ اجتہاد و استحقاق ہر تفسیر و تفسیر  
 بہر حال اس کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ آپ ہر ماہ دیکھیں تو تفسیر میں اس کے کچھ کچھ موجود  
 کی قانونی کے کسی مسئلہ پر فیصلہ صادر کرے۔ اس کے لیے قانونی تعلیم اور مذہبی تربیت کا ایک  
 خاص میدان آپ کے نزدیک بھی ناگزیر ہے جس پر آپ نے مائتے بغیر کوئی شخص بہر اذہ لائے زلی کا  
 اہل نہیں مانا ہو سکتا۔ اسی طرح اس کی قانونی کے مسائل پر بھی دست زلی کوئی حرفہ دار ہی  
 دلوں کو دیا جاسکتا ہے جنہوں نے اس کی ضروری اہلیت ہم پہنچائی ہو۔ تفسیر و احکام کے لیے ضروری



## ارتقاء و ترقی

پھر عرض یہ ہے کہ عدلیہ کا پورا قانون جدید اس کے ایک سماجی اور شیش کی  
مخصوصیت کے لیے کس طرح کافی ہو سکتا ہے؟

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر قانون عدلیہ کی جگہ شہر ہے کہ وہ سماجی قانون  
کے متعلق ابتدائی اور سرسری واقفیت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ فقہاء انہوں نے کہیں سے ہیں یہ  
اٹل آؤں خبریں لے رہے ہیں کہ اس قانون کے بنیادی احکام اور اصولی ماحول تیرہ سو برس  
پہلے بیان ہو چکے تھے۔ اس کے بعد پانچ سو برس پہلے سے عدلیہ میں کس کس وقت سے  
یہ قانون عمل کاٹوں اُس حالت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی بنا پر نہیں یہ اندیشہ حق ہو گیا کہ اگر  
نئے ایک جدید سیاست اسے اپنا عملی قانون بنائے کہ اس کی دسویں خصوصیات کے لیے  
کچھ کنزی کے گاہن لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ جو بنیادی حکام و اصول ماضی تیرہ سو برس  
پہلے بیان ہو چکے تھے ان پر اس وقت تک یہ سیاست قائم ہو گئی تھی کہ عدلیہ میں ان کے  
معاہدات میں تیسروں یا اس اور اجہاد استقامت کے اندر سے اس قانون کا ارتقاء، اقل مدد  
ہو سکے مگر وہ ہو گیا تھا۔ چہرہ سماجی اقتصاد میں ہر کچھ کا پہلے سے بحران تھا تو اس تک آدمی  
سے زیادہ ہندو دنیا میں قبول کیا اور ترقی دیا تھیں بھی جس کے بارے میں مسلمانوں نے  
کافر کی لک سب کا اٹل نظم و نسق اس قانون پر چڑھا۔ ہر نئے اور نئے کے ساتھ عدلیہ  
کے مطابق اس قانون میں عمل تو یہ ہو رہی رہی ہے۔ انیسویں صدی کی ابتدا تک اس ارتقاء  
سلسلہ ایک صحن کے لیے بھی نہیں لکھا ہے۔ عدلیہ کے اس حکم میں بھی انیسویں صدی کا ادنیٰ  
بلکہ اس میں ہی کا ادنیٰ ان کے بعد اس قانون جاری رہا ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ صرف سوال  
کا ارتقاء یہ ہے جس کے متعلق آپ کہہ چکے ہیں کہ اس قدر میں سماجی قانون پر عمل پیرا  
ہندو انداز کا ارتقاء کرنا۔ لیکن اقل کو یہ قدر کہ قانون کا ارتقاء یہاں سے کہ ہم ترقی کی  
حالت و گردش سے اس کے نقصان کی طرف نہ کر سکیں۔ دوسرے ہمارے پاس ہر صدی کی  
نئی ترقیات کا پورا پورا رجحان ہے جسے دیکھ کر ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے اس وقت  
پہلے کا کام کہہ چکے ہیں یہ مانگے ہیں کیا کام کرنا ہے۔ پھر میں بیناوں پر سماجی قانون کا

مقتدر ہوتا ہے انہیں دیکھتے ہوئے کوئی ماحصب ہم آدمی اس امر میں شک نہیں کر سکتا جس طرح کچلے ہوئے مسیحا میں یہ قانون ہر نقصان دہ رنگ کی بنیاد یا صف کے مطابق دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح جو کچھ صلی میں بھی ہو سکتا ہے اور آئندہ صدیوں میں بھی ہو سکتا ہے۔ گواہی دے گا کہ وہ اس کو جاننے بغیر ہر قسم کے دوسروں میں پڑ سکتے ہیں۔ مگر حوالہ اس کو جانتے ہیں، اس کے احکامات سے واقف ہیں، اور اس کی تائید پر نظر کرتے ہیں، انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی پس پڑے گا۔ اس کی مستند نہیں ہو سکتا۔

#### ۲۔ الزام و حلف

دھرم اور حق، جو یک میں تو بدل نہیں سے مگر کئی صورتوں میں بڑی بے وفائی جہتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے یہ ہے کہ ایسی ہی قانون میں بہت سی چیزیں قبول دہلی کی ایک کیمیا کیل کے ہاتھ میں سے ہیں جنہیں اس جذبہ نقد کے ترقی یافتہ اخلاقی شعور نے کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے۔ مثلاً وہ کشتے اور کشتے دانے اندر سنگداری کے کی دشمنانہ مزاحمتیں۔ یہاں مزاحمتیں نہیں کہ یہ اختیار ان صورتوں سے یہ کچھ کوئی پاتا ہے کہ ۔

آج نہ بڑھا پاؤں دہلی کی حکایت

داس کو فدا کر دے فدا ہنس تو تھا دیکھ

جس مذہب میں ایثار و استقامت کا لگا ہے، اس کے اخلاقی تقصیرات کو ترقی یافتہ کچھ وقت آدمی کو کچھ تو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً کچھ نادر جذبہ انسانیت دوسرے عناصر کے ساتھ جو ملوک کر رہا ہے اس کی مثال تو قدیم حمیرا کے کسی تنہا ایک مذہب میں ہی نہیں ملتی۔ وہ سنگداری میں بے لگا ہے۔ لیکن ہاتھ ہی نہیں لگتا جو ہم کے پہلے اڑا دیتا ہے۔ آئندہ ہر خانے سے اس کو مل نہیں جاتا بلکہ آگ میں جوتا ہے اور غرور و غول کی چربی نکال کر ان کے صلی جاتا ہے۔ جس کے چکر بے لگا ہے خضبت ہی میں نہیں، اس کے ٹھنڈے دہلی میں ہی جاتا کہ سیاسی جرم یا ہوس یا جینیہ کدالی کا رنگ یا قری مخلوق و غش یا ماضی افراسی کا رعب بہت ہے کہ وہ ہر ایک صواب دینے میں مدد کو کرے گا کسٹار کاٹتا ہے۔ ثبوت جرم ہے پہلے صلی شہر ہی شہر میں تفتیش کے چکر لگتا تھا اور اقبل جرم گرسے کے وہ بخشنے سے آج کی

مذہب کو غلو میں نہیں لے کر دیکھا جاتا ہے جس سے وہ کس سے ملے جیسے ہیں۔ ان میں سے بہترین کی موجودگی میں یہ دعویٰ تو کس طرح کیا نہیں ہے کہ کسی کے نام نہاد فرق یا فتنہ تفرعات انہی کو انسان کے ہاتھوں خلاف پاسے ہوئے دیکھنا ضروری ہے کہ انہی ہی نہیں کہتے۔ اگر انہی کو کہتے ہیں تو پہلے سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ انہی کو کہہ دیا ہے جس سے انہی کو کہہ دیا ہے۔ ان کے نزدیک جو جرائم واقعی محنت ہیں ان پر تو وہ خوب مذاہب و یتیم میں بدل کر لکھتے ہیں، شفق کے سیاسی اقتدار کو پہنچا کر دیا، یا ان کے معاشی مفاد میں مزامنہ بندی میں اعلان کردہ سرسے سے غلام ہی نہیں کہتے، خطا شراب سے ایک گونہ غلو ہی حاصل کر دینا، یا تقریباً ناکارہ دینا، ان پر مذاہب تو دیکھ کر سرخوش اور مسرت ہیں، انہیں نہ گوارا ہوتا ہے اور غلام نہ بچنے کی ضرورت میں وہ غلام وہ ناگوار نظر ہوتی ہی پائیت۔

اب میں ان سرزمینوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کن اخلاقی قصود کے متعلق ہیں؟ اسلام کی اخلاقی تعلیم؟ یا صرف تہذیب کی؟ اگر آپ کی تعلیم جلدی ہوگی، اگر غلام و عوام اور عساکر صوبہ اور نیکو دینی کے وہ عید آپ چھوڑ چکے ہیں جو اسلام نے مقرر کیے تھے، اور دوسرے عید آپ نے دل سے قبول کر لیے ہیں، تو پھر اسلام کے دانتوں میں آپ کی جگہ ہے کہ آپ اس کے تانہ میں تیریم کی شکل میں لیں۔ آپ کا تہذیب نہیں باہر ہے۔ اپنی جگہ تک بنائیے، کوئی اندام اس تہذیب سے جوڑ سکیں، اور صحت حاصل کیجئے کہ ہم اسلام کی حیثیت میں کہہ سکتے ہیں۔ میں خدا کی عزت کی پوری منزلوں کی آپ کو مشاہدہ کرتے ہیں اس پر ایمان دینے کا آخر کس حق سے آپ کو مشہور دیا ہے، اور کون حق یہ باہر کر سکتا ہے کہ اس کی بات کو دینا نہ بچنے کے برابر آپ اس کے ملے ہیں۔

جو فقہی اختلافات کا بیان

تیسرا حوالہ دیا جاتا ہے کہ ہم میں بہت سے فرقے ہیں اور فرقے کی فتنہ ہوتا ہے۔ اب اگر یہاں سے ہی فتنوں ہادی کرنے کا نیکو کیا جائے تو آخر کس فرقے کی فتنہ کے مطابق ہوگا۔

یہ امر ضرور ہے کہ برساتی قانون کے مخالفین شریعہ میں جتنی باتیں  
 لکھے ہیں کہ اگر کھڑی اس سال پر مسلمانوں میں بکثرت نقل و حرکت کے موسم کے خلاف ہے۔ کمال  
 نہیں لگے۔ خود مسلمانوں میں نہ ملک و حقیقت سے پرہیز و احتیاج نہیں اس سوال پر اکثر  
 پریشان ہو جاتے ہیں کہ اس پر سید کی کو آخر کیسے حل کیا جائے گا۔ مگر وہ حقیقت سے  
 ہے کہ کوئی سید نہیں ہے ہی نہیں بلکہ یہاں یہ سیدوں میں اس مسئلے نے کبھی اس کے برساتی قانون  
 کے خلاف نہیں لکھا ہے۔

سب سے پہلے، جو یہ کہ برساتی قانون کو اختیار دینا چاہیے جو خداوند سبحان کے حقوق کے  
 برتے تھے، اس کے خلاف اس کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کے اختلافات میں رہتا ہے۔  
 تو حکم کیسے مسلم ہو جائے۔ اس میں کوئی اختلاف نہ ہے۔ تمام ادب پایا ہوا ہے۔ نہیں اختلاف  
 جتنی ہی ہوتے ہیں، تیسری مدت میں تیسری مدت میں مسائل میں، اس مسئلہ کی حاجت کے لئے  
 ضروری ہو سکتی ہیں۔

پھر یہ اختلافات کی حقیقت میں یہ ہے کہ کسی حکم کی کوئی تیسری مدت کی حکم سے کہ یہ یا کوئی  
 مسئلہ ہو یا اس وجہ سے کہ اس نام نے نکالا ہو، یا کوئی تیسری مدت کی حکم سے کہ یہ یا کوئی  
 دیا ہو، بلکہ یہ اختلافات نہیں بن جاتا۔ اس میں اس کی حیثیت میں ایک چیز ہے، جو کہ تیس قانون  
 وہ وہی کسی مدت بنتا ہے جب کہ اس پر اجماع (اتفاق رائے) ہو جائے یا جمہور اکثریت،  
 اس کو تسلیم کریں کہ تیسری مدت اسی پر جاری ہو جائے۔ ہر مسئلہ کے خلاف جب اپنی کتابوں میں کسی مسئلے  
 کو یہ کہ کہنے کے بعد کہہ کر کہیں کہ علیہ السلام یا علیہ السلام اور علیہ السلام  
 حضور، تو اس سے اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے متعلق یہ رائے ہے اس رائے  
 یا تیسری نہیں رہی ہے بلکہ اتفاق رائے یا جمہوری فیصلہ کی بنا پر اب قانون ہی چلی ہے۔

یہ اجماعی اور جمہوری فیصلہ ہی دائم کے ہیں۔ ایک دفعہ پر تمام ائمہ کا ہمیشہ اجماع رہا  
 ہے یا نیا سے موسم کی اکثریت کے لئے کو قبول کر لیتا ہے۔ دوسرے وہ ہیں کہ کسی وقت کسی ملک  
 کے مسلمانوں کو اجازت ہو جائے یا اس کی اکثریت انہیں قبول کر لے۔

پہلی قسم کے فیصلے اگر جاری ہوں تو وہ منظر کلی کے قابل نہیں ہیں۔ انہیں تمام مسلمانوں کو



دادہ کہ قاضی کی تعمیل کرنے کے بعد اس کی مددی مجلسیں خود ہی سمجھتی ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ ہم میں قانون پر بحث کر رہے ہیں، مقلان علی ہے نہ کہ قانون کی شخصیت۔  
جہاں تک فطری مصلحت کا تعلق ہے، اس کے تحت میں تو یہ تسلیم ہے کہ ہرگز یہاں کا اپنا قانون  
ہی جاری ہوگا۔ یہ حق دنیا میں سب سے پہلے اس سب سے زیادہ فیاضی کے ساتھ اسلام نے  
اپنی اقدار کو دیا تھا، بلکہ وہ حقیقت اسلام ہی ہے جس سے عروج و زوال کے الی قانون نے علی  
قانون اور فطری قانون کا فرق یکساں ہے اور یہ اصول مسلم کیلئے کہ جس کی مصلحت کی تباہی مختلف  
الذہب لوگوں پر مشتمل ہوا اس میں سب گروہوں کے فطری مصلحت ان کے فطری قوانین ہی کے  
تحت ہونے چاہئیں۔ لہذا کسی غیر مسلم اقلیت کو ہم سے یہ مذہبی توہم نہ ہی نہ پانچنے کے ہم میں  
کے فطری مصلحت پر اپنے مذہبی قوانین کو مستلک کے اس خاص علی مصلحت مذہبی کریں گے جو  
در اصل جہاں اپنا ہی قائم کیا تھا خاص ہے اور جس کے متعلق اسلام نے ہم کو فطری و غیر فطری احکام  
دے رکھے ہیں۔

اب سوال عرض ہے کہ ہمارے کس کس میں قانون کی کوئی اور؟ انسانی اصول سے  
اس اصول کا مطلب اس کے حوالہ کیا ہو سکتا ہے کہ قانون کی مددی ہونا چاہیے جو اکثریت کے  
نزدیک صحیح ہو۔ اقلیت ہم سے چاہا تو حق غرض ملک مکتبی ہے اور وہ ہم اس کے گھٹے سے  
پہلے ہی تسلیم کر رہے ہیں۔ لیکن وہ ہم سے یہ مطالبہ کس طرح کر سکتی ہے کہ اس کی کوئی اور  
یہ ہم کو اپنے عقیدے کی نفی کریں اور کسی ایسے قانون کو اپنا نہ قبول جاری کرنے لگیں  
جس کو ہم حق نہیں سمجھتے یا جب تک کہ ہم اپنے ملک میں خود مختار نہ رہیں جہاں بسوا ایک باطل  
قانون کو گوارا نہ دیا۔ اس کی ذمہ داری سے ہم ساری جبر سکتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ ہم غیر  
ہاں سے اپنے ماتحت ہیں، اگر ہم ہاں پر چھوڑا سوسی قانون کی جگہ کوئی مذہبی قانون جاری  
کریں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم قوی حیثیت سے بالحدادہ فرقہ پرست ہیں۔ کیا ان کو اتنی کمی  
احیثیت باہم پر یہ حق ہے کہ اس کی خاطر ہم اپنا دیں بہانہ لگا کریں؟ کیا کوئی اقلیت کسی غیر  
اکثریت سے یہ مطالبہ کرے گی کہ جس کا نسب ہے کہ وہ اپنی رائے میں جس پر کس کو جبر کرتی ہوئے  
ہوئے دوسرے مذہب پر اختیار کرے جسے اقلیت صحیح سمجھتی ہو؟ یا پھر کیا یہ کوئی سوال حق ہے



کہ جس ملک میں قطعہ غنیمت بہت گہرا ہو اس میں مسکودہ غنیمت ہی ہو کہ پہلے سے ہنگام  
 میں مصلحت کا جواب انجاست میں نہیں ہے، اگر میں نہیں جانتا کہ اگر ایک مسئلہ ہو تو یہ ملک  
 میں اس کی قائل ہو کہ قائل تہذیب ہے۔

(ترجمانِ مستعین - جولائی ۱۹۰۷ء)

# پاکستان میں اسلامی قانون کس طرح نافذ ہو سکتا ہے ؟

ترجمہ سرحد فردوسی ۱۹۹۸ء کو لاہور میں کی گئی تھی۔

اس سے پہلے میں اپنے کے سامنے ایک تفسیر میں طرح پر لکھا ہوں کہ اسلامی قانون کی حقیقت کیا ہے اس کی مدد سے اس کا تصور کیا ہے اس کے بنیادی اصول کیا ہیں اس کے اصول کی حیثیت سے چاروں کے ساتھ حق کیا ہے اور ہم کیوں اپنے ملک میں اس نافذ کرنے کے پابند ہیں اور وہ کس شہادت کیا دلائل رکھتے ہیں جو اس کے بارے میں عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ میری وہ تقریر میں ایک تمدنی تقریر تھی۔ اب میں خدا تحصیل کے ساتھ اس مسئلے پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم اس ملک میں اسلامی قانون کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لیے کیا تدبیریں کرنی ہوں گی۔

فوری انقلاب نہ ممکن ہے نہ مطلوب

اس مسئلے میں بحث پہلے میں جیسی کرتا ہوں کہ اس خطہ میں کوئی کہیں جو اسلامی قانون کے اجراء کے متعلق کثرت سے گفتگو کے ذہن میں رہتی جاتی ہے۔ وہ کہ جب شخص میں ہم ہیں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس حکومت میں ملک کا قانون اسلامی قانون ہو گا تو ہمیں یہ لیکن ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام حکومت کے تیز کا اعلان ہوتے ہی تمام پہلے قوانین ایک نصف

مصرغ پر جانیں گے اور ساری مخلوق یکسو وقت فائدہ کر دیا جائے گا۔ یہ خدا نہیں موصوفہ عام لوگوں  
 ہی میں نہیں ہائی جاتی بلکہ اپنے خاصہ میں بیٹھے بھی اس میں بستو ہیں۔ ان کے نزدیک ایسا ہونا  
 چاہیے کہ دھرم اسلامی مگر مستقام ہو اور آخر زمانہ ہی غیر اسلامی کو انہی کا فائدہ بند ہو اور اس کی مخلوق  
 کا فائدہ شروع ہو جائے۔ اور حقیقت یہ ملک اس بہت کمزور ملک نہیں سمجھتے کہ ایک ملک کا فائدہ  
 اس کے اخلاق، ماسکولٹی، مصلحتی، مصلحتی، مصلحتی نظام کے ساتھ گہر تعلق رکھتا ہے۔ انہیں معلوم نہیں  
 ہے کہ بہت کم کسی ملک کا نظام زندگی اپنے خاصہ میں لوگوں کے ساتھ نہ بدے اس کے  
 فائدہ نظام کا جس جہان ممکن نہیں ہے۔ انہیں اس کا بھی اندازہ نہیں ہے کہ پچھلے سوڑیہ دور میں  
 سے ہم پر جو اگر بڑی آفت درگزر ہے اس کے کسی طرح ہادی زندگی کے پاس سے نظام کو  
 اس کی صورت سے بگاڑ کر اسلامی امور میں پرچھایا ہے اور اس سے چھوٹ کر دھرمی مصلحتوں  
 پر قائم کرنا کتنی محنت، کتنی کوشش اور کتنا وقت چاہتا ہے۔ یہ ملک عمل مسائل میں بصیرت نہیں  
 رکھتے۔ اس لیے اجتماعی نظام کی تبدیل کو ایک کھیل سمجھتے ہیں اور تخیل پر مرموں جو اس کا خوب  
 دیکھتے ہیں۔ چھوٹے کہ ہیں انہیں ان لوگوں کو جو اسلامی نظام سے زائد کی راہیں ڈھونڈ رہے  
 ہیں، یہ سخت دے دیتی ہیں کہ وہ اس تخیل کا ذوق انہیں اس احساس کے حامیوں کا اختلاف  
 کریں۔

### تدوین کا اصول

اگر ہم اپنی تاریخ اپنے ہی تخیل کو لایا ہے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہم غلط کہیں اس  
 قاعدے سے غافل نہ ہونا چاہیے کہ اجتماعی زندگی میں جسے تیز رفتاری ہو رہے ہیں بتدوین کی ہی  
 ہونا کرتے ہیں۔ انقلاب ہوتا، چاہے اور جس تبدیلی کے ساتھ ظاہر ہو گا اتنا ہی وہ ناپا ملے گا۔

ایک سنگم اور پائندہ انقلاب کے لیے یہ بالکل ضروری ہے کہ وہ زندگی کی ہر جہت اور ہر جزو  
 میں بہتے تواری کے ساتھ گھومنا ہو تاکہ اس کا ہر گوشہ وہ سرسے گوشہ کو سہارا دے سکے۔

### ہیڈ پیری کی شکل

اس کی بہترین شکل خود انقلاب ہے جو اپنی اصل شہید و ملنے کے لیے رہا کی تھا۔ جو  
 نفس جزو کے ساتھ سے سرکاری ہی، تخیل ہی رکھتا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ آپ نے

پہلے اسلامی قانون اس کے مدد سے شہر کے ماتریک وقت بعد میں کر دیا تھا بلکہ سائرس کو جیتنے  
 اس کے پہلے تیار کیا تھا اور اس قیدی کے ساتھ آہستہ آہستہ سابق طاقت کے طریقوں اور  
 قصوں کو برباد کرنے کے اسلامی طریقے استعمال کیے گئے تھے۔ آپٹ سب سے پہلے  
 موسم کے قیدی تھے اور ان کے خلاف اصولی اصولوں کے ساتھ چلے گئے۔ پھر لوگوں میں دھت  
 کو قبول کرنے گئے انہیں آپٹ تربیت دے کر ایک ایسا مسلح گروہ تیار کر کے بھیج گئے جس کا  
 وہم عناصر اور نظریات پر عمل نہ تھے، اسلامی عقائد جب یہ کام ایک خاص حد تک پایہ تکمیل کو پہنچ گیا  
 تو آپٹ کے دوسرے اقدامات اور وہ یہ تھا کہ دہشت میں ایک ایسی حکومت قائم کر دی جو خاص  
 اسلامی نظریہ پر مبنی تھی اور جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ ملک کی زندگی کو اسلام کے نقطہ پر داخل کر دے  
 اس طرح سیاسی طاقت اور عملی نتائج کو دیکھیں گے کہ انہیں عملی اقدامات سے مدد دینے پر  
 اصولی تعمیر کردہ کام شروع کیا جس کے لیے آپٹ پہلے عہدہ دھت و تیل کے ذریعہ سے خوش  
 فرما رہے تھے۔ آپٹ سب سے ایک مرتبہ آپٹ طریقے سے لوگوں کے حقوق، مائتات، تہذیب اور  
 سبب کو جس کے تحت جہد کی جسم کا ایک نیا نظام قائم کیا جو اس زمانے کے مفاد کے لئے  
 سے زیادہ تر زبانی تھیں، طریقے پر جاننا سبب کے لیے صرف کی بلکہ اسلامی سبب کے لئے  
 کی۔ پھر ان لوگوں اور طریقوں کی جگہ نئے اصول یا منہ دہانہ احکامات اور اصول جاری کیے گئے۔  
 اس پہلے اور اصول کے لئے یہ سببوں میں زندگی کے تقاضوں کو شریعت میں منتقل کر دیا گیا  
 آپٹ ہی کے مطابق یہ سببوں اور تائید اور تائید کے ساتھ سببوں کے قانون کے حکام جاری کرتے  
 چلے گئے، یہاں تک کہ وہاں کے احکامات اور اصولوں کے ساتھ زندگی کی تعمیر تھیں اور دوسری طرف  
 پہلے اسلامی قانون ملک میں نافذ ہو گیا۔

قرآن اور سبب کے فرائض سے جس واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپٹ سبب  
 یہ کام کسی ترتیب و تدبیر کے ساتھ کیا تھا۔ طاقت کا قانون جو جبری میں جاری کیا گیا۔ مگر وہ  
 حق کے قوانین و فرائض جبری میں مکمل ہوتے۔ جو جبری قوانین کو مثال تک ایک ایک  
 دائرہ کے فرائض کے ساتھ ہے یہاں تک کہ جبری میں ان کی تعمیل ہوتی۔ شراب کی بندش  
 کے لیے تدبیر خدا تیار کی گئی اور سبب جبری میں اس کا تقاضا دیا گیا۔ محمد کی بھائی اگرچہ

کڑی میں جانتے ہیں کہ یہ ایک نئی چیز ہے۔ مگر اس کی حکومت قائم ہوتے ہی اس کے ایک حصہ نہ نہیں کر دیا گیا۔ بلکہ ملک کے ہر حصے میں اس نظام کو بدل کر جب نقصانوں میں داخل ہو گیا تب اس میں بحری میں ملنے کی قلعی حرمت کا قانون جاری کیا گیا۔ یہ کام بالکل ایک صدی کا کام تھا جس نے اپنے پیش نظر نقطہ کی محنت جاننے کے لیے لایگو اور مزدور کی بے وفائی و دغا بازی پر ایک زہریلے جواہر کی بنیادیں رکھ دیں۔ پھر ایک ایک ایسی نکتہ کر برصغیر کے حالات کو اٹھاتا ہوا پر ملک لے گیا، اور چند سال کی مسلسل محنت کے بعد آخر کار یہ محنت ملنے لگی جس کا خاکہ اس کے ذہن میں تھا۔

### انگریزی قانون کی مثال

قریب کے لکڑی میں خود ملک سے ملک پر جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تھی تو ایک انہوں نے ایک نکتہ یہاں کا اس کا نظام بدل ڈالا تھا؛ نہیں۔ ان کی حکومت سے پہلے ہوتا سو برس سے پہلے یہاں کا نظام انگلی اصولی تھی۔ مگر اس صدیوں کی پہلی پہلی حالت کو دیکھنا اور مغربی اصول و فلسفہ کے مطابق ایک دوسرے نظام کی حالت کو دیکھ کر کرنا ایک دن کا کام نہ تھا۔ تاہم یہاں سے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی آئینہ قائم کرنے کے بعد بھی ایک مدت تک ہندوستانی اس کی ترقی دینے کی سعی کرتے تھے تاہم یہی نقصان کے پہلے پیشے تھے کہ اس کا قانونی وضع پر عمل کی تک مسودہ تھا بلکہ یہی حکمت عملی تھی (Law of the Land)۔ انگریزوں کو یہاں کا قانونی نظام بدلنے سے پہلے ایک صدی تک لگی۔ انہوں نے تبدیلی کے یہاں کا نظام بدل کر اپنے مطلب کے آئی ڈی حال سے اپنے فیوض کی اشاعت سے ذہنیتیں بدیں، اپنے آئینہ کے اڑے دنگ کے خلاف جس سے اپنی بادشاہی کے تحت سماجی نظام بدل رہا ہے جیسے یہ قطعاً قسم کے ہرگز اثرات یہاں کی اجتماعی زندگی کو مسکن گئے۔ اس کے مطابق یہاں سے قوانین منسوخ اور نئے قوانین جاری ہوتے رہے گئے۔

### تدوین کا تاخیر رہے

اسلام یہاں پہلا سوی قانون جاری کرنا چاہتے ہیں تو پہلے سے پہلے بھی انگریزی حکومت

کچھ سزاؤں کو کٹھن کر دیا اور اسے نفوذ بہت کم کر دیا جس کی وجہ سے ملکی ہیں ہے۔ ہمارا  
 پرانا نظام تعلیم زنگی اور اس کے عملی مسائل سے ایک مدت ہمارا ملک بے تعلق رہ چکا ہے اس کے باعث  
 اس قدر بے جا ہو چکا ہے کہ اس کے خارجہ افسرانوں میں ایک فی ہزار کے واسطے سے بھی  
 ایسے آدمی نہیں مل سکتے جو ایک جدید ترقی یافتہ ریاست کو جو بدعشریت بنائے جاسکیں۔  
 دوسری صورت جو یہ نظام تعلیم نے جو دی تیار کی ہے اس میں وہ اسلام اس اس کے قوانین سے بالکل بیگم  
 ہیں۔ وہ ان میں ایسے افراد بھی شامل ہیں جو ہرگز جانتے جاتے ہیں کہ ایک مذہب ہی کم از کم اس تعلیم  
 کے زیر پرورش اس کے مفروضہ گئی ہو۔ پھر وہ پڑھ کر سر میں ملک سے ملنے کی وجہ سے ہمارا  
 قانونی ذہن و عمل نہ اس کی بنیاد سے چھوڑا گیا ہے اور اسے جو وہ خود کی عدالتی  
 فردیات کے لیے کہہ رہا ہے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایک  
 طویل مدت تک اسلامی شریعت کے اصولوں اور نگرانی حکومت کے تابع نہ تھے بلکہ اس کے خلاف  
 تھے، معاشرت، معیشت اور ریاست کا نقشہ اس اسلامی نقطہ سے بہت مختلف ہو چکا ہے۔  
 اس حالت میں ملک کے قانونی نظام کو ایک نئے بدل دینا۔ اگر اس کا ممکن ہی ہو۔  
 غیر غیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں مندرجہ نظام اور قانونی نظام دونوں ایک دوسرے سے  
 بیگانہ ہو جائیں گے اور ایسے قانونی تعمیر کار ہی ضرور ہوگا جو ایک ہونے کو ایسی آب و ہوا  
 اور ایسی زمین میں رہا دیکھنے سے ہو کر رہے جو اس کے حرج سے کوئی نہ سمجھتے نہ کہتی ہو۔ لہذا  
 یہ بالکل ناگزیر ہے کہ اس صورت و تعمیر کے مطالب ہیں وہ تدریج کے ساتھ ہو اور قانونی تہذیب  
 اخلاق، تعلیم، معاشرت، تمدن، معیشت اور سیاست کی تہذیبوں کے ساتھ تدریجی طریقہ  
 سے کی جائیں۔

ایک غلط پہاڑ

لیکن تہذیب کے اس معنوی اور بھلے خود بخود بالکل صحیح اصول کو بار بار جو لوگ اس بات کے  
 حق میں متبادل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہر دست تو یہی ایک غیر حقیقی۔ جو کہ یہ  
 صحیح انداز میں ایک جدیدی۔ ————— ریاست ہی قائم ہوئی چاہیے، پھر جب اسلامی اصول تیار  
 ہو جائے گا اور اسلامی ریاست ہی قائم ہو جائے گی جو اسلامی قانون جاری کرے گا اور ہر ایک

استقلیت ہوتے ہیں۔ نہیں اس سے پرچتا ہوں کہ یہ اصول تیار کر کے لگا دیا گیا ہے جس سے یہ سب  
 جس کو کہیں درجستہ نظام اور پیشوں کے ہوتے ہیں ہوں؛ کیونکہ سہرہ جہاں میں ہمارے ہر کام میں  
 تعمیر ہاتھ دے رہے ہیں یہی دیکھتے ہیں ایک تجربہ کرنے کا سامان کر کے، اور ان لوگوں کا  
 یہی مطلب ہے تو فنانسیل کمیٹی میں یہ سہرا لگا کر لانا کہ سہرہ جو کہ کبھی نئی تعمیراتی کو پر دہاں  
 چرنا کر اپنی جگہ لینے کے لیے تیار کر سکی۔ اور اگر وہی لا مطلب کہ وہ ہے تو ذرا اس کی  
 صحت مصلحت فریخ فرمائیں کہ اس کی تیار کی تیار کیا کام کون، اس وقت اور کن ذرائع سے کرے گا؟  
 اور اس معاملہ میں خود بخود یہی صحت اپنے ذرائع اور اتنا کر کہیں پیر کی تعمیر و ترقی میں فروغ  
 کرتی ہے گی؟

ابھی ابھی تیار کیا کا اصول ثابت کرنے کے لیے جو مثالیں میں نے پیش کی ہیں انہیں ملاحظہ  
 ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن میں تازہ کر لیں تو آپ یہ صحت لگائی جاسکتی ہے۔ اس کی نظام ہنگام کی  
 تعمیر ہو یا غیر مسودہ نظام ہنگام کی، اگرچہ ہم مورتی تو تیار کر رہے ہیں، لیکن تیار ہنگام کی تعمیر  
 مورتی کی صحت میں پر مکتبی ہے جب کہ ایک سہرا واقعہ، اپنے ہاتھ ایک صحت اور ایک  
 نقشہ کو مسئلہ اس کے لیے کام کرے۔ صحت اور اس میں جو صحت کی صحت ہنگام کی اس طرح ہنگام  
 کو ہی ملے گا جو مسئلہ سے ہوں اس کے لیے موزوں آئی تیار کیے، تعمیر و تیار کے ذریعہ سے  
 لوگوں کے فائدہ ہونے، اور صحت کے لیے نظم و نسق کو صحت کے صحت اور ایک صحت  
 تمدن کی تخلیق کے لیے متعلق کیا، اور اس طرح وہ ماحول بنا جس میں اسلامی قانون جاری ہو سکے  
 یعنی ترقی میں، اگرچہ وہ صحت و تیار کے نظام زندگی میں جو تیار کے لیے وہی تیار کے لیے  
 ہونے کو نہایت لگا رہے لوگوں کے ہاتھ میں تیار جس تیار کے فائدہ صحت اور اس کے لیے کام  
 کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک صحت اور ایک نقشہ کرنا وہی لگا رہے ہیں کہ کہ ہم اس تیار کے لیے  
 کوشش کی اور فراہم کیا ہے اس کے لیے نظام زندگی کو اس سانچے میں ڈھال کر ہی چھوڑ دیا  
 کے اصول و قوانین سے مناسبت لکھا تھا۔ چرکہ اب ہندی پیش نظر تعمیر اس ماحول صحت کے  
 بنیاد بنائے گی؟ یا ایسے ماحول کے انہوں ہر کے گی جو اس نقشے پر تعمیر کا کام دہانتے ہوں  
 اور نہ چاہتے ہوں؟





بہرہ و جہر حرد کہتے ہیں کہ انہیں کسی حکم کے لیے کسی طرف رجوع نہ پہنچے بلکہ ان کے درمیان  
کوئی وکیل منتخب کے لیے مقرر ہیں۔ آخر وہ اسے تسلیم کر رہے ہیں کہ عدلیہ کے لیے وکیل  
اور متعدد شخص کے لیے ڈاکٹر کو تلاش کریں۔ وہ اس کو بھی کسی دوسری ملک جانتے ہیں کہ اس کی سہولت  
ہو یا یاں دار اور خاتون کو ہیں، چاہے اس کا تعلق دنیا پرست کوں، اور شریعت مسلمانوں جیسا کہ  
ان کے ساتھ جتنا ہے دیکھ کر اس کی آواز کے لیے اسے اندر سے ڈھونڈنا ہے۔ اب  
ملکوں کے سامنے یہ تصور آیا کہ انہیں ایک دینی نظام چاہنے کے لیے کسی ملک میں  
بہرہ میں کے چاہئے۔ اسے آخر تلاش کرتے ہی کہیں، جیسا کہ وہ دینی اخلاق نظام ملک میں  
قائم تھا اس کے سامنے جس قسم کے کوئی چاہتا تھا اس کے لیے جیسے ہی آدمیوں پر وکیل کی نگاہ  
انتخاب پڑی اور انہی کو اسے دہندہ بننے کی کڑی دیا۔ اب اگر ہم ایک اسلامی ریاست  
کا تصور جانتے اور لوگوں کے سامنے سوال یہ اٹھائے کہ اس نظام کو چاہئے کہ نہ کہ انہیں منہ  
نئی منتخب کرنے ہیں، تو چاہئے کہ اس انتخاب کا دور کا امید ہی نہ ہو، مگر ہر حال اس کام کے  
لیے ان کی نگاہیں ختم نہ ہوں اور دینی سرپرستی کے مومنین پر نہیں پڑیں گی۔ وہ اس کے لیے اپنی نگاہوں  
کو تلاش کریں گے جو اخلاق بخاری اور دینی حیثیت سے اس کے اپنی ہوں گے۔

پس ریاست کو ممکن بنانے کے بعد تعمیر حیات اسلامی کی دہلیں و دوسرے اقدام ہے کہ  
جمہوری انتخاب کے ذریعہ اس ریاست کی تمام کاریوں کو اس کے ہاتھ میں منتقل ہو جو تمام کو  
ہستے ہیں اور اس کے مطابق ملک کے نظام زندگی کو اچھا چاہتے ہیں۔

قیصر اقدم

اس کے بعد قیصر اقدم: جبکہ جماعتی زندگی کے متعدد پہلوؤں کی جہد و جدوجہد کا ایک منظر  
(Plan) بنایا جائے۔ اس سے عمل میں آنے کے لیے یہ کام کے تمام مدافع و مدافعی متوال کیے  
جائیں۔ تجسیم کا نظام بنائے۔ یہ یوروپ میں، سینا اور خطابت کی مدلی قاتینوں کوں کے بغیر  
کی صورت و ایک نئی اسلامی دہشت کی تعمیر میں صرف کی جائیں۔ معاشرہ اور تقدیر کوں کوں  
سپاہیوں میں ڈھلنے کے لیے یہ ہم اندر و باہر و کوشش کی جائے۔ سول سوس، پولیس، میل سٹیشن  
اور قومی سے تدریجاً فن و لوگوں کوں کوں کیا جائے جو پڑنے سمجھنے کا ذرا نظام کی عادت و

خصائص میں مدخل کر سکو چکے ہیں، اور انہوں نے حاکم کو کام کرنے کا موقع دیا جائے وہ اس صورت کے کام میں سبکدوش نہ ہوتے۔ سائنسی نظام میں جیولوجی، تبدیلیوں کی باتیں اور اُس کا مطالعہ پھر پرلی ہندو اور دیگر ذہن نشین اور فیصلہ پر عملی رہا ہے، اور میرٹھ ڈاکٹر جیسٹ۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر ایک سائنس دانہ دیگر گروہ اقتدار کے منصب پر فائز ہو گا تو ملک کے سادہ و سائل اور حکومت کے لیے علم و فن کی حفاظت سے کام لے کر باغی ہو گا۔ ساتھ امور کے ایک سوچے سمجھے منصوبہ پر عمل شروع کرے تو اس سبب کے خدشہ اس ملک کی اجتماعی زندگی کا انتشار و بکھار ہو گا جو اس وقت کے لیے بہت ہی بدترین حالت ہے۔ ایک صحیح قانون کے ساتھ سابق قوانین کی ترمیم اور باطل قوانین کے نفاذ کا بندوبست ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر قابلیت کا کوئی قانون جلد سے لکھیں تو انہیں رہے اور اسلام لکھنی علم نافذ ہونے سے باز رہ جائے۔

### ہندو قانون اسلامی کے لیے تعمیری کام

اب میں خاص طور پر اُس تعمیری کام کی فکر نہیں کر رہا ہوں کہ جو ملک کے قانون عام کو بدلنے اور اسلام کے قوانین کو جاری کرنے کے لیے ہیں کہ انہوں میں اسلامی پروگرام کی ابتدا ابھی نہیں اٹھائی جا چکی ہے اس کے سلسلہ میں ہم کو قریب قریب ہر شعبہ زندگی میں بہت سے تعمیری کام کرنے پڑیں گے، کیونکہ مدت اس قدر کے متعلق، غلط فہمی نے ہمارے قدم کی جڑ کے ہر گوشے کو خراب کر کے چھوڑا ہے۔ لیکن اس وقت میری مقصد یہ ایک خاص موضوع سے متعلق رہتی ہے اس لیے دوسرے گوشوں کے تعمیری کام سے تعلق نہ کر کے یہاں میں مرث اُس کام کے متعلق کہ جس میں کوئی گروہ نہیں قانون کے سلسلے میں کرتا ہے۔

### ایک قانونی کمیٹی کا قیام

اس پیرو میں ہمیں کام ہو جس کو چاہیے، یہ ہے کہ ایک قانونی کمیٹی قائم کی جائے جو اس پرستہ کام کو اپنے ہر طرح قانون میں ہمارے اساتذہ اس سے پہلے کر چکے ہیں، اسیان خدائی گزروں کو جو خدائی کی ذاتیت کے لیے ناگزیر ہیں، اور انہیں میں عورت و متعلق ہی ذکر ہے کہ ان کے مرد کو نہ حال کے طرز ترتیب کے مطابق ترتیب بھی کرے تاکہ ان سے پرہیزگاری اور اخلاقیات کے لیے۔ جب تک آپ کو معلوم ہے، ہندی فقہ کا اصل مذہب و اہل دین میں ہر حال ہر تسمیہ و تفسیر

بہموم اس زبان سے مخالفت ہے۔ اس ادا خستہ کی وجہ سے اللہ کچھ ٹٹنی متعلق باتوں کی بنا پر  
 ہمارے دلوں سے کھینے والے عمرانی اس غبی ذہیرے کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں رکھتے ہیں۔ چل  
 کہان میں سے بہت سے لوگ تو یہاں تک کہہ بیٹھے ہیں کہ خدا ان کے داخلی اختلاف بحثوں کے  
 اس دفتر سے متعلق کو صیادوں کی یا جاننے والوں سے مرے سے اچھا لوگ کے کام ہوا جانتے۔ لیکن  
 حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس قسم کے پہلی جھوٹ کا ہر کرتے ہیں وہ محض اپنے علم ہی کی کمی یا غیور  
 فکر و فکر کے بغیر اس کا بھی وہ زبانی کرتے ہیں۔ اگرچہ اپنے بزرگوں کے غبی کلاموں کا انہیں معاف  
 کریں تو جیسے جیسے ہے کہ انہیں پانچ باتوں پر غدی شرم آنے لگے گی۔ انہیں معلوم ہوگا کہ پہلی بدگمانی  
 صدیوں میں پہلے سے اس وقت محض فخری بحثوں میں وقت ضائع نہیں کرتے رہے ہیں بلکہ انہوں  
 نے اپنے بعد اس قدر دل نہیں کھینچے کہ یہ شرمینی میراث چھوڑی ہے۔ وہ بہت سی بہتہ آئی  
 منزلیں ہمارے لیے تعمیر کر گئے ہیں اور ہم سے ڈرو کہ یاں بلکہ کوئی نہ ہو اگر ہم محض ہمارے کی  
 بنا پر اس بنی برائی عادت کو خوار و خوار ٹھکرانے سے مرے سے ہی تعمیر کی ابتدا کرنے پر مجبور کریں۔  
 ہمارے لیے عقل بندی ہی ہے کہ جو مانگے مانگے ہیں اس کا اپنی ساری عزتوں کے لیے کھانہ  
 بنائیں اور ان کے جو عزیزوں کی عزتوں میں شامل ہونے اس کے لیے مزید تعمیر کرتے ہیں۔ وہ ہر  
 نسل اگر یوں ہی اپنے سے پہلی نسلوں کے کام پر بال پیرتی ہے کہ خدا سے مرے سے سب کچھ  
 بنانے کی کوشش کرے تو یقیناً ترقی کی طرف قدم آگے بڑھ ہی نہیں سکتا۔

یہاں سے صدی کی پہلی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ پہلی صدیوں میں دنیا کے ایک بہت بڑے  
 تھے پرستانوں کی جن قدر عظمتیں قائم ہوئی تھیں ان سب کا قانون خدا علی ہی تھی۔ اس نے دہانے  
 میں مسلمانوں کی اس نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک اللہ جہاں توفیق کے لئے وجود تھا ہی کے وسیع  
 تقدیر کی مدد ہی ہی موزوں بات پر حق کے تھاں سے اسلامی قوانین کو منسلق کیا تھا۔ یہی غبی حکمرانوں  
 کے کج انجمنیٹ اور جمید جنس ہر وقت تھے اللہ کے فیصلوں سے نظارت کا ایک وسیع ذخیرہ  
 فراہم ہو گیا تھا۔ انہوں نے تو بہت سب ہر شہنشاہوں سے بحث کی ہے۔ محض دیوانی و ذہنی  
 قوانین ہی نہیں۔ سستی اللہ جن انسانی قوانین کے متعلق بھی ان کے علم کا ایسی ہی طبیعت  
 ہمیشہ تھی ہیں کہ ان کا معاملہ کر کے ایک قانون دہانے کی شہادت علمی کی وہ دیکھتے ہیں نہیں

ہو سکتا۔ غرض یہ ہے کہ ہم، بنی علم کے ایک گروہ کو ان بزرگوں کے چھ ٹکڑے جو سب سے دیر و کا  
جاؤ لیکن پر محو رہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ قانونی کتابوں کے طرز پر اس تمام گروہ کو  
ترتبہ کر دے جو اس دیر سے میں بنی سکتا ہو۔

خصوصیت کے ساتھ چند کتابیں تو ایسی ہیں جن کو مذہب ان میں منتقل کر لینا نہایت  
مزدوری ہے۔

۱۔ احکام القرآن پر مبنی کتابیں، ابن العربی اور قرطبی۔

ان کتابوں کا مطالعہ ہمارے قانونی طبع کو قرآن مجید سے، احکام مستنبط کرنے کی بہترین تربیت  
دے گا۔ ان میں قرآن مکمل احکامی یا ہدایت کی تفسیر کی گئی ہے، احادیث اور آثار صحابہ میں ان  
کی جو تشریحات ملتی ہیں سب سے نقل کی گئی ہیں، اور فقہاء ائمہ مجتہدین نے ان سے جو احکام نکالے  
ہیں انہیں ان کے ساتھ نقلی حیثیت منتقل کر دیا گیا ہے۔

دوسرے اہمیت و ذخیرہ کتب حدیث کی کتب میں سے ہیں جن میں احکام کے علاوہ فقہاء  
تشریحی بیانیہ بھی بہترین اور ہوتا ہے۔ ان میں خاص طور پر یہ کتابیں اُردو میں منتقل ہونی  
چاہئیں۔

بخاری پر	فتح الباری اور صغریٰ
مسلم پر	قُدوسی اور وفاء شعیبہ احمد صاحب عثمانی کی فتح الملہم۔
ابو داؤد پر	عون المسعودی بذیل الجہود۔
ترمذی پر	منہ ولی حقہ صاحب کی کتب و احادیث اور مجموعہ نصیحت
نسائی پر	ایک ہندوستانی عالم کی اُردو خزائن الکتاب
مشکوٰۃ پر	قزوکانی کی نیل اللذکر
علم الکلام پر	مروا نا محمد بن لادعلوی کی التعلیق المستخرج۔
	تمام علما کی کتب و احادیث سالانہ نوادر۔
	اس کے بعد جس قدر کہ بڑی بڑی کتابیں کر لینا چاہیے جو اس علم میں اہل جہانگیر
	کتاب بردار ہوتی ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ یہ کتابیں منتقل ہونی چاہئیں۔

فقہ حنفی پر امام فخر رازی کی مبسوط اور تشریح امیر الکبیر۔ لامانی کی بحث  
اصطلاح۔ ابن تیمیہ کی فتح القدر میں ہدایہ۔ احمد غلامی  
عالمگیری۔

فہرست نامی پر کتب اہم۔ مشہور المذہب احمدی، محتاج  
فہرست پر الفہرست احمدی کوئی اور کتاب جس کا اہل علم انتخاب کریں۔  
فقہ حنبلی پر ابن کثیر لکھی بالسنن  
فقہ شافعی پر ابن خومر کی املی  
مذہب اربعہ پر ابن رشد کی چابۃ المہتد۔ اور علاء مصر کی عرب کردہ

لفظ علی المذہب الاربعہ۔ نغز بنی القبر کی ناظرہ  
میں سے وہ جتنے جو قانونی مسائل سے مشغول ہیں۔  
نام ابو یوسف کی کتب اہم۔ یعنی بنی کثیر کی فرائض۔  
برخیہ القاسم کی کتاب، اصول۔ جلال بن یحییٰ کی احکام  
الاعتق۔ و میا علی کی احکام الخواریف۔

۴۔ جس میں صورت قانونی اور حکمت تشریح کی ہی چند اہم کتابوں کو اہل علم کا جامعہ پہنچانے  
کا کہ ان کی مدد سے ہر قانون میں ایسی فقہ کا مجموعہ ہمہ رس کی روش سے گہری واقفیت  
بہرہ میر سے خیال میں اس کو حاصل کرے کہ جس قابل انتخاب ہے۔

ابن حزم کی اصول الاحکام۔ علامہ ترمذی کی الاحکام کا مجموعہ اصول الاحکام۔ فضری کی اصول  
الفقہ۔ شافعی کی الموائع۔ ابن القسیم کی احکام المواعظ۔ اور شافعی کی الموائع۔  
بہرہ اللہ ابانہ۔

ان کتابوں کے متعلق جس صورت آتا ہے نہیں کہ کتاب کے معنی میں کے ترجمے اور زبان  
میں کر دے جن میں، لکن ان کے مضامین کو جو وہ زمانہ کی قانونی کتابوں کے قریب و زبور اور عرب  
میں کرنا ہوگا، سنہ صفا نامت قائم کرے ہر کے، منتشر مسائل کو ایک ایک مضامین کے تحت  
جمع کرنا ہوگا۔ فہرستیں بنائی پڑیں گی اور ان میں تیار کرتے ہوں گے۔ اس سمت کے بغیر یہ

کتابیں آج کل کی ضروریات کے لیے پوری طرح کا دائرہ برعکس لگی۔ تدریس دہانے کا طریقہ تدریس کہہ  
 اور تھانہ اس زمانے میں قانونی مسائل کے لیے اتنے متعلقہ عزائمات ہی پیدا نہیں ہوتے  
 تھے جتنے آج پیدا ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ لوگ دستوری قانون اور بین الاقوامی قانون  
 کے لیے کوئی گہنامہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کے مسائل کو وہ صحیح، غلط، حادہ، معتد اور  
 میراث کے جواب میں بیان کرتے تھے۔ فوجداری قانون ان کے ہاں کوئی گہنامہ نہ تھا،  
 طرہ کے مسائل حدود، جناح، معتد اور حاکم کے متعلقہ عزائمات میں تقسیم کر دیے جاتے تھے۔  
 دیوانی قانون کو بھی نہیں سے گہنامہ نہیں کیا تھا بلکہ ایک ہی عمرہ قوانین میں جہت سے  
 عزائمات کے تحت اس کو جمع کر دیا تھا۔ معتد اور مسامحہ وغیرہ نام ان کے ہاں نہ تھے۔  
 اس سلسلہ کے مسائل کو وہ کتاب البیوع، کتاب العرف، کتاب المضارہ، کتاب المزارع  
 وغیرہ عزائمات کے تحت بیان کرتے تھے۔ اسی طرح قانونی مشہدات، مابعد دیوانی مضامین  
 و جردی، مابعد عزائمات وغیرہ جہت ملاحظہ میں ان کے ہاں نہیں تھے۔ ان قوانین کے  
 مسائل ان کی کتابوں میں نہ تھے، ماضی، کتاب اللہ عربی کتاب الاکرہ، کتاب المسببات اور  
 کتاب الاقرہ و جردی و ماضی کے تحت ملے ہیں۔ اب اگر کتاب میں جوں کی توں اردو میں مشق کر  
 لیا جائے تو ان کے کہ حق فائدہ اٹھا ناممکن ہے۔ ماضی ہے کہ کہ قانونی نظریہ لکھنے والے  
 جی جی میں پرکھ کریں اور ان کی ترتیب بدل کر ان کے مواد کو جہت و جہت پر ترتیب کر دیں۔ ماضی  
 گریہ بہت زیادہ معتد مطلب کام نظر آئے تو کم بزم قانونی و جی جی جی جی جی جی جی جی جی  
 بدی بدی جی جی کے ساتھ بتائی جائیں اور معتد کام کے اندر کس بدی جی جی جی کے فائدہ سے  
 ان میں مسائل کا تلاش کی نشان بدی جی جی۔

### تدریس احکام

اس سلسلہ کا دوسرا اہم کام ہے کہ فوجداری، ماضی اور جہت و جہت کی ایک ایسی  
 مجلس مقرر کی جائے جو اس کام کے قانونی احکام کو جہت و جہت کی گتہ بہ گتہ قانون کے فوجداری  
 حلقہ (Cody) کرے۔

میں اپنی پہلی تقریر میں وضاحت کے ساتھ یہ جہت و جہت سے عرض کر چکا ہوں کہ قانونی

نقدہ نظر سے قانون کا اطلاق ہر اس قول پر نہیں ہوتا جو کسی فقیر یا امام مجتہد کی زبان سے نکلا ہو یا کسی فقہی کتب میں لکھا ہوا ہو۔ قانون صرف ہر چیزوں کا نام ہے۔

- ۱۔ کوئی علم جو قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔
- ۲۔ کسی قرآنی علم کی تشریح و تفصیل، یا کوئی متفق حکم جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو۔

۳۔ کوئی مستنبط نہایت، اجتہاد یا استنباط جس پر سنت کا راجع ہو، یا مجہود علماء کا ایسا قرآنی جوچے جس سے ملک کے مسلمانوں کی تعلیم اکثریت تسلیم کرتی رہی ہے۔

۴۔ کسی فیصلے کا کوئی ایسا امر جس پر ہمارے ملک کے ہر مل و عقدہ کلاب و جوارح یا مجبور و مفید رہا ہے۔

یہی تجویز یہ ہے کہ پہلی تین قسموں کے احکام کو ماہرین کی ایک جماعت ایک ہفتہ احکام (Code) کی شکل میں مرتب کرے۔ پھر جو قوانین نقدہ و اجامی یا مجہودی فیصلوں سے بننے جائیں ان کا اضافہ ہمدی کتب میں کیا جاتا ہے۔ اگر اس قسم کا ایک ہفتہ احکام بن جائے تو اصل قانون کی کتاب ۱۰۰ ہرگی، اور باقی تمام فقہی کتابیں اس کے لیے شروع (Commentary) کا نام دیں گی۔ نیز اس طرح عدالتوں میں قانون اسلامی کی تخلیذ امدہ کا کاموں میں اس قانون کی تسلیم بھی آسانی ہو جائے گی۔

### قانونی تعلیم کا اصلاح

اس کے ساتھ یہ بھی فرمادی ہے کہ ہم اپنے ہاں قانون کی تعلیم کو سابق طریقہ بدل دینا اور اپنے دکانوں کے خصلت اور طریق تربیت میں ایسی اصلاح کر دیں جس سے طلبہ اسلامی قانون کی تخلیذ کے لیے علمی اور اخلاقی حدودوں میں پیش قدمی سے تیار ہو سکیں۔

اس وقت تک جو تعلیم ہمدی قانونی درس گاہوں میں دی جا رہی ہے وہ ہمارے نقدہ نظر سے بالکل ناگوار ہے۔ اس سے فارغ ہو کر نکلنے والے طلبہ علم و معرفت ہی نہیں کہ اسلامی قانون کے علم سے بہرہ ور ہوتے ہیں بلکہ ان کی دینیت بھی غیر اسلامی افکار کے سدھنے میں داخل جاتی ہے اور ان کے اعداد و احوال صحت بھی ویسی ہی پیدا ہو جاتی ہیں جوسرپا تو انہی





کہ تعلیم کی ابتداء فقہ سے کی جاتی ہے، پھر مہذب (اسکول) کے دل اپنے ضمن میں فقہی نقطہ نظر سے ہر مسئلہ پر چڑھتے ہیں اور قرآن کی صرف ایک یا دو بڑی سورتیں یعنی تبرکات اہل بیت کی کوئی جاتی ہیں، بگھائی میں بھی کلام الہی کی ادنیٰ غریبوں کے سوا کسی اور چیز کی طرف توجہ نہیں کی جاتی اس کاغذ پر ہوتا ہے کہ موضوع اس میں گہروں سے کھنچے ہیں وہ قانون کے جوہر بتاؤ فرد ع سے تو خوب واقف ہوتے ہیں مگر جس میں کوئی کام کرنے کے لیے یہ قانون بنایا گیا ہے اس کے مجموعی نظام، اس کے مقصد، اس کے مزاج اور اس کی نوع سے بڑی حد تک نااہل رہتے ہیں۔ ان کو تک معلوم نہیں ہوتا کہ دین سے شریعت کا اور شریعت سے فقہی مذاہب کا تعلق کیا ہے۔ وہ قانونی جزئیات اور اپنے غائب مباحث کے فروغی مسائل ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اسی چیز نے ہمارے ان فرقہ بندی کے جھگڑے اور تعصبات پیدا کیے ہیں۔ اسی چیز کا نتیجہ یہ ہے کہ ساقی زندگی پر فحش حکام کا انقلاب کرنے میں ہم شریعت کے اہم ترین مقصد تک نظر انداز کر دیتے جاتے ہیں۔ ہم پہنچتے ہیں کہ اب اس فحش کی اصلاح ہر اور کسی طالب علم کو اس وقت تک قانون دپڑھایا جائے جب تک وہ پہلے قرآن اور پھر حدیث سے دین کو اپنی طرف نہ کھنکھے۔

اس مسئلہ میں میں جس ابتدائی چند سال تک کچھ مشکلات کا سامنا کیا ہو گا کہ قرآن و حدیث سے واقف نہ ہو کر جو بیٹ دہل سکیں گے اور اس کے لیے شاید میں دکانوں ہی میں اس تعلیم کا بھی انتظام کرنا پڑے گا۔ لیکن آگے چل کر جب ہمدی عام تعلیمی مصلحتات بار آور ہو جائیں گی تو آسانی کے ساتھ یہ مضابطہ بنایا جاسکے گا کہ دکانوں میں صرف وہی طلبہ داخلہ کئے جاسکتے ہیں جو قرآن و حدیث کو صرف کوفوں مضامین کی حیثیت سے لے کر لے کر چلے ہوں اور جو مدرسے مضامین کے طلبہ کو ایک سال مذاہن مضامین پر موقوف کرنا ہو گا۔

۴۔ تعلیم قانون کے منسلک میں تین مضامین ضرور شامل ہونے چاہئیں۔ ایک جینیٹکس کے اصول قانون (Jurisprudence) کے ساتھ ساتھ امور فقہ کا مطالعہ، دوسرا قانون فقہ کی تاریخ کا مطالعہ تیسرے فقہ کے نام پر بڑے بڑے ذہن (اسکولوں) کا غیر متعصبانہ مطالعہ۔ ان تین چیزوں کے بغیر طلبہ میں نہ صرف کا پورا فہم پیدا ہو سکتا ہے نہ ان کے اندر

اجہادی صلاحیتیں اُبھر سکتی ہیں جو اعلیٰ درجہ کے قاضی اور مفتی بننے کے لیے ناگزیر ہیں۔ اور مذاہنہ کے اندر سے ایسے ماہرین نکل سکتے ہیں جو عہدِ ترقی پذیر ممالک کی مذہب و اخلاق و عقائد کے لیے تعبیر و تفسیر اور اجتہادِ مستفید کے صحیح طریقہ استعمال کر کے قوانین بنا سکیں۔ اپنے تقاضوں کے ساموں کو پوری طرح سمجھ سکیں۔ غیر خود مدد سے نئے پیش آنے والے مسائل پر ان کا اظہارِ رائے کیے کر سکیں گے۔ اپنی فقہی تاریخ کو جاننے بغیر انہیں کیونکر سمجھ سکیں گے کہ اسی قانون کا انعکاس طریقہ پر ہوتا ہے، اور آئندہ کس طریقہ پر ہو سکتا ہے۔ فقہانے اس کے معنی کیے جو نئے مسائل و غیر مسائل پر وہ بین نظر کے بنیوہ کیونکر اس قابل ہو سکیں گے کہ جب کسی مسئلے میں ایک فقہی مذہب کے رہنما بنی مذہبی حق ہو تو نیا اجتہاد کرنے سے پہلے دوسرے مذہب سے اقتداء کریں۔ انہی وجوہ سے ان میں خود ہی سمجھتا ہوں کہ ہوری تعلیم قانون کے مضامین میں یہ تین مضامین داخل ہوں۔

۴۔ تعلیم کی اس موضوع کے ساتھ میں اپنے لاکھوں میں طلبہ کی اخلاقی تربیت کا بھی خاص انتظام کرنا ہوگا۔ اسی منظرِ منظر سے وکالی چاہا کہ وکیل انفس پرست، جبرٹ اور بد کردار نہ بنے۔ تیار کرنے کی فیکٹری نہیں ہے بلکہ اس کا کام تو ایسے قاضی اور مفتی پیدا کرنا ہے جو اپنی قوم میں اپنی سیرت و کردار کے لحاظ سے جملہ ترین لوگ ہوں، جن کی راست بازی اور عدل و انصاف پر کامل اعتماد کیا جاسکے، جن کی اخلاقی ماکہ ہر شعبہ سے بالاتر ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے سب بڑا کر خدائے پرست پر لڑی اور احادیث و تطاریت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ جہاں سے نکلے والے علم کو اُس مسئلہ کے لیے تیار ہونا ہے جس پر کبھی قاضی شریع، امام بوضیہ، امام مکت، امام احمدی صلی اللہ علیہ وسلم جیسے لوگ مینہ پکے ہیں۔ یہاں سے بنیوہ کی فیکٹری کے آدمی تیار ہونے چاہئیں جو کسی مسئلہ شریعی میں غور سے دیکھتے وقت کسی حد تک فیصلہ کرتے وقت خدا کے سوا کسی کی طرف نظر نہ رکھیں۔ کوئی پہل، کوئی خوف، کوئی قیاس، کوئی جہت اور کوئی غرضت ان کو اُس بات سے نہ ہٹا سکے جسے خدا اپنے حیرانہ فیصلے سے حق اور انصاف کی بات سمجھتے ہوں۔

(ترجمان القرآن، اگست ۱۹۵۵ء)

۵۔ تقریب کے آخری حصے کی تنظیم یہاں ضلع کر دی گئی ہے۔ پوری تقریر کتاب کی شکل میں شائع

قدہ موجود ہے۔ (۱۹۵۵ء)

## مطالبہ نظام اسلامی

یہ نئی تقریریں کا مجموعی نام ہے جو مسلمانانہ جو اسلامی اصولوں پر مبنی  
اسلامی دھرم پر مبنی پاکستان کے لئے پیش کی گئی ہیں۔ ۱۹۵۵ء میں لاہور میں  
کرچی، راولپنڈی، سیالکوٹ اور پشاور کے علماء پر اجلاس ہوا جس کے  
علماء اجتماع میں فیاض حسین، ان تقریریں کو جن ہزاروں مسلمانوں نے نشان  
کو چلی کر تھانوی طور پر یہ اس میں کہ جس کی پاکستان پر ان کا کام ختم نہیں ہو  
گیا ہے، بلکہ اصل نصب العین کی طرف توجہ دینے کا تا بھی آغاز ہی ہو رہا ہے  
اسے مکمل کرنے کے لیے ابھی مزید محنت دینا یا اس کی ضرورت ہے۔

اس تقریر کو رتبہ کرنے کا وقت نکالنے سے پہلے مسلمانانہ عقائد پر مبنی  
۱۹۵۵ء کو پہلی سینیٹ ایکٹ کے تحت نظر نہ کر لیتے تھے۔ لیکن اب چونکہ اس  
تقریر کی شاعت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے اور مافک  
ملانی میں بھی دیکھا جاسکے کہ اس کے بعد ان اقدامات کی مدد سے اس کے بطور خود

---

یہ تقریر ۱۹۵۶ء کے آغاز ہی میں پبلشنگ کمپنی میں شائع ہو گئی تھی۔ مگر ان تقریریں میں اس کی  
شاعت کی ضرورت نہ آئی۔ (دہریہ)

ترتیب کے پیش کر رہے ہیں۔

نام مکتبہ جامعہ اسلامی

بعد از صوفیانا

ہم دور اسے پرکھ رہے ہیں

مغربی دھارمیت ایہ وقت جس سے ہم آج گندہ رہے ہیں، ہندی قومی تائید کے ہر ایک  
 ترن اوقات میں ہے۔ اس وقت ہم ایک دور بصر پرکھ رہے ہیں اور ہمیں فیصلہ کرنا  
 ہے کہ ہم سے سارے جو دور راستے ٹکے ہوئے ہیں، ان میں سے کسی کی طرف توجہ دیں۔ اس  
 موقع پر جو لیڈر، جمہوریت قوم ہم کریں گے وہ صرف چار سے مشتعل ہو جائے گا۔ مسلم کشتی  
 ہمارے آئندہ نسلوں پر اثر ہوا ہو رہا ہے۔ ہمارے سامنے ایک راستہ تو رہے گا کہ ہم ان اصولوں  
 پر اپنے نظام زندگی کی بنیاد رکھیں جو اسلام نے ہم کو دیتے ہیں۔ ہندی مدنی کی مدنی دنگ  
 — ہندی ماسٹر، ہندی میٹھ، ہندی مکتب، ہندی سید ست خوں سب کچھ  
 — ان اصولوں پر استوار ہو جو اسلام نے متروک کر دیے ہیں۔ دوسرا راستہ ہمارے سامنے  
 ہے کہ ہم کسی مغربی قوم کے نظام زندگی کو قبول کر لیں۔ خواہ وہ اشتراکیت، ہسٹوریائی جینینٹ  
 ہو یا کوئی اور نظام زندگی۔

اگر خدا نخواستہ، ہم خود سے راستے کو بند کیا تو ہم اپنے اسلام کی جمہوریت قوم بنیں کریں  
 گے اور اپنے کن تمام احکامات کے خوف میں گے جو ایک مدت سے ہم مخالف خلق مدوں کے  
 سامنے کرتے رہے ہیں۔ یہاں اجتماعی وعدہ مدوں کی صورت سے خدا خلق مدوں کے سامنے ہیں  
 رہو جو پڑھے گا۔ چاروں راستے پہ چلنے لگے سب سے زیادہ افسوس ناگہانہ طور پر ہوا کہ ترقی  
 ہندوستان میں اسلام کی ترقی کا قطعی تاثر ہو جائے گا۔ بسنات اس کے اگر ہم پہلو استا انتخاب  
 کریں اور خالص اسلامی اصول پر اپنی قومی زندگی کو قائم کریں تو دنیا میں بھی سرفراز ہوں گے اور  
 آخرت میں بھی ہمارے لیے کامیابی ہوگی۔ ہم خدا کے حضور ہی شکر خود ہوں گے اور خلق کے سامنے  
 عذر مبرا اور فخر قائم ہو سکیں گے۔ ہم اسلامی نظام زندگی کے جس دور میں کہ ہر کسی مقام پر کھڑے  
 ہو جائیں گے جس پر ہر آدمی برس پہلے جب ایک قوم کھڑی ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے

غلبہ کے رکھنا فرمایا تھا کہ: اِنِّیْ فَصَّلْتُ لَکُمْ عَلَی الْغُلَیْمِیْنِ ۲۰ یعنی بہتے تھے دنیا کی ساری قوم پر ضیعتِ ملکی۔ پھر اس کے بعد جب اس تمام غلبہ پر ایک دوسری قوم کھڑی ہوئی تو اسے لگایا: کُفُّنْکُمْ عَنْ خِیَرِ اُمَّةٍ ۲۱ اللہ ۲۰ کُفَّاہُکُمْ جَعَلْکُمْ اُمَّةً وَسَطًا یعنی تم بہترین امت ہو اور تمہیں ہر کسی امت بنا یا گیا ہے۔

ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضا

ہر ملکی یہ دونوں واقعہ ملنے پر یہ امتوں میں سے جس کا بھی تم غلبہ کر لی گے اس کا وہ نصف ہوتے۔ ہر ملک ہندی قوموں کا ہندی نصف، مغربی قوموں کا پرشہ ۱۰ اس واقعہ پر اگر ہم کو اس ملک کو اپنے لیے پسند کرتے ہیں اور اپنے عظیم حکومت کی تشکیل اس ملک کے نقطہ پر کرتے ہیں تو یہ کوئی بد حال ہے۔ درست ہے۔ پہلی صورت ہے جس کے جانتے مسلمان ہونے کا یہی تقاضا ہے۔ مسلمان ہونے کے معنی خدا کا طبع ہو جانا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خود قدری حد آنکھ کے حق میں تسلیم (Surrender) کر دیا جائے اللہ اقلہ کر دیا جائے کہ اب میں جہنم کی میر کر دوں گا، خدا کے حقوق لیے ہوتے حدود اور ضابطوں کے اندر کر میر کر دوں گا، اس کی طرف سے ہر ہر شے کا اثر نہ ہوگا اور ہر شے میں گا، اللہ ہم سے ٹک جائے کہ ہم ہر گا، اہر سے ٹک ہوں گا۔ جس طرح ایک خدا اپنے خدا سے یہ جدا بن کر کہ ہم اپنی نعل کی اس کی رضا کے تابع کر دیتے تھے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے، باطل اسی طرح اجتماعی حیثیت سے ایک قوم کے مسلمان ہونے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ وہ اپنی آزادی خود قدری حد سے خود تقاضا کے حق میں دست بردار ہو جائے اور اپنے آپ کو اس کے حدود و قوانین کا پابند بنا لے۔ یہ ایک جیسب اللہ غلامیت ہوگی کہ کسی قوم کا ایک ایک فرد تو اپنی اپنی جگہ مسلم ہو، مگر جب وہ مل کر ایک اشیت نہیں تو وہ اشیت غیر مسلم ہو۔ اگر مجموعہ غیر مسلم ہو تو افراد کس طرح مسلم ہو سکتے ہیں؟ اسی افراد مسلم ہوں تو وہ مجموعہ غیر مسلم کیوں ہو؟ انفرادی مسلمان ہوں اور مسلمان رہنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ جب مل کر ایک قوم اور ایک اشیت کی شکل اختیار کریں تو وہ قوم اللہ اشیت ہونے کی حیثیت سے ہوگی مسلمان ہوں۔

## پاکستانی برائے اسلام

پھر جسے مطالبہ پاکستان کا بھی ہیں تقاضا ہے کہ ہم یہاں پر نظام اسلامی اصولوں پر قائم کریں۔ پچھلے دس سال میں پریشیت قوم ہمارا یہ مطالبہ تھا کہ ہمیں ایک خطہ زمین دیا جانا چاہیے جس میں ہم اپنی تہذیب و ثقافت کو از سر نو قائم کر سکیں، اللہ اپنے پیغمبر کے اصولوں پر پختہ زندگی کو فروغ دے دے کیونکہ ایک غیر مسلم اکثریت کے تحت ہم ہمارے لیے اس طرح کی زندگی ممکن نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اب اسے ڈیڑھ سال پہلے تک اس امر کے کوئی آثار نہ تھے کہ ہندوستان ختم ہو جائے گا اور یہاں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت قائم ہو جائے گی حتیٰ کہ جو لوگ اس کے پل رہے تھے اور اس مطالبے کی تجدید میں قید و کاز میں اور کھڑے تھے، خود ان کو بھی اس بات کا غرض نہیں رہا تھا کہ پاکستان قائم ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ صرف اس طرح جیسے وہ پاکستان کے قیام کے لیے جس طرح فضا سازگار ہوئی اللہ حکم آنا نا تقسیم ہو گیا، اس کی آپ جو چاہیں عقل و حسیں کریں، لیکن میں اس نقاب میں از نو الہی کو خد میں غور پر مشاغل پاتا ہوں۔ واقعہ حقیقت ہے کہ صدیوں کے بعد تاریخ میں یہ بات پیش آئی ہے کہ ایک قوم نے کھڑے ہو کر پریشیت قوم یہ کہا کہ ہم اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، اور چونکہ غیر مسلم اکثریت کی حکومت میں ہمارے لیے اس کا ممکن نہیں ہے لہذا ہمیں ایک آزاد خطہ زمین دینا چاہیے، اگر میں یہ آزاد خطہ مل جاتے تو اس میں ہم ہمارے لیے ہمارے اسلام کو غالب کریں گے۔ خدا کے ہاں یہ بات سمجھ لی ہوئی کہ جب یہ قوم کہتی ہے کہ ہم اسلامی نظام حیات کو اختیار کرتے چاہتے ہیں تو ایک بار اسے اس کا موقع دینا چاہیے۔ ایک مدت سے آپ کو پامال کیا جا رہا تھا لیکن آپ سے جب یہ خواہش ظاہر کی کہ آپ پختہ پنا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اس کا موقع فراہم کر دیا۔

## ایک نازک امتحان

آپ کو یہ موقع ملی گا جس طرح نفس و محنت ہے، اسی طرح یہ آزمائش و امتحان بھی ہے۔ پاکستانی مل جلنے کے بعد آپ سب اس گاہ میں کھڑے ہیں۔ اب آپ کلاس میں امتحان دے رہے ہیں کہ آپ پچھلے دس سال میں جو کچھ بناؤں سے کہتے تھے ہیں، کیا انی واقعہ آپ کے دلوں میں

بھی دی ہے، جن باتوں کا آپ سلطان کرتے رہے ہیں، کیا آپ کی باتیں بھی انہی کے مطابق ہیں، جو وہ حق کے سامنے مقرر کیا ہے؟ کیا وہ پختہ قرار دیتے یا جھوٹے؟ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلامی حکومت، قائم کرنے کا جو چرچا آپ نے کیا تھا، کیا وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے تھا، اب صدق داس سے آپ اپنی باتوں سے نکلن، یعنی بات پر عمل کر کے دکھاتے ہیں؟ آپ کہتے تھے کہ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ، آپ کہتے تھے کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ اسلام پر پوری طرح عمل کر سکیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے پاکستان دے کر آپ کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آپ جتنے جتنے تھے یا جھوٹے؟

اسلام کے حفظ و بقا کی واحد ضرورت

تیسری بات جس کی وجہ سے یہ فیصلہ اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے، وہ بہت زیادہ دردناک ہے، دردناک ہے کہ اس انقلاب نے جو پچھلے سال ہمارا ہے، جس ایک نازک مقام پر لاکھڑا کر دیا ہے۔ ہندوستان کا ایک اچھا خاصا بڑا حصہ اسلام سے اور اسلام کا نام یہیہ دھم سے بالکل مٹا رہا ہے۔ جس خطے نے کبھی شاہ ولی اللہ اور مجدد احمد انی بھیم اللہ کو جرم دیا تھا، آج وہاں افغان کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی۔ وہاں نہ کوئی آذان دینے والا ہے، نہ کوئی اس کا گھنٹہ مارا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے بال حصہ میں بھی اسلام بے دردی کے ساتھ مٹا جا رہا ہے۔ سب وہاں صرف حالات یہ ہے کہ ریل میں سفر کرتے ہوئے یہ چھپا خفا مشکل ہے کہ مسافروں میں مسلمان کون ہے۔ بہت سے لوگ جو کل تک اسلام اسلام پکار رہے تھے، آج وہ اسلام سے توجہ کر رہے ہیں۔ اب وہاں اگر کوئی مسلمان نہ ملتا ہے تو صرف وہی طرح نہ ملتا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اس میں اسلام کی جو بھی باقی نہیں ہے۔ اگر یہی مقدار رہی تو آئندہ چند برسوں میں مسلمان کا وجود ہندوستان میں ختم ہو جائے گا۔ ہائے مسلمان نے ہندوستان میں جو اسلام صدیوں کی لگاؤ کو کششوں سے چھینا یا ختم کیا، اب انہی عوامل کے بعد پاکستان کے مدد خطوں میں ٹکڑی ہو گیا ہے۔ اب اگر ہم نے ایک تہم می خطہ صحت میں اتحاد یا تو ہندوستان میں اسلام کی ایک ہزار سال کی تاریخ پر پوری طرح پانی پیر جائے گا۔ اس پر عظیم ہندوستانی جو قتال جتنے سے تو اسلام دوسروں کے سامنے سے ہٹ رہا ہے۔

یہاں یہ جلسے اپنے نکلنے لگے گا۔ اس لیے اب میں ان کو ہم خوب سوچ بھر کر اٹھانا چاہیے۔ اب صرف ایک نوکر جلسے اور سامعہ کے لئے ہی مافی ہے۔ اگر ہم نے اس موقع پر غور کر لیا تو ہر جلسے کے دینی گھرانے کی مدد کی تہذیب و تمدن کی طرح سٹ جلسے کی یہ سب دورہ اس امر کے مافی ہیں کہ ہم فیصلہ کریں کہ ہمیں اس ملک کے نظام کو بہر حال اسلامی بنانا ہے یا اٹھانا ہے اور یہاں جلسے یا فرد سے یا صرف تہذیب کا جو نقشہ بنے گا ان اسلام کے نظام کے مطابق ہی بنے گا۔

حضور و نظام کو مسلمان بنانے کا طریقہ

اس مرتبہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نظام کو جو یہاں سب تک چل رہا ہے، مسلمان بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ کسی نظام کے مسلمان ہونے کا نظری طریقہ بالکل وہی ہے جو ایک فرد کے مسلمان ہونے کے لیے مقدر ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک غیر مسلم فرد کو مسلمان بنانے کے لیے ہم یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل و صورت اور لباس میں کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں اور اسے کہا جائے کہ اپنے گھرانے پیچھے کی ہر سنت میں سے بس پیروں کو نکال دو اور اپنی عادت میں چند تبدیلیاں کرو۔ اور ہر سے چھوڑ دیا جائے کہ جادو اب تم آہستہ آہستہ مسلمان ہی بننا لگے۔ پھر کچھ وقت کے بعد جب وہ غیر مسلم فرد اپنے اندر بہت سی تبدیلیاں کر چکے تو آخر میں اسے گھر بڑھایا جائے۔ نہیں ہم یہاں نہیں کرتے۔ بلکہ جب کوئی فرد مسلمان ہونا چاہتا ہے تو سب سے پہلے اسے گھر بڑھایا جاتا ہے اور جب وہ گھر بڑھ کے یہ اتوار کرتا ہے کہ اب اسے اپنی زندگی اور کی زندگی اور مسند علی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں بسر کرنا ہے تو پھر ہم اسے ایک ایک کے دن کے احکام بتاتے ہیں اور اس کے اعمال و اعمال اور اس کی عادتوں اور اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں۔ ٹیکہ ہی طریقہ ایک نظام حکومت اور نظام عمل کو بھی مسلمان بنانے کا ہے کہ پہلے اس سے چند بنیادی اصول سنائے جاتے ہیں اور پھر جب وہ ان اصولوں کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ اسلام کے اعلیٰ مطالبات و تمدنی نوجو رکھے جاتے ہیں اور اس میں وہ مادی تبدیلیاں پیدا کی جاتی ہیں جو دین کو مطلوب ہیں۔

ہمارے ملک کا نظام اس وقت گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف ۱۹۴۵ء پر قائم ہے جسے



انگریز نے اپنے اصول و مقاصد کے مطابق بنایا تھا۔ انگریز کی حکومت موم کی حکومت نہیں تھی،  
 لکڑی کی حکومت تھی۔ پاکستان میں بھی وہی نظام حکومت اب تک قائم ہے۔ اگرچہ اسے مسلمان  
 چاہے ہیں لیکن وہ نظام اپنی نظرت کے لحاظ سے لازماً ہی ہے۔ یہاں اس نظام کو مسلمانوں نے  
 کے لیے ایک کوئی فیملی تبدیلی سب سے پہلے کرنے کی ہے تو وہ بھی ہے کہ جس طرح لوگوں کو مسلمان  
 بنانے کے لیے لکڑی کا عیاں ہے اسی طرح اسے بھی لکڑی کا عیاں ہے۔ ایک حکومت کو لکڑی  
 پر مبنی کے لیے ہو سکتی طریقہ ہو سکتا ہے اُسے ہم نے ایک مطالبہ کی شکل میں مرتب کیا  
 ہے۔ یہاں سے پڑھ کر ملتا ہوں اور پھر اس کی تشریح کروں گا کہ مسلم ہو جائے کہ اس  
 اشیاف کو مسلمان بنانے کے لیے پہلا قدم کیا ہو چکا ہے۔ اور اس کے مطابق کیا تجدید  
 کو چاہیے!

دستوری مطالبہ

ذکرہ مطالبہ جو اس وقت پڑھ کر سنایا گیا، ص ۱۰ ذیل ہے:

۱۔ ہم نیکو پاکستان کے باشندوں کی عظیم اکثریت اسلام کے اصولوں پر ایمان رکھتے  
 ہیں۔ اور ہم نیکو پاکستان کی آزادی کے لیے مسلمانوں کی صدی ہندو جہاد اور قریباً ہفت  
 دہائیوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں ہیں پس وہ ایمان رکھتے  
 ہیں۔

لہذا

۱۔ ہم تمام پاکستان کے بعد ہر پاکستانی مسلمان دستور مانا سمجھتے ہیں یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ  
 اس وقت کا اس وقت کے

۲۔ پاکستان کی ریاست میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور حکومت پاکستان کی کوئی  
 حیثیت اس کے مواجہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی مرضی اس کے ملک میں پھیلا  
 کرے۔

۳۔ پاکستان کا بنیادی قانون اسلامی شریعت ہے۔

۴۔ تمام قوانین جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو جائیں گے وہ اس کے خلاف ہیں، خود اس کے

جیسی جی اللہ شہدہ کن جیاتی دن نافہر کیا جیسے گا جو شریعت کی نفوت ہو۔  
۴۔ حکومت پاکستان اپنے اختیارات ان حصہ کے اندر استعمال کرے گی جو شریعت  
نے مقرر کر دی ہیں۔ ۵۔

اس معاہدہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے یہ جان لینا چاہیے کہ جب کسی ملک کا دستور  
ترتب کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے بلور اصولی و غور سے طے کیا جاتا ہے کہ کن اصولوں کی مطابقت  
نظام بنانا ہے۔ اسی اُپدے کے سامنے ہندوستان کا دستور بن چکا ہے اللہ ہاں آپ دیکھ چکے  
ہیں کہ سب سے پہلے ملک کی دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ پاس کی کہ اس متفقہ  
(Objectives) کا تین کیا ہے جس کے لیے اس کی حکومت کام کرے گی۔ پہلی سی طسریں  
پاکستان میں بھی دستور سازی کا پہلا قدم ہیں جو مکتبہ کہ متفقہ کو طے کر دیا جائے۔ انہی متفقہ  
کو ہم نے دستور کی راہی میں جارنگات کی صورت میں ترتیب کیا ہے۔ اب میں اس کی ایک  
ایک شق کی تشریح کرتا ہوں۔

پہلی شق کی تشریح:

خدا کی حاکمیت

سیاست و دستور (Constitution) میں بنیادی سوال یہ ہوا کرتا ہے کہ  
حاکمیت (Sovereignty) کس کی ہے، اگر حاکمیت کسی شخص یا کسی خاندان کے لیے مخصوص  
کی جاتی ہے تو ہر حکومت کی ہدیٰ ستیری اسی شخص یا خاندان کی مرضی کے گرد گھومتی ہے۔ اگر  
حاکمیت (Sovereignty) ملک کے عام باشندوں کے ہوا اور ملک اس ملک خود ملک کے  
عوام میں تو پیدا نظام باشندگان ملک کی مرضی کے گرد گھومتا ہے اور حکومت کے تمام وراثت اور  
فائز اس لیے استعمال ہوتی ہیں کہ ان ملک ملک، یعنی عام لوگوں کے منافع کو پیدا کیا جائے۔  
یہ ایک بنیادی سوال ہے اس لیے ہم متعجب سے پہلے اسی کی تلاش ہے۔ پاکستان کے باشندے  
جو کہ مسلمان ہیں اس لیے وہ ملک الملک نہیں ہو سکتے، ان کے مسلمان ہونے کا مطلب ہی  
یہ ہے کہ وہ اپنی حاکمیت اللہ کی مرضی کے تحت بردار ہو چکے ہیں۔ اب ان کا  
تعمیر تہذیبی یہ ہے کہ ہر شہر تہذیب میں خد کی حاکمیت کو تسلیم کر کے کسی کے منافع کو ہٹا کر دیں۔

پس مسازوں کی تعاقب کی ہوئی حکومت بھی اُسی صورت میں مسلط ہو سکتی ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ملک الملک مان کر اس کی مرضی کو رد کر سنے کا فیصلہ کرے۔

بعض لوگوں نے اس مطالبہ کو یہ شکل دی ہے کہ حکومت یہ اعلان کرے کہ اس کا مذہب

اسلام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کافی نہیں، اسی لیے کہ بہت سے ملک ایسے ہیں جنہوں نے اپنے

دستور (Constitution) میں اپنی حکومت کا مذہب اسلام ہی قرار دے رکھا ہے، لیکن ان

حاکمیت کسی فرد یا خاندان یا عدم باشندگان ملک کی ہے۔۔۔۔۔ میں کسی ملک کا نام

دینا نہیں چاہتا کیونکہ ہم ایک آزاد قوم ہیں اور ہم کسی ہمسایہ ملک سے اپنے تعلقات بگاڑنا

نہیں چاہتے۔۔۔۔۔ بہر حال جب تک کوئی حکومت حاکمیت (Sovereignty) کو اللہ

تعالیٰ کے لیے مخصوص نہ قرار دے لے، دستوری حیثیت سے وہ اسلامی حکومت نہیں بن

سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی دستور ساز مجلس سے پہلے مطالبہ اسی بات کا کرتے ہیں کہ وہ اللہ

تعالیٰ کی حاکمیت پر ایمان لانے کا عہد صاف صاف اعلان کرے۔

دوسری شق کی تشریح۔

پاکستان کا بنیادی قانون

دوسری شق پہلی شق کا منطقی نتیجہ ہے۔ چونکہ ملک الملک خدا ہے اس لیے اُسی کی

مرضی کو بنیادی قانون کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ اس شق کو مان لیجئے گئے بعد یہاں

کی پدمینٹ کا حق قانون سازی محدود (Limited) ہو جاتا ہے اور ہمدی اسمبلیوں کے

انتخابات دوسری اسمبلیوں کی طرح غیر محدود نہیں رہتے۔ دوسرے غظروں میں ہماری

اسمبلیں نہ ان کے برابر سے آزاد ہو کر کوئی قانون سازی نہیں کر سکتیں، بلکہ ان کے لیے

دستوری طور پر لازم ہو جائے گا کہ جو قوانین اللہ تعالیٰ نے صحت طور پر بتا دیئے ہیں، انہیں

وہ جوں کا توں بے چون و چرا قبول کر لیں اور ان کو پاکستان کے بنیادی قانون کی حیثیت

سے نافذ العمل کریں۔ سچہ وہ احکام ہیں کی ایک سے زیادہ تعبیری ممکن ہیں، ان کی حقیقت

تعبیروں میں سے کسی ایک تعبیر کو اختیار کرنے کا حق ان لوگوں کو ہرگز ہو گا جو کتاب و سنت کا علم

اور فہم رکھتے ہوں۔ پھر بھی امور کے متعلق ضا اور حوالے کوئی خارج احکام نہیں دیئے۔

وہاں واضح احکام دوسرے کر خدا اور رسولؐ نے خود یہ ظاہر کر دیا ہے کہ ان معاملات کے بارے میں مسلمانوں کی جماعت کو اس کے لئے اپنی ضرورت کے مطابق فی حد ضرورت بنائے اس کام کے لیے مسلمانوں میں ہر حال میں لوگوں ہی کو متنبہ کر سکتے ہیں جو جہتہاں تک ضرورت کہتے ہیں۔

تیسری حق کی تشریح۔  
شریعت اسلامی کا احیاء

یہ حق دوسری حق کا منطقی نتیجہ ہے۔ اس کا منشا یہ ہے کہ جس شریعت کو ضرور کہہ کے انگریزوں نے اپنے قوانین جاری کیے تھے اب وہی شریعت پھر تازہ ہوئی چاہیے، اور انگریزوں کی بنائی ہوئی "افزادہ شریعت" کو اب ضرور کرنا چاہیے۔ اب اس ملک کے ہر قانون شریعت اسلامی کے مطابق ہوگا اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ شریعت کے خلاف کوئی قانون بنوے۔ اب اگر کوئی سودا قانون شریعت کے خلاف یہاں کی پارلیمنٹ میں پیش ہوگا تو وہ اپنے دستور رد کر دیا جائے گا اور کوئی ایسا قانون یہاں جاری نہ ہوگا تو اس کے خلاف عدالت میں دعویٰ دائر کر کے اس قانون کو ضرور کرایا جائے گا۔

چوتھی حق کی تشریح۔  
اسلامی حکومت کی عام پالیسی

کسی نظام کا انحصار عدالتوں پر نہیں ہوتا، بلکہ اس عام پالیسی پر ہوتا ہے جس پر نظام حکومت کو چلایا جاتا ہے۔ حکومت کو تعلیم و تربیت کے لیے ایک نظام بنانا ہوگا، ان ذرائع اور پالیسی کی تربیت کے لیے کوئی پالیسی اختیار کرے گی، وہ دیانت کا نظام چلانے کے لیے کوئی خاص نقشہ کار تجویز کرے گی، وہ صبح و شب اور بھی اخلاقی تعلیمات، اخلاقی و مذہبی تعلیمات کے لیے کوئی خاص روش چلائے گی۔ ہم چاہتے ہیں کہ حکومت یہ سب کام اپنے دھڑے کے اندر کرے جو عام فہم کے لیے مقرر کردی ہیں۔ اگر ہر دی حکومت اپنے مفید لائق اہل خدایہ مسلمانوں میں مقام کی برتری کے خلاف استقامت کرے تو اسلامی قانون کا اجرا

جے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ہم نے اس مسئلہ کو بھی اپنے معیار میں شامل کر دیا ہے تاکہ اگر  
اسی حدود سے باہر جا کر کوئی پالیسی اختیار کر لے تو اس کے بعد بھی عدالت میں دھونڈ  
مار کر کے اُسے جلا دیا جاسکے۔  
تہدیل کا نقطہ آغاز

پیر سے خیال میں اس شریعہ کے بعد مطالبہ کا ٹیک ٹیک منہم کھنے میں کوئی دھوری  
نہ ہوگی۔ کسی شخص کو مسلمان بنانے کے لیے سب سے پہلے یہ ہو سکتا ہے جس کا تعلق  
اس معاملہ میں کیا گیا ہے۔ پس اگر ہم اپنے ملک میں باسوی نظام حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں تو  
سب سے پہلے جس حکومت سے اس مطالبہ کو سنا چاہیے۔ اگر اس مطالبہ کو ملایا  
جائے تو عدالت میں یہ کہا کہ اسے جیل میں لے کر ایک کمیٹی بنائی جائے جو قرآن و حدیث کے ساتھ  
ساتھ دستور (Constitution) اور قانون (Law) دونوں کو خوب سمجھی طرح سمجھتے ہیں۔  
اور باہم سر جوڑ کر مجلسِ عدلیہ بنے کریں کہ قرآن و حدیث کی روش سے وہ کون سے اصول ہیں جنہیں  
پاکستان کا عبادی قانون قرار پانا چاہیے۔ اللہ حافظ۔ اس وقت وہ کون کون سی باتیں اصل  
ہوتی ہیں جن کو نظر (Precedence) کی حیثیت سے چلی نظر رکھنا ہوگا۔ لیکن یہ مسئلہ تو  
جو اصل مسئلہ ہے، اور جب اس کا وقت آئے گا تو یہ بھی ہو جائے گا۔ اس وقت کو سب  
اہم مسئلہ یہی ہے کہ حکومت پاکستان اپنے دستور کی بنیاد سے اپنے مسائل پر کرنے کا مسکن  
کرے۔ اس لیے اگر پاکستان کے لوگوں کو اس پر چاہتے ہیں کہ یہاں کا نظام حکومت باسوی ہو  
اور اس مطالبہ کا پنا مطالبہ جائے۔ یہ میرا اس مسئلہ کا مطالبہ نہیں ہے، اس میں کسی شخص کو  
شیخ الاسلام بنالے گا یا کسی خاص فرقے کے علماء کو جہت و سنے گا، یا کسی خاص سیاسی پارٹی  
کے حقوق منانے کا کوئی سوال شامل نہیں ہے، بلکہ یہ مطالبہ پوری اُمت کا ایک عام اجتماعی  
مطالبہ ہے۔

مطالبہ کیوں؟

اس مطالبہ کی ضرورت اس لیے پیش آتی کہ یہاں ایک معنوی انقلاب رونما ہو گیا ہے  
اگر یہ انقلاب اسوی اصول کے مطابق فطری طور پر رونما ہوتا ہوتا تو اس مطالبہ کی ضرورت

پیش نہ آئی۔ مگر غلط ہے کہ مادی ہی آپ سے آپ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم ہو جاتی۔  
 لیکن بحالت موجودہ ایک مصنوعی انتظام کے بعد جتنا اس امر کا امکان ہے کہ یہاں اسلامی  
 نظام قائم ہو جائے۔ آقا ہی اس امر کا بھی امکان ہے کہ ایک غیر اسلامی نظام اس ملک پر  
 مستحکم کیا جائے۔ اس لیے اسلامی نظام اب ایک نظم اور پُر زندہ مطالبہ ہے جس کے ذریعے  
 قائم کیا جاسکتا ہے۔ اس مطالبے کے لیے ہندو جہد کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ  
 کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہم نے اپنی باگیں دے دی ہیں وہ ایک شیعہ سے متصادم ہیں کہ  
 رہے ہیں۔ یہ حضرات کہیں یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان ماضی کے کئی کئی سو برس پہلے  
 اگر یہاں اسلامی نظام حکومت قائم نہ کیا جاسکتا۔ کہیں کہتے ہیں کہ یہاں ایک مذہبی جمہوریت  
 اشیث (Secular Democratic State) قائم کیا جاسکتا ہے۔ کہیں کہتے ہیں کہ یہاں  
 قرآن کی حکومت ہوگی۔ اور کہیں یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہاں سیاسی حیثیت سے نہ ہندو نہ ہندو  
 ہرگز نہ مسلمان، بلکہ سب محض پاکستانی ہوں گے۔ پھر اسلامی حکومت کی کئی مختلف  
 تعبیری کھاتی ہیں۔ لیکن اس کی تعبیر یہ کہانی ہے کہ یہ تضاد اور مساویات اور اخوت کا  
 ہم معنی ہے اور کہیں "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ سوشلزم یا اسلامی  
 سوشلزم کیا چیز ہے؟ میرا خیال ہے کہ یہ لوگ خود بھی اس کا مطلب نہیں جانتے۔ کہیں  
 یہ اسلامی جمہوریت کا بھی چرچا کرتے ہیں۔ ہم ان سے معاف صحت کے لیے کہتے ہیں کہ اگر  
 موجودہ نظام جمہوری نظام ہے اور اس میں آپ عوام کے فائدوں کی حیثیت سے کام کر  
 رہے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ لوگ جس معنی میں اسلامی نظام کے خواہشمند ہیں آپ اُسی  
 معنی میں اُسے قائم کریں۔ آپ کو اندہ کچھ کہنے کا حق ہی نہیں ہے۔

مطالبہ کرنے کی بدھ مہر کی وجہ

پھر مطالبہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے جن لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار  
 دینے میں ان میں سے بعض ان اُفتخاریہ کے کسی خلاف اسلام طریق پر استعمال کر رہے  
 ہیں جو تو اسلام سے بڑا کہ غیر اسلام کی طرف سے ماننے والا ہے۔ ان میں سے ایک بڑا  
 معاملہ ایسا ہے جو اسلام کے اصولوں پر مبنی واقعہ نہیں رکھتا۔ جنہوں نے مغربی

مردوں کو اپنے لیے اور اپنی نسوں کے لیے پسند کر رہا ہے اور اپنے گھروں کی رضا کو ان کے مطابق ڈھال رہا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ جتنے یہ خود چاہتے ہیں، اتنا ہی پوری قوم کو لگا دیں اور اس کام کے لیے وہی اختیارات کو استعمال کر رہے ہیں جو قوم سے ان کے ہاتھ میں بیٹھے ہیں۔ اس واسطے میں جو کچھ ہر ماہ ہے اس کی بجائے شمارش میں دن رات ۲۴ گھنٹے آتی رہتی ہیں۔ نہیں اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ یہ ہندو ایک فوجی جان کا خط ہے جو اخبار کوٹہ لاہور کے ۱۴ فروری ۱۹۴۰ء کے پرچم میں، اور "جہان نو" کراچی کی واپرلی کی اجسٹ میں شائع ہو چکا ہے۔

خط پڑھ کر سنایا گیا جس میں ملری انجینئر کے ایک تنہا بیگ لاسٹنگ  
 قسطہ مذکور تھا۔ جہاں ایک جارج اور تانہ اعظم کے جام صحت کے طور پر شراب  
 پانی گئی، انجینئروں کو یوروں کے بے پردہ کرنے کی تحفیں کی گئی اور اس  
 کو ترقی منصب کا از حد تر دیا گیا۔ "فاز" کو فوجی ذرائع کے مطابق میں متور  
 دیکھنے کے لیے یہ مارک دیتے تھے۔

یہ ایک مثال ہے اور اس قسم کی بہت سی مثالیں ہندو سے ملنے روز آ رہی ہیں ایک  
 بگ ایک چر اسی ناز کے لیے گیا اور اسے ڈنٹا لیا۔ لاہور کے میڈیکل کالج کا واقعہ ہے کہ وہاں  
 کا ایک طالب علم جس نے جو کس جہان کے تعاضے سے اپنی صورت مسکاتوں کی سی بنا  
 رکھی تھی، جب کالج میں داخلہ کے لیے گیا تو پرنسپل صاحب نے انٹرویو میں فرمایا کہ کہہ  
 پھرے ہر ڈاڑھی ہے، تم کسی مسجد میں جا کر خدا بن جاؤ، کالج سے نہیں کیا واسطہ، جہان نو  
 کی واپرلی کی اجسٹ میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گلشن  
 میں نمازیوں پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے فوجی  
 کے ان اعلیٰ عہدے والوں کو کبھی کسی جگہ پر بھی اس قسم کے اعتراض کرنے یا اس طرح  
 کی پابندیاں لگانے کی جرأت ہوتی تھی؟ نہیں نے یہ اخبار جس میں ہمارے فوجی جان کا خط  
 چھپا ہے، جہاں کراچی بھیجا، اور دستور مذہبی کے خلاف کپس بھیجا یا کہ حکومت سے  
 یہ جیس کر لیا یہ گورنمنٹ کی پالیسی ہے یا بعض افسران حکومت کی ذاتی روش ہے؟ لیکن

کوئی شخص اس معاملہ کو اٹھانے کے لیے نیا نہ ہو سکا۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس کی کوئی ہیئت کس نہیں کرتے یا کم از کم اس کی طرف سے بے اعتنا کرتا پایا ہوتے ہیں۔

### ۲۔ دلیل ضرورت کی ضرورت

پھر اس وجہ سے کہ ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ ہمارے ہر رہنما انگریز کے شاگرد ہیں۔ اگر وہ دلیل سے مستند دلائل ہوتے تو ایک آدمی کا کہہ دینا کافی ہوتا۔ لیکن یہ اس طرح سے مستند دلائل نہیں ہیں۔ یہ کسی بات کو اس وقت تک نہیں مانتے جب تک اس کے پیچھے کوئی نہ ہو۔ ہم نے خود اس مطالبہ کو بھی دستور مذاہلین کے اعلان کے پاس جو اگر حالت کو جاننے کی کوشش کی ہے، اور میں انہوں سے کہتا ہوں کہ یہ کام انہوں نے اس کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا اور کوئی دکن اسے دستور مذاہلین میں خود و بحث کے لیے پیش کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکا۔ اس لیے اب ہم اس مطالبہ کو اسے کہہ کر ہم کے سامنے آتے ہیں۔ یہ یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ آپ کو اسلامی حکومت دینا ہے یا نظام کفر؟

منظم اور مقدمہ مطالبہ

یہ مسلمانوں کے تمام گمراہیوں سے کہتا ہوں کہ یہاں شخصیتوں اور گمراہیوں کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ ہم سب خدا کے سامنے جوابدہ ہیں۔ اگر ہمارے ہاتھوں سے یا ہماری گمراہیوں کے سامنے یہاں غیر اسلامی نظام قائم ہو گیا تو ہم سب اس کی عداوت میں پکڑے جائیں گے۔ اس لیے آپ اپنے خدا سے اخلاقیات کو بھول جائیے۔ آپ اگر آرام سے بیٹھے رہے تو یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ اس مطالبہ کو نوازنے کے لیے تمام ضروری تدابیر اختیار کیجیے اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس مطالبہ کو نوازنے کے لیے کیا کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہی ہیں۔ آپ نے پاکستان کا مطالبہ کیا جو تہذیب و تمدن کا ایک حصہ ہے اس سے علاوہ اخلاقیات اور مذہب کی تدابیر کو آپ نے اس مطالبہ کو نوازنے میں استعمال کیا ہے، انہی سب کو نظام اسلامی کے مطالبے کے لیے ہی اختیار کیجیے۔ یہ مطالبہ ہی نقصان دہ کوشش یا ہتھیار ہے، یہ بھی منظم اور تصدیقات چاہتا ہے اور یہ بھی اصل اور وقت اور تمام کی قربانیاں چاہتا ہے۔ لیکن شرائط کو ہٹا کر



کے آپ بٹا بہت کہیں کہ یہ قوم کا اجتماعی مطالبہ ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ آپ کے یاروں کے خلاف ہائیں۔ آپ اس مسئلے سے یکجہ کیجئے اس کے لیے ریڈیو شیڈی کیجئے اس کے لیے سڑکوں پر لڑائی کیجئے اس کو بیل کے ڈول اور ٹریسوں میں کھسائیجئے «سبھی ہی خود کتہ بہت کے لاکھوں اور لاکھوں پر صبح کر لیتے تاکہ اس مطالبے کے ہر خلاف آپ کے نیتے نیتے کی زبان پر چومے جاتیں۔

مسلم لیگ بھائیوں کی ذمہ داری

میں اپنے مسلم لیگ بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آپ نے پاکستان اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے دعا کیا۔ آپ نے مسیحی اسلام کے نام پر کیا، اب آپ آزادی میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ اس آئینہ پر تپ ہنسے اتر چاہتے ہیں تو اس مطالبہ کو اپنا مطالبہ بناتے، اسے ابتدائی مسلم لیگوں سے پاس کر لیتے، پھر صوبائی مسلم لیگوں کے سامنے یہ مسئلہ آیتے اور چر جوگ اس مطالبے سے متفق نہ ہوں، انہیں بیگ سے باہر نکال دیجئے۔ اب اکثر لیگوں اور عہدہ داروں کے لوگوں کے مسلم لیگ پر تا بعض پہننے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں ہو جائیں تو پھر مسلم لیگ اور جامعہ اسلامی میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا بلکہ دونوں قریب قریب ایک ہو جاتے ہیں۔

تعلیم یافتہ طبقہ کا فرض

میں اپنے حکم کے تعلیم یافتہ طبقے سے بھی اپیل کرتا ہوں کہ وہ وقت کی نزاکت کو محسوس کریں۔ ان پر اس مسئلہ میں بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ کس حکم کی قوت کو ہا اور کو کم نہیں ہے بلکہ اس کے سوچنے اور سمجھنے والے لوگ ہی اس کی اصل قوت ہوتے ہیں۔ آپ حضرات قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں۔ آپ کو فیصلہ کرنا چاہیے کہ آپ کا پانچواں کس طبقے میں ڈالنا ہے؟ اگر آپ کو اپنے ایمان کے لیے یہ دعا کی جا رہی ہے تو آپ کے تمام مشکوک و شبہات دور کرنے کے لیے تیار ہیں اور آپ کو مطمئن کر سکتے ہیں کہ آپ کی، آپ کی قوم کی، بلکہ پوری دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ یہاں اسلامی نظام حکومت قائم ہو۔ اگر آپ اس پر مطمئن ہو چکے ہیں تو آپ کی ساری قوتیں اور جماعتیں

اس کی تائید میں مقررہ ہونی چاہئیں۔ پہلے پاکستان بننے کا مقصد بھی قوم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوا جب تک آپ نے اپنا مارا دھنی اس پڑے میں نہیں ڈالا۔ اب نظام اسلامی قائم کرنے کا مقصد بھی اسی وقت پورا ہو گا جب کہ آپ اپنا پورا دھنی اس پڑے میں ڈال دیں گے۔

علامہ و مشائخ سے گزارش

میں علماء اور مشائخ سے بھی کہتا ہوں کہ برابر کو کم ہونی اختلافات کو چھوڑ دیجئے اور کسی ساری کوششیں اس کام پر مرکوز کر دیجئے۔ اگر یہ اصول ہو گئی تو سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی ملک میں غیر اسلامی نظام نافذ ہو جاتا ہے تو ایک ایک کر کے اس میں سے اسلام کے سارے مذاہب مٹ جاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ایک ملک ایسا بھی ہے جس نے مسلمان ہوتے ہوئے سچ کو برسوں مزور رکھا، قرآن کے قوانین کو ضور کر کے ان کے بجائے دوسرے قوانین بنائے، قرآن مجید سے حوریت کا حقہ منہاں کر کے اس میں مرد سے انکار کر لیا ہے اسی نے خداوند سے قانون حوریت کا حقہ مرد کے برابر کر دیا۔ ہمارے ملک میں اب تک اسلام سے جو رعایات روادار کی گئی ہیں اور جو نرمی کا سلوک اس سے کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں ایک غیر قوم کی حکومت تھی اور اس کی صنعت اسی میں تھی کہ وہ مذہب کے معاملہ میں وراثتیں دے دے۔ لیکن اگر آپ کے اپنے مدوں سے یہاں لادینی حکومت قائم ہو گئی تو پھر اسلام کا نشان اس ملک میں باقی نہ چھوڑا جائے گا۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ اسی دنیا میں ایک مسلمان ملک کی حکومت ایسی بھی ہے جس نے لادینی نظام قائم کرنے کے بعد دینی تعلیم کو قانون کی طاقت سے حرام کر دیا ہے۔ اس سے آپ اب جزئیات و تفصیلات کو بھولی جائیے اور ساری قوت اس کام پر ادھاریں بنیادی اصول کو خواہنے پر صرف کر دیجیے کہ یہاں کا نظام اپنی بنیادی فطرت کے لحاظ سے صحیح مسنون میں اسلامی ہو گا۔

جو کبھی کہا جاتا ہے کہ شراب بند کی جائے، کبھی یہ کہ نہ تانکے الٹے اڑا دیئے جائیں۔ تو یہ کام تو کانگریسی حکومت بھی کرتی رہی ہے۔ کیا ان کاموں کے کرنے

سے کوئی حکومت اسلامی حکومت ہو جائے گی، پھر کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی ایک بیت مال قائم کیا جائے جس میں زکوٰۃ کی وصول اور صرفہ کا انتظام کیا جائے۔ لیکن یہ تو وہ حقوق ہیں جو کبھی ہم نے اپنی اسلامی حکومتوں میں اپنے ہاں کے ذمیوں کو دیتے تھے، اور جو ہم کو بھی دینا پڑا اور جو مسلمانوں کو دینا پڑا، مگر وہی ترکستانی ملک کی حکومتوں نے اپنی مسلمان رعایا کو دے رکھے ہیں۔ کیا یہ باتوں سے کوئی نظام حکومت اسلامی نظام میں بدل جاتا ہے؟

جزئی مطالبات چھوڑ دیجیے

ہم تو وہ حکومت چاہتے ہیں، جس کی مدد سے مسلمانوں اور ذمیوں کا نظام تعلیم اور نظام عدالت اور عدالت کا ہندوستانیاتی نظام اسلام کے سانچے میں دھرا جائے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ بیت المال تو غلامی کی تہذیب میں ہے، اسلامیت کا نظام غیر اسلامی ہاتھوں میں رہے۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ملک کا ہر غرض اسلامی بیت المال میں بدل جائے۔ لہذا براہ کرم آپ حضرت چھوٹی چھوٹی چیزیں نہ مانگیں، وہ نہ ایسی دنیاوی چیزیں دست کر آپ کو ملتی کر دیا جائے گا۔ پھر اگر آپ اس کے بعد کوئی اور جزئی مطالبات مانگنے لگیں تو کہا جائے گا کہ یہ حق تو گناہ گار ہے، ماستوری ہیں، ان کے مطالبات کبھی ختم نہ ہوں گے، دیر تک کی ترقی اور اختتام کے لئے میں غرضاً غرضاً وہ ذمے اٹھاتے رہیں گے۔ پس آپ اپنی مدد کی قوت اٹھائیں۔ زیادہ مطالبے کے سوا اسے پر صرف کیجیے جس کے اندر آپ کے سارے مطالبات ٹھہر جائیں۔

سرماہ وادوں اور جاگیرداروں کو تسخیر

اب میں کہہ باتیں اپنے ملک کے جاگیرداروں اور سرماہ وادوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ حضرات نے تباہ و بربادوں سے جو کچھ ہمیشہ رکھا ہے، اسے تو اب ہر حال میں رکھنا ہے۔ سرزمین پرستانہ طور پر حق مالک زبانی نہیں دیا۔ اب وہ سپہ سالار کی ماتحتی میں تزلزل ہوا ہے، سب دوسروں کی صفوں سے جاننا فائدہ اٹھانے اور اسراف اور عیاشی کی زندگی کے لیے دوسروں کی کیا توجہ میں سے سرمائے کے زور پر اپنے حق سے فائدہ اٹھانے کے لئے اس سلسلہ ہر حال ختم ہو رہا ہے۔ ان چیزوں کو ختم کر دینا ہے، یہ آپ وہاں تھیں جس سے ایک ہاتھ لپکنا ہے۔ ایک ہاتھ ہے جو

آپ کے خود ساختہ حقوق اور اوجہ امت کے ساتھ خدا آپ کو بھی شامسگ اور بدعمر واقع ہے  
 جو جب بھی پڑھے گا، انتقام کے لیے نہیں، انصاف کے لیے اُسے گا، اور آپ سے صرف  
 انتہائی پیچھے گا جو پہلے نہایت پرست پرست رکھے ہے، اگر آپ نے انصاف کو نہ دے گا  
 پرست ہاتھ کو پسند نہ کیا تو پھر میں بدعمر انتہائی ہاتھ بھی ہر حال بدزدستی کے لیے موجود ہے  
 اور وہ اپنا کام کر کے رہے گا

منہ دہول اور کسانوں سے اوپر

اس طرح میں آپ کے حکم کے منہ دہول اور کسانوں سے بھی کہہ کر اپنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ  
 ہے کہ کوئی مرد منہ دہول کے لیے نہیں جیسا، آدمی کے لیے سب سے زیادہ منہ دہول پر توجہ دیتا ہے  
 اگر آپ کو کوئی جہاں نظام ہے جو آپ کے لیے مدعوں کا تو انتظام کر دے، مگر آپ کی نصرت  
 کو ختم کر دے تو اس پر گزرتا نہیں جیجے، ایک نظام سیاسی جو جو ہے جو آپ کو مدد بھی دیتا  
 ہے اور آپ کی نصرت کا بھی انتظام کرتا ہے۔ وہ آپ کے سکے بھی مل کر رہا ہے اور آپ کو  
 مدد دینے والے منہ دہول کے مدد بھی مل کر رہا ہے۔

مسلم عوام سے خطاب

اب میں مسلمان عوام سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ آپ کو کہنا چاہیے کہ اسلام کی ہے۔  
 اگر آپ اسلام کی حقیقت سے واقف ہے تو ہر کتاب کے اسلام کا نام سے کتاب کو کوئی لڑت  
 دیکھ لیا جائے، شراہ کی بوتل پر شربت لکھ لیا جائے، اس کے ساتھ حق کی جائے اور  
 آپ سے پک کر لے میں، جہاں ایک غیر اسلامی نظام قائم کیا جائے اور اس کے ساتھ کوئی فلاحی  
 چیزیں اسلام کی فلاح کر دی جائیں اور آپ ان فلاحی چیزوں سے دھوکا کھا کر ملتیں ہر باتیں  
 کہ میں اب اسلامی نظام قائم ہو گیا۔

ہم نے اپنی مدی تو اسے منہ دہول لگا دیا ہے کہ اسلام کے عوام میں۔ صحیح  
 اسلامی شہر میدان ہو۔ ہم ان کو جھٹوں اور جو جھٹوں اور جن باقی غروں سے ایک کھوکھے اشغال  
 میں مبتلا کرنے کا طریق کار میں نہیں جانتے اور نہ چاہتے ہیں کہ وہ اندھے ہدایت کی آد میں  
 جھٹے لگیں۔ مگر ہم ان کے اند اسلام کے لیے جیسے اور مرے لاشوں کی دوا لہ پید کرنا چاہتے ہیں۔

ہر ایک حقیقت ہے کہ اگر ہمارے ملک کی حکومت کے لیے ایک ایسا دستور بنایا جائے جو موصیٰ صلاہی ہو، لیکن اس کی پشت پر موصیٰ موصلائی نہ ہو تو وہ موصیٰ دستور کی حقیقتی نیچر نہیں دکھاتا۔ اس کے بل پر موصیٰ نظام چل سکتا ہے۔ کوئی دستور کاغذ کے اندر قہر نہیں چلا سکتا۔ لہذا اس کا بننا اس کا کام کرنا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ ملک کے عوام کی کتنی منظم طاقت اس کو چلانے کا عزم رکھتی ہے۔ اسی لیے ہم پہلے یہ جانتے ہیں کہ جو لوگ اسلام کو اپنے دین اللہ صلیب زندگی کے لیے پسند کرتے ہیں وہ ہمارا ساتھ دیں اور دین کی خدمت کے لیے منظم ہوں۔

اب میں ان ملامت کرنے والوں کی کوشش کروں گا جو وہ طبقہ ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے جو موصیٰ نظام کو پسند نہیں کرتا اور اس کے قیام کا مخالف ہے۔

### استقرار پاکستان کا عنصر

ہم سے کہا جاتا ہے کہ وزیر اشد حکومت ایچی بی بی ہے۔ درحقیقت نہیں ہے۔ سرحد پر چاند طرف سے خطرہ ہے۔ بس اس وقت موصیٰ طاقت پاکستان کو مغرور کرنے میں غرضہ برائی پائیے اور موصیٰ حکومت کی فیلڈ کھینے کے کام کو غریزہ رکھنا چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ پاکستان کو مغرور کرنے کی کوشش کرنا ہر اس شخص کا فرض ہے جو اس میں رہتا ہے۔ لیکن دلچسپ ہے کہ پاکستان کے لیے اصل خطرہ کہاں ہے؟ — اس کے اندر یا باہر؟ میں کہتا ہوں کہ اصل خطرہ باہر سے نہیں، بلکہ اندر سے ہے، اس لیے کہ اس کشمکش کے دوران دلت اس میں جمید کرتے رہتے ہیں۔ ان کی ریلوٹ خودی اور غزوہ ہندوستان پاکستان کو مسلسل گمراہ کر رہی ہیں۔ میں نالکہ دوست کا دفاع دلت دوست خود دلتے ہیں اور جو حکومت یہ لوگ خود کر رہے ہیں انہیں دیکھو کچھ کراٹر مسلمان یہ کچھ لکھے جاتے ہیں کہ اگر پاکستان میں جگہ ہی کچھ ہونا تھا تو ہم ہندوستان میں کیا کر رہے تھے؟ کچھ ہی منظم ہمارے سوال کرتے پاتے تھے یہ کہ کیا پاکستان ان ہی تمام کے لیے بنایا گیا ہے؟ یہ چیزیں ہمارے عوام کا دل توڑنے والی اور ان کے جذبات کو سرد کرنے والی ہیں۔

پاکستان کو مضبوط بنانے کے لیے مزید یہ ہے کہ اس کے ایک ایک گوشہ ایک ایک فوجی سپاہی کے دل میں یہ بات جھونجھوتے کر جب وہ ڈرے گا تو اصل زمین کے

لیے نہیں، بلکہ خدا کے لیے دے گا۔ اللہ اللہ جان دے گا تو تم کے کچھ بیٹوں اور جہودوں کے لیے نہیں، بلکہ خدا کے دین کے لیے دے گا۔ اگر آپ اپنے ہر بوجی کو اس بات پر مطمئن کر دیں کہ تیری خدمت صرف اسلام کے لیے حاصل کی گئی ہے تو پھر کیجیے کہ ان کس عورتوں اور دیر سے ملا ہے۔ ظہیر ملت ہے کہ ہم اپنے زجرانوں اور اپنے سپاہیوں کے دلوں کو وطنوں کے لیے اس کے ساتھ کوئی اور تہذیب نہیں رکھنے کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے ساتھ ساتھ مسیحی اور سکھوں کی ہیں۔ پھر ان متوالوں کی اسی حقیقت سے انکار کر سکتے ہیں کہ جو چیز ہم پیش کر رہے ہیں وہ پاکستان کی منظم کرنے والی ہے اور میں اس کے انتظام ہی کے لیے اس کو کامیاب بنانے کی ضرورت ہے۔

انتشار انگیز عصبیتیں

پاکستان کی منظم کرنے کے لیے مسیحی بڑا مسئلہ ہے کہ ثقافت، عناصر اور حقائق صحیحہ متحدہ کرنا ایک بیانِ مروجہ بن جائیں۔ لیکن جن امور پر ہم توجہ مرکوز کرتے ہیں ان کا حقیقی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہرگز جو اپنا کوئی ثقافت، عناصر، مناسبت ہے وہ ایک بڑا گمراہی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ ہے اصول قومی وحدت پیدا کرنے والی منسوبی سیاست کے نہر کا اثر ہے کہ اب ایک پاکستان میں ایک مسلمان قوم نہیں بلکہ پانچ مختلف قومیں بن گئی ہیں: ہندو، بلوچی، پنجابی، افغان اور بنگالی! ان سب کو یکجا کر کے خیانت مروجہ صرف اسلام ہی کے ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

پھر یہاں "خدا" اور "ہماری حق" کی باہمی کشمکش کے سبب سے اس کے دو انگلیک نظام بن رہے ہیں اور دو انگلیک ریاستیں رونما ہو رہی ہیں۔ اور اگر حالات اس رفتار پر رہے اور ان کا کوئی سدباب نہ کیا گیا تو یہ مسئلہ بھی پاکستان کے لیے ایک سنگین خطرہ بن

---

۱۔ یہ الفاظ طنزیہ استعمال کیے گئے ہیں۔ درحقیقت ان کے لفظ سے نہ تعجب نہ  
 کہی "خدا" کا لفظ اختیار کیا اور ہندو مت کی آستھوں نے ہمارے کامیابی کا  
 ساتھ لیا۔ وہ ہے۔

کے لئے ضروری ہے گا۔ یہ اس واقعے سے غور کا آغاز دیکھیے کہ مشرق پنجاب سے کئی ہونے ایک  
برآمدہ کی وجہ سے مغربی پنجاب کی سرحد پر آباد کیا گیا تو وہاں کے مقامی باشندوں نے سکھوں  
کو دعوت دے کر ان پر حملہ کر دیا۔ متضاد سرحدیں کے لیے اس وقت تک غور میں پنجاب  
ملک اس کے دو میلان صحتیں کام کرتی رہیں۔ ان کو اگر ایم جیٹا اہا سکتا ہے تو اس کی تمام  
کی غف میں اس کی امور کے ذریعہ ہی جیٹا اہا سکتا ہے۔ وہ ان کے بروقت متقدم ہو  
جانے کا امکان ہے۔

مسئلہ ہماجرین کا واحد حل

لہذا پاکستان میں ہونے سے پہلے جلد سے پیش قدمی نے قوم کے اخلاق کی بچاؤ  
اس کی اصول پر کرنی ہوئی تو ہماجرین واقعی ہماجرین ہوتے اور انصار واقعی انصار،  
چرمن کا مسئلہ حل کرنے میں جس کا مشعلہ پیش نہ آتیں جو آج دن رات پیش ہیں۔ قوم  
میں اس کی میں پیدا ہوتی تو یہاں کے لوگ اپنے غروں سے نکل کر مشرق پنجاب کے غروں  
کا استہان کرتے اور غزنی پر سوتے اور اپنے ہمنام چاک کٹنے والوں کے حوالے کر دیتے۔  
یہ مسئلہ کوئی آج ہی ہمارے سامنے نہیں آیا۔ اس سے پہلے ہی چلے ہے۔ حریہ کی چوٹی سی  
جس نے ملک عرب کے مختلف قافلے کے ہماجرین کی ایک کثیر تعداد کو اس میں دسکون سے  
جذب کیا کہ کسی کو قانون کا خبر بھی نہ ہوئی کہ الیہ دینہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش ہے۔ اس کا ایک  
اس ناسخ میں تمدنی فلسفہ و وسائل بہت ہی ابتدائی حالت میں تھے۔ وہیں میں اس مسئلہ کو  
اس کی ہر طرف اور اس کی اخلاق نے حل کیا تھا اور یہاں بھی اس کو حل کیا ہے۔

اب یہ بہت ہر شخص کے غور سے ہے کہ پاکستان کو کمرہ کرنے والے نے  
ہے جسے ہم پیش کرتے ہیں یا اس کے غور کی بار ہے؟

ہندوستان میں ہندو حکومت کے قیام کا نقشہ

دھرم اندھ سبیش کی جتنی ہے کہ اگر یہاں اس کی حکومت قائم کر دی گئی تو ہندوستان میں  
ہندو حکومت قائم ہو جائے گی۔ یہی کہتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ہندو حکومت قائم نہیں  
ہو سکتی؟ کاغذ پر لکھا ہے کہ نہیں ہو سکتی کی حکومت لاگو نہ ہو سکتی۔ اس میں سب کو

ملا کر کے حقوق حاصل ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کو زمین پر پلے کے بھی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ اس لیے آپ وہاں کی نگرانی کریں، وہاں تو جو کچھ ہونا چاہا، ہر چکا۔ دوسری بات یہ کہ یہ کہتا ہوں کہ ہینک جو فضائل ہیں، چنانچہ وہاں سیسہ چیلہ ہے کہ ہم اسلام کا نام تو لینے ہیں لیکن اسے اپنی زندگی کا دستور عمل نہیں دیتے۔ اگر یہاں ایک تہہ ہادی نظام قائم ہو جائے جو سب کو انصاف کے بل پر پلے اور یہاں کی حکومت وہ جسے کی گھڑی ہو وہ اپنے فرائض عمل سے ثابت کرے کہ اس کے تمام معاملات عدل و انصاف اور صداقت و ایمان پر مبنی ہیں۔ تب میں تو یہی کہتا ہوں کہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمتے جاگ اٹھے بلکہ نہ ہندوستان کی قسمت بھی بدل جائے۔ آخر پہلے یہ چند مسائل کے مسائل کہیں آئے تھے، ہمیں کے ہندو ہی تو لیوا، زمینوں پر بستے تھے۔ تو پھر آج بھی اگر آپ دیکھا دیں کہ اسلام سے ملک کا انتظام کیوں درست ہوتا ہے، معاشی اور معاشرتی نظام کتنے صالح ہو جاتے ہیں، پالیسی کتنی بے لگ ہو جاتی ہے تو ہندوستان کے لوگ سوچنے لگیں گے کہ اگر کریں تو ہم بھی اس نظام کو اختیار کر لیں۔ وہ آپ کے دشمن تو ہو سکتے ہیں، مگر اپنے دشمن نہیں ہیں۔ یہی ایک حقیقت ہے جس سے ہماری آئندہ سوانح کا تاریخ میں پروردگار فرمایا ہے، اور فرورماد کی جاسکتی ہے۔

ہندو تعلیم کا عنصر

پھر یہ مذکور کیا جاتا ہے کہ اسلام کی حکومت کو ہندو تعلیم کیسے گوارا کرے گی یہ ہندو ہی اہل ہے۔ اچھا پہلے دینی سربراہان میں کو تو دسم نے ایک ہندو دشمن پیش کیا ہے جس میں ہندو اہل سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اس دستور ساز اسمبلی کو جس سے مسودہ کے حرام کی اس خواہش سے آگاہ کرے کہ وہ پاکستان میں اس نظام کی حالت کو بھلا دیکھ کر اچھا ہوتے ہیں جس کی بنیاد ملک کے ترائی پر ہندو نظام تیز دیا گیا ہے ایک قابلِ تفسیر مثال یہ ہے ہر گاہ۔

ہندو ہی مذہب پہلے میرے پاس تھا۔ ایک خطا یہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ "اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ہندو مسلمان اس کے اصول پر "میرے مذہب کے اپنے حق کے بعد ایک مسلم ذہن ہندو کے برابر، ہر چیز کو بھی دیکھ نہیں سکتی کہ پاکستان میں اس طرح کا صالح نظام



حیات قائم کی جائے گا مگر مشرق وسطیٰ اس چیز کی وضاحت فرما دیتے تو کوئی ذی انہم انسان اس کی مخالفت نہ کرتا۔

### غیر مسلم اقلیتوں سے اپیل

تمام بے موم ہے کہ ہمارے ملک کے بہت سے غیر مسلم حضرات اس سے گھبرائے ہوئے ہیں کہ وہ ایک ایسی حکومت کے فائدہ بردار کیسے ہو سکتے ہیں جو ایک مذہب کی پابند ہو۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائی ایکسپریز کو مصروف نہ ہانڈے کی وجہ سے اس سے انقطاع کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ایک مسئلہ میں وہی چیز ہے جسے گاندھی جی "دھما جیہ" کہتے تھے اور ہمارے عیسائی بھائی "آئینل ہارڈ شپس" کہتے ہیں۔ ہم اپنے ہندوستانی ہندو بھائیوں کے لشکر گزار ہوں گے بلکہ ہندوستان میں حقیقی دھرم راجہ قائم کریں، اس دھرم راجہ میں بنیادی انسانی حقوق کی مخالفت مجددہ لادینی حکومت کی، نہایت شدید ہتر طریق سے ہوگی۔ میں اپنے غیر مسلم بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر یہی ایسی حکومت قائم ہوگی تو ان کے حقوق باطل غنڈہ ہوں گے اور مذہب پر ہی ان کو وہی حقوق دیئے جائیں گے جو کافر پر ہوں گے۔ لیکن اگر یہاں جمہوریت کی لادینی حکومت قائم ہوگی تو یہ مسلمانوں کی "قوی حکومت" ہوگی جس میں اکثریت اپنی مرضی کے مطابق اپنے ملک کی قومی اعتبار کے ساتھ من مانی لاسلطایاں کرے گی۔ ایسی حکومت کے قائم ہونے کی صورت میں جو حقوق اسلام میں آپ کے لیے حقوق ہیں، مسلمانوں کو اور ان کی حکومت کو اس کا اختیار ہی نہیں ہے گا کہ وہ ان میں کمی بیشی کریں۔ یہاں مسلمان اپنے اخلاقی فساد پر عمل کو اٹھیں اور ان کے کیا دنیا کی کسی اور غیر مسلم قوم یا حکومت کے ساتھ نہ کیجئے دیکھ کر نہیں جسنے گا، بلکہ اس کا لازمی نتیجہ ہوگا کہ دوسری قریب و دور ممالک میں اگر اپنے جیسے کوئی ایسی قوم نہیں ہے، میں مسلمان ہو کر اپنے جیسے کوئی نہیں ہوں۔

یہ بات کہ ہمارے ملک کے اکثریت مذہب میں اگر کسی نے یہاں غیر مسلموں کو ان کے پھیلنے کی کوئی بے غرضانہ کوشش کی ہے تو وہ دینہ دار ہی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں ان کے بھائیوں کے ساتھ کیا ہوتا ہے، لیکن چرچ میں ان کی خرافاتی اور انسانی ہمدردی نے انہیں زیادتی کا ظلم سے منع کیا، بلکہ انہوں نے حق ادا کرنا اپنے غیر مسلم بھائیوں کو دیا اور وہ غنڈہ مذہب تک پہنچایا اور اس کام میں اپنی امانت دہانگی کو ذرا پرانا نہ کی۔ جانتے پاس جیسے بہت سے واقعات

ذہانت یہ کہ دیکھا جائے، بلکہ خود غیر مسلم حضرات کے متعدد اعتراضات خود ہم تک پہنچنے میں اور ہندوستان  
جاننے والے غیر مسلموں میں سے ہزاروں اس کی گواہی دیں گے۔  
اسلامی حکومت کی گارنٹی

اسلامی حکومت کی محنت میں یہاں جو گورنشی دیکھائے گی وہ ہماری طرف سے نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ  
کی طرف سے ہوگی۔ حضرت کے الفاظ ہیں کہ جو مذہب کو جو عزت و کبر پر غلبہ دے قیامت کے صف میں خود  
اس کی تلافی دے گا اور وہ جنت کی بھی نہ رہے گی۔ پھر حضرت کی آخری وصیت میں جہاں نماز  
اور حقوق کے حقوق کی تاکید تھی، وہاں انہوں نے حقوق کی ادائیگی کا بھی حکم دیا۔ حضرت عیسیٰ کے زمانے کا  
واقعہ تھا کہ ایک دفعہ جب مسلمانوں نے ایک جگہ سے پسپا ہونے پر مجبور ہوئی تو انہوں نے غیر مسلموں  
کو لوٹا کر ان کے ٹیکس دہیں کر دیئے کہ ہم نے یہ ٹیکس آپ کی مخالفت کی تصدیق کے صلہ میں کے طور پر  
لیئے تھے اور چونکہ اب ہم مخالفت کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں، اس لیے اس رقم پر بھی  
اب ہمارا کوئی حق نہیں رہا جو تہذیبی مخالفت کے لیے لیا گیا تھا۔ یہی غیر مسلم جماعتوں سے کہوں گا کہ  
یہ نظام آپ کے لیے رحمت ہوگا، آپ اس کے قائم کرنے میں ہمارا ساتھ دیجیے اور میں مدد دے رہا ہوں۔  
اسی نظام میں آپ کے لیے سب سے بڑی فائدہ کی باتیں جمہوریت کے جذبے میں جاتی ہیں، برکات ہیں کہ  
اگر آپ کو ان کا اندازہ ہو تو آپ سب سے بڑی جمہوریت کی مخالفت اور اسلامی حکومت کے قیام کے لیے  
مسلمانوں سے بڑھ کر جوہر کر سکتے ہیں۔  
دنیا کی حالت عام کے بلکہ جاننے کا ہتھول

یہ خدا ہی کا جتنا ہے کہ اگر ہم نے مذہبی حکومت قائم کی تو دنیا کی حالت عام ہمارے متعلق  
خواہ ہو جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی بدجہت سے ہیں اپنے اسلام پر فرما چاہیے۔  
نہیں کہتے ہیں کہ میں اسلام پر آمنا ہی ایمان نہیں جتنا ۱۹۱۵ء میں میں نے کے گیمینٹوں کو کہیں نرم پر تھا۔  
وہ لوگ جب جنگ سے نکلے تھے تو ملک کی سیاسی حالت ناگفتہ بہ تھی، مگر نظام صبح پر ہم تھا، ملک  
پادشاهانہ طریقہ دشمنی میں مگر اب تھا، فوج شکست خوردہ اور صنعت و حرفت تباہ حال تھی،  
اللہ ہی واضح تھا کہ اشتراکی نظام کے قیام کے ساتھ ہی دنیا کی ساری ساری مملکتیں اس کے خلاف  
ہو جائیں گی۔ لیکن ان مملکتوں کے علی الرغم انہوں نے یہ نظام قائم کیا اور اب ہر سرکاری ادارہ

حکومت اس سے لڑنا برا فائدہ مند ہے۔ جس دوسروں کی طرف نہیں، اپنی طرف سے دیکھنا چاہیے کہ  
 جاننے والوں نے لائق کیا کیا ہے۔ جس اس لئے کہنے کو پڑا کرنا چاہیے۔ دنیا کی رائے عام  
 اسلام اور مسلمانوں کے متعلق غراب ہوئی ہے اس وجہ سے کہ ہم نے اسلام کو میدان عمل سے  
 باہر رکھ کر اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے روٹھائیں کرنا ہے، چنانچہ اسلام بھی منکر بن گیا  
 اور مسلمان بھی۔ لیکن اب اگر ہم اسلام کو میدان عمل میں لاکر اسے براہِ اقتدار دیں تو دنیا کی رائے عام  
 متعلق ضرور اسلام کے بارے میں ہی درست ہو جائے گی اور ہم مسلمانوں کے بارے میں بھی درست  
 ہے کہ لوگ ایک دو سال تک غلط فہمیوں میں مبتلا رہیں، لیکن دو چار سال کے بعد وہاں سے متعلق  
 اپنی رائے بدلتے پر مجبور ہوں گے اور تسلیم کریں گے کہ لوگ تو ہم سے رہنا بننے کے قابل ہیں کیونکہ  
 ان کے پاس وہ چیز ہے جس کی بنیاد پر ایک جہانی سیاست (World State) بن سکتی ہے۔ کوئی  
 وہ نہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے تجربہ کو دیکھ کر ان کے دل آپسکے جھنجھنے نہ شروع ہو جائیں۔  
 "قانون کی حکومت کا مشہد"

ایک خدوہ یہ بھی ترشا گیا ہے کہ اسلامی حکومت تو "قانون کی حکومت ہوگی اور نہ دنیا کے ماحول  
 کو لیا جائیگا۔ میں اس خدوہ کے مٹانے والوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم آپ کے اس "ماہی" سے  
 بھی ہوا نکال چکے ہیں۔ پاکستان میں اب جو لوگ اسلامی نظام کے مطالبے کو لے کر اٹھتے ہیں وہ "قانون  
 نہیں ہیں بلکہ آپ کی طرح دنیا کے ماحول کو لے کر اٹھتے ہیں اور اس کے ساتھ قرآن و حدیث  
 کو بھی! — اسلامی حکومت کے مطالبے کو لے کر اٹھنے والے لوگ جدید فلسفہ و سیاست کو بھی اپنے بہتر طور  
 پر سمجھ رہے ہیں اور قرآن کے فلسفہ و سیاست سے بھی کچھ نہیں ہیں۔ قادیانیت ہے کہ اسلامی  
 حکومت اگر قائم ہوگی تو وہ اپنے پوتے کیسے ایسے ہی آدمی طلب کریں جو محمد و اللہ میں اسلامی اصول  
 پر کام کر سکیں۔ میں ملک کے باشندوں اور رائے دہندوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام اس بارے میں ان  
 کی ذہنی تربیت کتنی ہوگی کہ وہ اسلامی حکومت کے لیے ایسے آدمی فراہم کریں۔ ان کی پس منظر کے  
 انتظام کیسے آدمی مطلوب ہوں تو لوگوں کو دیکھنا ہی آدمی تلاش کرنا ہوگا۔ اور اگر محمد کے انتظام کیسے  
 ملاؤں وہاں ہوں تو وہ ہی آدمی ان کے سامنے آئیں گے اور ایک جگہ انتظام چاہو تو اس کی صورت  
 دیکھنے والے آدمی ہی چھنے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر اسلامی حکومت کو چاہنے کے لیے ملاؤں کی

موجودہ مملکت کے لئے ہم اس کام کی صحیح معاہدہ نہیں کھینچ سکتے۔ ورنہ اس کو چھانٹ کر آگے بڑھنے لگے گی۔ یہ  
 ممکنہ صورت نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں اسلامی نظام کو چھوڑنے والے ملکوں کا بالکل قطع ہے۔  
 ایسے آدمی موجود ہیں اور ہر ایک ہی کے اندر نہیں، بلکہ خود آپ کی حکومت کے موجودہ پٹریوں میں  
 بھی اس میدان کا ایک بڑا خطرہ موجود ہے۔

### غیر اسلامی نظام میں اسلامی قانون

پھر یہ کہا جاتا ہے کہ کمزور نظام تو غیر اسلامی رکھا جاتے اور اسلامی قانون اسلام کا باریک  
 یہ جانتے نہیں کہ ہمیں کہہ رہے ہیں کہ ہر ایک ملک کو ہمارا امام بنانا چاہئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ملک بہت  
 تو بڑا ہے کہ مذہب کے اعتبار سے اس قانون کا مذہب کا باریک کرے۔ لیکن اس رائے کے پیش کر رہے ہیں کہ اصل پر  
 کم آتا ہے۔ ایک غیر اسلامی نظام کے لئے میں اسلامی قانون کا صحیح طور پر تشویشناک نہیں ہی نہیں ہے۔ اسلامی  
 قانون کا قیام اور اس نظام کے تسلیم اور معاشرہ کی اصل کو اس کے قانون کے تحت سے خیر کرنا غیر ممکن ہے۔ اسلام کے  
 نظام اس کے معاشرہ اور معاشرہ کے نظام کے ایک ہی ملک کے ایک ہی نظام کا حصہ ہیں۔ دوسرے نظام کا حصہ نہیں کہ تو یہاں پر  
 کتاب ہے اور مذہب اور دین کا وہاں کے ملک کے ہی میں ہے۔ یہ حرکت تو بالکل ایسی ہی ہے کہ جیسے ہم  
 کی ایک ٹیم کو لیکر کے تھے یہ پڑھ کر دیا جاتے۔ اس صورت میں اس ٹیم سے تمام حقائق کا دیر تک  
 اس کا سرسبز رہنا ہی مشکل ہے۔ یہ بالکل باتیں ہیں جسے قلمیاتیانہ لوگ ہاتھ ملتے ہیں کہ تھے ہیں جو اس  
 ملک کے نظام کو چھوڑتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ اگر اس ملک کو اسلام کے اصول پر چھوڑنا چاہتے ہیں  
 تو پھر اس کا دستور لانا اسلامی ہونا چاہیئے۔

ان حضرات کے پاس ہرگز کوئی اندازہ ہی نہیں کہ قوم ان کو کبھی منہ نہ دے گی۔ ان کے جواب میں  
 محدود ہوتے ہیں۔ اس میں لگے ہم ان میں پیش کر کے کہ ہم ان کو صاف کہنے کی کوشش کریں گے کہ کمزور  
 ہمارے خواہش یہ ہے کہ ہر ایک ملک کے لئے عام کوئی ہی طرح طبعی کریں اور تمام ان میں خوب اچھی  
 طرح جانیں کہ ان کی تاریخ ایسی نہیں ہے کہ ان کے ملک میں اسلامی نظام قائم ہو۔